نامِ نیکِ رفتگاں ضائع مکن

غالب بہ حیثیتِ محقق

از

قاضی عبدالودود

(م ۱۹۸۴ء)

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

نامِ نیکِ رفتگاں ضائع مکن

غالب بہ حیثیتِ محقق

از

قاضی عبدالودود

(م ۱۹۸۴ء)

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

تقسیم کار:
○ مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

صدر دفتر:
○ مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

شاخیں:
○ مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، اردو بازار، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶
○ مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، پرنسس بلڈنگ، بمبئی۔ ۴۰۰۰۰۳
○ مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علیگڑھ۔ ۲۰۲۰۰۲

اشاعت: ۱۹۹۵ء

پاکیزہ آفسیٹ، شاہ گنج، محمد پور روڈ، پٹنہ۔۶ میں طبع ہوئی۔

حرفے چند

قاضی صاحب کے کارناموں کو ان کی خواہش کے مطابق یکے بعد دیگرے پیش کرنے کا منصوبہ بن گیا، جس میں اوّلیت مختصر / مستقل بالذّات تحریروں کو دی جاتی تھی۔ ان میں بحیثیت محقق محمد حسین آزاد، عبدالحق اور غالب کا جائزہ تھا، کلام دلدار اور دیوان رضا عظیم آبادی کی تدوینات تھیں، اور ایک منتخب مجموعہ 'اثبات بہار' کی ترتیب تھی جس میں ان کی ہر نوع کی ایک تحریر شامل رہے۔ بحیثیت محقق محمد حسین آزاد والا جائزہ اور دیوان رضا کی تدوین 'مکتبہ جامعہ' کے لائق سربراہ شاہد صاحب کی جانسوزی سے جنوری ۸۴ء میں قاضی صاحب کے ہاتھوں میں پہنچ چکی تھیں۔ اثبات بہار کی وہ صرف پہلی کاپی دیکھ پائے (کہ یہ ابھی کتابت کی منزلوں سے گزر رہی تھی)۔ رہے نام ذات حق کا! اور رہے نام حق کی جستجو کرنے والے اس بے لاگ محقق کا جس نے سچ کی تلاش میں، سچ سننے، سچ دیکھنے اور سچ کہنے کی ایک بار قسم کھائی تو موت تک اس کو نبھا دیا!! سچ، صرف سچ، اور سچ کے سوا کچھ بھی نہیں!!

○

غالبؔ کی داستِ گفتاری جو علیگڑھ میگزین ۴۹-۱۹۴۸ء میں چھپا، واقعۃً اس طویل تنقیدی مطالعہ کا نقطۂ آغاز ہے جو غالب بہ حیثیت محقق (پہلا ورژن) ——————— کے طور سے لکھا جانا تھا۔ **غالب کی داستِ گفتاری** کی تاریخ اختتام ۱۵ر فروری ۱۹۴۸ء ہے اور **غالب بحیثیت محقق** (پہلا ورژن) کا سال اختتام ۱۹۴۹ء ——— **غالب بحیثیت محقق** کو ہم اگر بنیادی متن مانیں تو **داستِ گفتاری** کو اس کا مقدمہ مان لینا نامناسب نہ ہوگا۔ اس قبیل کے اور جو دوسرے مضامین ہیں ہم نے انھیں بھی اس مجلد میں **غالب بحیثیت محقق** کے ضمیمہ کے طور سے شامل کر لینا مناسب سمجھا، تاکہ ایک نظر میں پورا موضوع سامنے آجائے۔

ایک دو باتیں نوٹ فرمالیں کہ : یہ سب مضامین جو پہلے کہیں نہ کہیں شائع ہو چکے ہیں، (مآخذ کی تفصیل فہرست میں دی جا رہی ہے) ان کے ساتھ جو غلط نامے اصلاً شائع ہوئے، انکو سامنے رکھ کر تصحیحات کر دی گئی ہیں اور اس لیے غلط نامے شامل نہیں کیے جا رہے ہیں۔

غالب پر قاضی صاحب کی ہر کتاب کو پیش کرنے کا پہلا حق آرزو صاحب (ڈاکٹر مختار الدین احمد) کو پہنچتا ہے، اس لیے کہ قاضی صاحب سے محبت میں وہ ہمارے سینئر ہیں؛ اور پھر اس لیے بھی کہ وہ ہر چیز کو ہم سے زیادہ سلیقے سے پیش کرتے! اور یہاں تو 'خاص کر' اس لیے کہ موجودہ ترتیب تو سراسر انھیں کی مختلف تالیفوں سے ماخوذ ہے، جسے ہم نے بس یکجا کر دیا ہے — چنانچہ ڈاکٹر مختار الدین احمد کو بھی اس کی تقدیم میں برابر کا شریک سمجھا جانا چاہیے کیونکہ وہ ایک مدت سے قاضی صاحب کے بہت سے کاموں خصوصاً غالب سے متعلق کاموں کی ترتیب کے لیے بے چین اور مضطرب رہے ہیں، ایسی مقدس بے چینی اور اضطراب جو انھیں اس کا استحقاق بخشتی ہے کہ وہ اس کے روحانی مرتّب کہلائیں!

(ع ر ب)

فہرست

غالب بحیثیت محقق

مقدمہ

غالب کی راست گفتاری

غالب کی راست گفتاری (مقدمہ)

غالب کے دوست ہوں یا دشمن اس سے شاید ہی کسی کو انکار ہو کہ غالب نے خودستائی میں بخل سے کام نہیں لیا۔ صوری اور معنوی محاسن میں سے کم ایسے ہیں جن کا وہ اپنی ذات کو جامع نہ سمجھتے ہوں اپنی جن خوبیوں کو انھوں نے اجاگر کر کے دکھایا ہے ان میں راست گفتاری بھی ہے ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

"میں جھوٹ سے بیزار ہوں اور جھوٹے کو ملعون جانتا ہوں کبھی جھوٹ نہیں بولتا" (اردو[1] صفحہ ۳۷۰)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

راست گفتارم و یزداں نہ پسند جز راست حرف ناراست سرودن روشِ اہرمن است (نظم[2] صفحہ ۳)

اپنے متعلق غالب کے اس دعوی کو ان کے کل سیرت نگاروں نے باستثنائے بعض قبول کر لیا ہے۔ مثالی غلام رسول مہر اور بنیاز علی خاں صاحب عرشی کے اقوال ملاحظہ ہوں:

"حالانکہ ایشیائی شاعری جس کی بنیاد جھوٹ اور مبالغے پر رکھی گئی ہے مرزا کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی باوجود اس کے وہ روایت اور حکایت اور وعدہ و اقرار اور بات چیت میں نہایت راست گفتار اور صادق اللہجہ تھے" (یادگار غالب مطبوعہ انوار احمدی الہ آباد صفحہ ۹۶)

"والله الحمد کہ سادہ دل و راست گفتارم آفریدہ اند ہر چہ در دل داشتم بہ زبان باز گفتم" ان چند لفظوں میں ان کے اخلاق کی پوری تصویر آگئی ہے" (غالب مصنفہ مہر اشاعت ثانی صفحہ ۳۴۶)

---

[1] اس مقالہ میں رموز ذیل مستعمل ہوئے ہیں: اردوئے معلی مطبع کریمی لاہور = اردو۔ عود ہندی طبع انوار احمدی الہ آباد = عود۔ کلیات نثر فارسی طبع اول = نثر۔ کلیات نظم فارسی طبع سوم لکھنؤ = نظم۔ غیاث اللغات = غیاث۔ تیغ تیز مصنفہ غالب = تیغ۔ موید برہان = موید۔ فرہنگ جہانگیری = فرہنگ۔ درفش کاویانی = درفش۔ قاطع برہان کی اشاعت اول = قاطع۔ برہان قاطع مطبع طبی کلکتہ = برہان

"لغو گوئی سے پرہیز...... جھوٹ اور تکلف سے نفرت ..... اُن کا شعار تھا" (دیباچہ مکاتیب غالب نوشتہ عرشی، اشاعت ثانی صفحہ ۱۳)

میں یہ بحث چھیڑنی نہیں چاہتا کہ انسان کے لیے ہر حال میں سچ بولنا ضروری ہے یا نہیں۔ میری غرض صرف یہ دکھانا ہے کہ غالب کا یہ دعویٰ کہ "کبھی جھوٹ نہیں بولتا" کہاں تک صحیح ہے۔

(۱) آغا احمد علی نے موید میں (صفحہ ۱) غالب پر ایک اعتراض کے سلسلے میں لکھ دیا تھا کہ "غالب عربی داں را غیاث گم کردہ باشد" غالب "تیغ (صفحہ ۱۲) میں جو موید کا جواب ہے صاحب غیاث کی نسبت رقم طراز ہیں:

اگر غالب جامع غیاث اللغات کو آدمی جانتا ہو تو وہ خود آدمی نہیں ایک بار... اس کتاب کو سراسر دیکھ لیا جب دیکھا کہ ماخذ اس کا فن لغت میں چار شربت[۲] اور نہر الفصاحت ہے کتاب پر اور مؤلف پر لعنت بھیجی مدرس جی اتنا نہ سمجھے کہ جو میاں انجو[۳] کو نہ مانے گا وہ میاں جی غیاث الدین کو کیا جانے گا۔ بارے جب رام پور جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں کے صاحبزادگان عالی تبار اور رؤسائے نامدار سے ملاقاتیں اور صحبتیں رہیں تو اس شخص کا حال یہ معلوم (کذا)، کہ ایک ملائے مکتب ارتھانہ زمیں کا روشناس اور نہ اکابر شہر کا آشنا ایک گمنام ملا مکتب والا چند صاحب مقدور لڑکے اس کے مکتب میں پڑھتے تھے انھوں نے صرف زر میں اس کو مدد دی تب بندر کے کرمس نے نجار کی تقلید کی تھی، ایک فرہنگ لکھ کر چھپوائی۔"

انتخاب یادگار امیر مینائی نے نواب کلب علی خاں کے حکم سے لکھی تھی اس کا "مادہ تالیف" بقول امیر مینائی خود نواب کا مہیا کردہ ہے یہ بات انھوں نے اس کے دیباچے ہی میں نہیں لکھی (صفحہ ۷) ان کے ایک مطبوعہ خط سے بھی جو ثاقب[۴] کے مرتبہ مجموعے میں ہے اس کی تصدیق ہوتی ہے صاحب غیاث کا ترجمہ جو اس کتاب میں

---

[۱] یہ کتابیں قتیل کی ہیں جس سے غالب کو بغض للّٰہی ہے۔
[۲] عضد الدولہ جمال الدین حسین انجو صاحب فرہنگ جہانگیری سے مراد ہے۔
[۳] یہ کتاب اس وقت پیش نظر نہیں۔

ہے اس سے ان کی گمنامی اور رئیس کا روشناس، اور اکابر شہر کا آشنا نہ ہونے کی سراسر تکذیب ہوتی ہے رام پور میں غالب کو یہ باتیں کسی سے معلوم ہوئی ہوں صد درجہ مستبعد ہے:

"عزت تخلص مولوی غیاث الدین صاحب قدس سرہ خلف الرشید مولوی جلال الدین صاحب اپنے والد کے شاگرد رشید تھے مولوی غلام جیلانی رفعت سے مستفید تھے تصنیفات سے شوق تھا... غیاث اللغات منتخب العلوم جس میں چالیس رسالے چالیس علم میں ہیں خلاصۃ الانشا، رسالہ عروض و قافیہ، افسانہ باغ و بہار، شرح مثنوی غنیمت شرح سکندر نامہ، شرح ابوالفضل، شرح گل کشتی، شرح بدر چاچ، مجربات غیاثی، جواہر التحقیق، ازالۂ اغلاط عربی و فارسی ہیں، خواص الادویہ یہ سب رنگینئ کلک جواہر سلک موجود ہیں اور سوا ان کے اور بھی منشآت تھے دستیاب نہیں ہوئے... نواب محمد یوسف علی خاں بہادر اور بندگان دارا دربان[1]..... کو ان سے تلمذ ہے فن طب کے بھی خوب ماہر و ورع و تقویٰ ان کا کالشمس فی رابعۃ النہار ظاہر طب میں مولوی نور الاسلام کے شاگرد رشید، ایسی ذات مستجمع الصفات نہ دیدہ نہ شنیدہ عنبر شاہ اور کبیر خاں سے بھی کچھ استفادہ فرمایا ہے بہت سے استادان کامل سے فیض اٹھایا ہے بائیسویں ماہ ذی حجہ کو بارہ سو اسٹھ ہجری میں..... انتقال فرمایا" صفحہ ۲۲۶

غیاث کو میں نے بالاستیعاب نہیں دیکھا کہ اس کے متعلق اظہار رائے کر سکوں لیکن یہ معلوم رہنا چاہیے کہ ایران کے مسلم الثبوت محقق قزوینی نے المعجم فی معاییر اشعار العجم[2] کے دیباچے میں اسے "فرہنگ نفیس" کہا ہے غالب کی عداوت کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ صاحب غیاث کے ہم عصروں[3] میں بہت سے لوگ انھیں فارسی داں سمجھتے تھے اور فارسی دانی کے متعلق غالب کا خیال تھا کہ

'ایں آیہ خاص است کہ برمن شدہ نازل'

(۲) غالب اور غلام امام شہید میں شناسائی تھی۔ فارسی کے ایک خط میں جس کے مکتوب الیہ سراج الدین احمد ہیں، اور جو بظاہر اس زمانہ کا ہے جب غالب کا دیوان اردو پہلی یا دوسری بار چھپا تھا، ان کا نام بڑے ادب

---

[1] نواب کلب علی خاں مراد ہیں [2] المعجم فی معاییر اشعار العجم اور اس کا دیباچہ ابھی حال میں میری نظر سے گزرا ہے اس سے پہلے ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب سے میں نے سنا تھا کہ قزوینی نے غیاث کی تعریف کی ہے۔

[3] تفتہ جو غالب کے خاص تلامذہ میں تھے صاحب غیاث کے معتقد تھے (اردو معلی)

سے لیا ہے۔ "بندگان والا شان مخدوم مکرم و مطاع معظم حضرت مولوی غلام امام شہید مدظلہ العالی" (نثر صفحہ ۵۹)، ۱۲۷۵ھ میں ذکا غالب کے شاگرد ہوئے (نثر صفحہ ۱۱۹) غالب نے اپنے بعض خطوں میں ذکا کو شہید سے متعلق توہین آمیز الفاظ لکھے۔ بے خبر⁵ کو جو غالب اور شہید دونوں کے دوست تھے اس کا علم ہوا تو بظاہر انھوں نے غالب سے اس کی شکایت کی۔ غالب صاف مکر گئے؛

"مولوی صاحب سے میری ایک ملاقات ہوئی تھی جب وہ دلی آئے تھے .... روز ملاقات سے اس دن تک کہ حضرت دکن روانہ ہوں کوئی امر ایسا کہ باعث ناخوشی کا ہو درمیان نہیں آیا .... اگر خدانخواستہ .... رنج پیدا ہوتا آپ بہت جلد اصلاح بین الذاتین کی طرف متوجہ ہوتے اب سنیئے حال منشی حبیب اللہ کا۔ میں نے ان کو دیکھا ہو تو آنکھیں پھوٹیں۔ تین چار برس ہوئے کہ ناگاہ ایک خط حیدرآباد سے آیا .... کہ میں تلمذ اختیار کرتا ہوں .... بریلی اور لکھنؤ اور کلکتہ اور بمبئی اور سورت سے اکثر حضرات نظم و نثر .... بھیجتے رہتے ہیں۔ ہر ایک کا پایہ .... فن شعر میں معلوم ہو جاتا ہے، عادات و عندیات عدم ملاقات ظاہری کے سبب میں کیا جانوں؟ ذکا کے اشعار آتے رہے اور میں اصلاح دے کر بھیجتا رہا بعد وارد ہونے مولوی صاحب کے ایک غزل ان کی آئی اور انھوں نے یہ لکھا کہ ... شہید اکبرآبادی کی غزل پر غزل لکھ کر بھیجتا ہوں۔ میں نے لکھا کہ مولانا شہید اکبرآباد کے نہیں، لکھنؤ اور الہ آباد کے ہیں اس سے زیادہ کوئی بات میں نے نہیں لکھی اس سے توہین کے معنی مستنبط ہوں تو میں اس کا مستحق ہی اب میں نہیں جانتا کہ منشی صاحب نے مولوی صاحب سے کیا کہا اور مولوی صاحب نے آپ کو کیا لکھا" (عود صفحہ ۱۶۷ و اردو صفحہ ۲۱۲)۔ ذکا کے نام کے مطبوعہ خطوں میں کوئی ایسا نہیں جس میں شہید کے وطن کی بحث ہو، گو یہ ممکن ہی کہ غالب نے ذکا کو کسی خط میں اس بات کے متعلق لکھا ہو اور وہ خط نہ چھپا ہو۔ قابل اعتراض خط دو ہیں جن کی ضروری عبارتیں ذیل میں نقل کی جاتی ہیں؛

"اب سنتا ہوں کہ مولوی غلام امام شہید شاگرد قتیل وہاں کو میں انا ولا غیری بجا رہے ہیں اور سخن ناشناسوں کو اپنا زور طبع دکھا رہے ہیں .... ایک شخص مجھ سے کہتا تھا کہ مختار الملک نے منہ نہ لگایا، مگر محی الدولہ نے چار سو روپے مہینا سرکار جناب عالی سے مقرر کرا دیا ہی" (اردو صفحہ ۳۷۵)

---

۵ کلیات شہید مطبوعہ کا دیباچہ بے خبر نے لکھا ہی

(۲) مولوی غلام غوث خاں بے خبر مخلص خالص الاخلاص ہیں، ہرگز ان کو مدعی سے تلمذ نہیں البتہ اس کو خوشگو جانتے ہیں اور یہ کبھی نہ ہوگا کہ وہ میرا مقابلہ کریں .... باطل است آنچہ مدعی گوید۔ مدعی اپنے زعم میں مجھ کو اپنا ہم فن جان کر حسد کرتا ہے میں امیر علی شبر جیسا محتسب اور مولوی جامی جیسا مفتی کہاں سے لاؤں جو نیاؤ کرے اور کاذب کو سزا دے، شکر ہے خدا کا کہ تم سخن ور اور سخن داں ہو اور یقین ہے کہ قلمرو ہند میں اور بھی ایسے آدمی ہوں گے کہ میرے اور مدعی کے رتبے کو ممیز ہو سکیں گے مصرع :

عید است بادہ شد فلک و ساغر آفتاب

خالقاً للہ فلک ظرف اور آفتاب مظروف ہے یہ شخص ظرف کو مظروف اور مظروف کو ظرف ٹھہراتا ہے.... اس سے بڑھ کر ایک اور خدشہ ہے یعنی مشبہ اور مشبہ بہ میں وجہ شبہ شرط ہے آفتاب و ساغر میں تدویر وجہ شبہ ہے۔ شراب اور فلک میں وجہ تشبیہ کہاں؟ (اردو، صفحہ ۳۴۹)

پہلا خط ۱۸۶۳ء کا ہے اور دوسرا ۱۴ صفر سال غفر یعنی ۱۲۸۰ھ کا ہے چونکہ بے خبر کو غالب نے یہ لکھا ہے کہ اس وقت ذکا کے تلمذ کو تین چار برس ہوئے ہیں اور انھوں نے ۱۲۷۹ھ میں تلمذ اختیار کیا تھا قریب بہ یقین ہے کہ ۱۲۸۰ھ کے خط کی شکایت ہوئی ہوگی اس میں شہید کا نام نہیں آیا لیکن مدعی سے وہی مراد ہیں۔ شہید نے کلب علی خاں کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا تھا جو اُن کے کلیات (طبع اول صفحہ ۱۲۰-۱۲۱) میں موجود ہے غالب نے مطلع کے پہلے مصرع پر اعتراض کیا ہے جو دراصل یوں ہے۔

عیدست و شیشہ شد فلک و ساغر آفتاب

اس کا دوسرا مصرع یہ ہے:

از بادہ آفتاب تراود در آفتاب

غالب نے 'شیشہ' کی جگہ 'بادہ' لکھا ہے ممکن ہے کہ انھوں نے اسی طرح سنا ہو یا بعد کو شہید نے مصرع میں اصلاح کر لی ہو مجھے حیرت اس پر ہے کہ ان خطوں کے لکھنے کے بعد غالب نے توہین آمیز الفاظ کے استعمال سے قطعی انکار کس طرح کیا۔ یہ خط اس کے بعد اردوئے معلی کے حصہ دوم میں چھپے ہیں اور اس وقت محفوظ ہوں گے شاید وہ یہ سمجھتے ہوں کہ ذکا آخر شاگرد ہیں یہ خط ان کے خلاف بہ طور ثبوت نہ پیش کیے جاسکیں گے اس کا

بھی امکان ہے کہ غالب نے یہ خیال کیا ہو کہ بے خبر غالب کے انکار سے مطمئن ہو جائیں گے اور اس معاملے میں زیادہ چھان بین نہ کریں گے۔

(۳۱) غالب لطائف غیبی میں جو بے شبہ ان کے قلم سے نکلی ہے 'ہوس' کے متعلق لکھتے ہیں:

"..... دکنی نے یہ واو مجہول لکھ کر جو وزن طوس لکھا ہے یہ اس کا حمق ہے۔ بھئی جی[۱] ... ایک شعر ابن یمین کا بہ طریق سند لکھتے ہیں:

رزم و بزم اختیار مکن ہست ما را بہ خود ہزاراں ہوس

... فرہنگ لکھنے والوں نے یہ شعر مصنف کی زبانی نہیں سنا دوسرا شعر بھی قطعے کا مرقوم نہیں، جو ہم قافیے پر تصحیح و تصدیق کی بنا رکھیں... ابن یمین کا تین شعر کا قطعہ ہے، فقیر نے دیکھا ہے مگر اب حافظے میں موجود نہیں اس میں ہوس بہ سکون واو ہے مگر فتحہ ہاے ہوز بدستور بحال... رہا اوپر کے دو شعروں میں قوس اور فردوس قافیہ ہے ہوس؛ وزن کوس ہرگز نہیں" (لطیفہ ۱۴)

قاطع کی دوسری اشاعت میں کتاب کو درفش کاویانی کا خطاب دیا گیا ہے اس میں ہوس کے متعلق جو عبارت بڑھائی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں:

"شعر ابن یمین مطلع نیست فردے است از قطعہ و قوافی ایں قطعہ قوس و فردوس است" (ص ۴۷)

ایسا کوئی قطعہ نہ کلیات ابن یمین (مخطوطہ کتب خانۂ مشرقیہ بانکی پور) کے قلمی نسخے میں ہے جو تمام اصناف سخن پر مشتمل ہے اور نہ مطبوعۂ کلیات مجلد ۱ میں ہے[۲] جو ایران سے شائع ہوا ہے اور جسے احتیاط کے ساتھ ایران کے ایک مشہور فاضل نے مرتب کیا ہے۔ مجلد ۱ قطعات، مثنویات اور رباعیات[۳] کے لیے مخصوص ہے، اور اصناف سخن دوسرے مجلدات میں ہوں گے قلمی نسخے میں ہر صنف سخن الگ الگ عنوانات کے تحت ہے اس میں

---

[۱] سعادت علی مصنف محرق قاطع برہان مراد ہیں۔ [۲] مطبوعہ نسخہ اب تک میں نے نہیں دیکھا، اس کی ایک نقل سید وزیر الحسن کی دی ہوئی البتہ میرے پاس موجود ہے۔ [۳] کلیات کی صرف پہلی جلد میں نے دیکھی ہے اور وہ بھی اس وقت میرے پیش نظر نہیں۔ باقی جلدوں کے متعلق مجھے علم نہیں کہ چھپیں یا نہیں۔ جلد ۱ میں غزل و قصائد قطعاً نہیں۔ رباعیات کے بارے میں مجھے ٹھیک یاد نہیں۔

غزلیات کے تحت اشعار ذیل پائے جاتے ہیں؛

۱	اے دریغا کہ عمر شد بہ فسوس	از بست ناستاندہ داد بہ بوس
۲	ساقیا گلشن از نسیم بہار	گشت آراستہ چو روئے عروس
۳	در قدح کن ز حلق بط خونے	ہم چو روئے تذرو و خون خروس (دیوان ۱۹۱/۲)
۴	رزم بر بزم اختیار مکن	ہست مارا نجوہ ہزار فسوس
۵	ہرگز ابن یمین عوض نہ کند	نغمہ چنگ را بہ نعرۂ کوس

فرہنگ (جلد ۲ صفحہ ۲۴۹) میں شعر سوم و چہارم موجود ہے اس میں شعر سوم کا دوسرا مصرع یوں ہے: "ہم چو روی تذرو چشم خروس"، اور شعر چہارم اسی طرح ہے جس طرح محرق قاطع سے غالب نے نقل کیا ہے۔ غالب نے ایسا کوئی قطعہ جس کے قوافی قوس، فردوس اور ہوس (بہ فتحہ واو) ہیں نہیں دیکھا لیکن اپنے اس دعوی کو کہ ہوس بفتحۂ واو ہے مضبوط بنانے کے لیے انھیں یہ کہنے میں مطلق تامل نہیں ہوا۔

(۴) لفظ 'ہوس' کے متعلق لطائف غیبی کی جو عبارت (۳) میں نقل ہوئی ہے اس کے بعد یہ عبارت ہے "اور اسی قبیل سے ہے یہ مصرع 'در خانہ بجز شعلہ آتیش نہ دارم' کہ جامع فرہنگ جہانگیری اس کو بہ تائے قرشت مکسور جانتا ہے معروف سمجھ کر تحتانی کو مشبع بناتا ہے۔ یہ مصرع استاد کے قطعے کا ہے جس کے قوافی عیش وطیش وجیش ہیں۔"

فرہنگ میں 'آتیش' کوئی لغت نہیں اور نہ یہ مصرع لغت آدیش کے ذیل میں جہاں اس کے ہونے کا احتمال تھا موجود ہے صاحب موید نے البتہ آدیش کی بحث میں لکھا ہے:

"ازیں جاست کہ آتیش بہ یائے اشباع نیز آمدہ ہم یکے از شعرائے متقدمین نظم کردہ:

وازبس کہ تنم سوختہ شد ز آتش فرقت — در خرقہ بجز شعلۂ آتیش نہ دارم" (صفحہ ۴۳)

ما بہ النزاع یہ ہے کہ آتش صرف فتحۂ تا سے ہے یا کسرۂ تا سے بھی ہے۔ غالب کو اصرار ہے کہ صرف فتحے سے صحیح ہے، ان کے مخالف دونوں طرح صحیح مانتے ہیں۔ مخالفین کا دعوی ہے کہ اگر تا کا کسرہ صحیح نہیں تو اشباع کسرہ سے آتیش کیونکر پیدا ہوا؟ غالب کو اس کے ابطال کا آسان طریقہ یہ نظر آیا کہ آتیش آتیش قرار دیا جائے

ایسا کوئی قطعہ جس کے قوافی آتش، جیش، اور عیش ہوں موجود نہیں یہ بات سوچنے کی ہی کہ اگر اشباع فتحہ ہوتا تو آتاش ہوتا آتیش ہونے کی کیا وجہ؟ فتحہ الف سے بدلتا ہی ی سے نہیں۔

(۵) غالب تیغ میں (ص۱۱) مصنف مؤید پر بڑی شد و مد سے اعتراض کرتے ہیں:

"مؤید کے پانچویں صفحے میں ... مولوی جی ... ایک فقرہ لکھتے ہیں: 'غم گفتار پارسی زباں خورد' بلاغم گفتار پارسی زباں خورد کے کیا معنی؟ غم مترتب ہوتا ہی ہلاک پر، فوت پر، گفتار کا غم کیا؟ پھر گفتار بھی زبان بھی یہاں مولوی کی فارسی دانی اور سخن رانی کی ٹھیک نکل گئی۔"

مصنف مؤید کے قلم سے ہرگز یہ فقرہ نہیں نکلا، یہ ان پر تہمت ہی انھوں نے یہ "غم تباہی گفتار پارسی خورد" لکھا ہی جس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ غالب شاید یہ سوچے ہوں گے کہ اصل کتاب سے مقابلے کی زحمت کون گوارا کرے گا اور تردید ہوئی تو کیا ضرور ہی کہ تیغ کے کل پڑھنے والوں کی نظر سے گزرے ان کی غرض مخالف کی تذلیل تھی اور وہ حاصل ہو گئی

(۶) غالب اسی کتاب میں (ص۱۱+) مصنف مؤید پر سرقۂ مضمون بہ تغیر الفاظ کا جھوٹا الزام لگاتے ہیں

فقیر نے درفش کاویانی کے ۱۲ صفحے میں عبارت لکھی ہی، آئے دبیران پارس را قاعدہ چناں بود کہ بر سر دال ابجد نقطہ نہادندے چوں دریں اندیشہ و جود دال بے نقطہ از میاں می رفت، دہمہ دال منقوط می ماند اکابر عرب[21] قاعدہ قرار دادند و لتفرقۂ دال و ذال را برآں قاعدہ اساس نہادند منصفین ملاحظہ کریں کہ مولوی عربی خواں فارسی داں مؤید کے ۲۴ صفحے میں یہ عبارت یوں لکھتا ہی: 'بخاطر فاتر چنیں[22] می رسد کہ چوں در زمان قدیم و عہد باستاں بزر بر دال نقطہ می نہادہ اند متاخرین کہ ازیں قاعدہ آگاہ نیند، آں را خیالاً ذال منقوطہ کردہ اند' حضرات کو میں اس نص میں بہت تکلیف دوں گا اور داد طلبی میں اصرار و ابرام کروں گا۔ فرہنگہائے بیتیس میں کوئی مجھ کو یہ مطلب دکھائے تو میں گنہگار اور یہ مولوی اٹھائی گیرہ یہ راز مجھ سے تشتبر کر مرزدم مولانا و اولنا حضرت مولوی عبدالصمد علیہ الرحمۃ نے کہا ہی۔ کوئی دوسرا اس کو نہیں جانتا[23]

[21] فارسی کے قواعد سے اکابر عرب کو کیا سروکار؟ صرف اتنی بات سنی ہی ورنہ اور جو کچھ لکھا ہی غالب سے پہلے کہا جا چکا ہی [23] فاتر کے بعد مسود اس اوراق جو غالب نے حذف کر دیا ہی ساری عبارت مؤید کے تتمے پر ہی ص۲۴ پر نہیں [22] اگر ایسی پرانی کتابیں موجود ہیں جن میں دال کو بالالتزام نقطے کے ساتھ لکھا جاتا ہی تو یہ کیونکر کہا جا سکتا ہی کہ عبدالصمد کے سوا کوئی دوسرا اس کو نہیں جان سکتا تھا؟

تھا ایسی ہی بات کو چرانا اور اپنا قول بنانا چوری اور سرزوری خیرہ رائی اور بے حیائی ہو یا نہیں؟ مصرع: "اے اہلِ عقل کوئی تو بولو خدا لگی"، جواب کا بہ ابرام طالب غالبؔ۔

جس عبارت کا مطلب مسروقہ بتایا جاتا ہو وہ صاحبِ مؤید کی نہیں صاحبِ فرہنگ کی ہو اور اس میں لفظ آویش کے تحت واقع ہو (فرہنگ جلد ا ص۵۰) آغا احمد علی نے اس کے متعلق فرہنگ کی مکمل عبارت نقل کرنے سے پہلے یہ لکھ دیا ہو صاحب جہانگیری شیرازی چناں افادہ فرمودہ کہ" اور اس کے خاتمہ پر یہ الفاظ ہیں "تم افاضتہ" سرقے کا الزام، خواہ وہ فرہنگ سے ہو یا قاطع سے آغا پر کسی طرح عائد نہیں ہو سکتا۔

(۷) یہ بھی اسی کتاب میں ہو:

"درفش کاویانی[1] کے ۵ اصفحے میں تحت تنبیہ درباره لغت آہنگ جو کچھ لکھا ہو خلاصہ اس کا یوں لکھتا ہوں: "آہنگ را ماضی کشیدن قرار داد و بر رعایت توضیح لفظ معنی کشیدہ براں افزود و سپس در فعل آہنگیدن آورد و گفت مصدر آہنگ ست کہ بمعنی کشیدن باشد" بعد نقل عبارت برہان میں نے لکھا ہو کہ قاعدہ دانان حسبۃً للہ چون قاعدہ انتزاع ماضی برافگندن نونِ مصدر است ہر آئینہ ماضی آہنگید خواہد بود نہ آہنگ مولوی جہانگیر نگری نے مؤید برہان کے ۴۹ اور ۲۰۸ صفحے کو سیاہی سے لیپ دیا ہو بارہ معنی آہنگ کے لکھے اور ہر معنی کی سند میں ایک شعر۔۔۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ مولوی نے سب فرہنگوں کو دیکھ کر دس بارہ شعر نقل کیے ہیں یہ تو سب کچھ ہوا لیکن میرے اس فقرے کا جواب کہاں ہو کہ ہر آئینہ ماضی آہنگید خواہد بود نہ آہنگ؟ سوال کا جواب نہیں اور خرافات ہزار در ہزار" ص۱۵

غالب کا یہ کہنا کہ آغا نے خارج از بحث باتیں بہت لکھی ہیں اور اصل اعتراض کا جواب نہیں دیا صحت سے بہت دور ہی غالبؔ نے قاطع میں صراحتہً لکھا تھا کہ آہنگ کے جو معانی برہان میں دیے ہیں ان میں سے بیشتر محتاج بہ سند ہیں، عبارت کا یہ ٹکڑا غالب نے تیغ میں نقل نہیں کیا اور یہ دیانت کے خلاف ہی آغا سند کے اشعار پیش کرنے میں بالکل حق بہ جانب تھے۔ رہا "آہنگ" کا ماضی ہونا اس کی نسبت ان کا یہ اعتراف مؤید ص۴۹ میں

[1] یہاں درفش سے اشاعت اول مراد ہی اور اسی کے صفحے کا شمار دیا ہی۔

موجود ہی: "و ماضی کنیدن یعنی کشید اگر از جامع است البتہ خطا کردہ است کہ گشندہ[11] را کہ معنی ہنجم جہانگیری ست، "کشیدہ" بہ یای تحتانی خواندہ۔ از حق نتواں گذشت کہ صیغۂ امر کہ ہماں آہنگ است بہ مقتضائے مقام افادۂ معنی مصدری و اسم فاعل و اسم مفعول و ہر نہ معنی ماضی" غالب غلط گوئی سے آغا کو مغلوب کرنا چاہتے ہیں۔

(۸) اس کتاب میں اسی نوع کا ایک[12] اعتراض ہے:-

ہفت[12]: بالفتح ایک لفظ ہے شنائی اس میں سے ایک سو کئی لغت پیدا کئے ہیں مزا یہ ہے کہ برہان قاطع میں بھی لکھے اور سواد ملحقات میں بھی رقم فرمائے۔ مولوی صفحہ ۲۰۴ میں اس لفظ کے باب میں ایک صفحہ پورا سیاہ کرتے ہیں میرا اعتراض یہ ہے... "یک صد و چند لغت از ہفت"... مرکب ساخت سراسر کنایہ از ہفت سپہر و ہفت سیارہ و ہفت کشور و ہفت پردۂ چشم۔ مولوی جی... نظائر ذخیرہ کا حوالہ دے کر ہفت کشور وغیرہ کی صحت میں غلو کرتے ہیں۔ کوئی پوچھے کہ غالب نے ان الفاظ کو غلط کب کہا ہے جو تم اس کی صحت کے گواہ گزرانتے ہو۔ ایک لفظ سے سو لغت بنانے کا عذر کہاں؟ بس خاتمۂ عبارت میں لکھ دیا کہ عبارت دانائے بستر یزاہمی معقول است و قول معترض نا مقبول اس عذر نہ کرنے کو میں نے معاف کیا دوبارہ ملحقات میں انھیں سو لغت کے لکھنے کا تو مولوی جی جواب دیں۔ ص ۱۵

غالب نے قاطع میں ہفت کی نسبت صرف یہ لکھا ہے:-

"و باقی یک صد و چند لغت ہمہ از ہفت کہ عددے است معروف مرکب ساخت و از مر بر قلم در مضمار بیاں شور رستخیز انداخت، سراسر کنایہ از ہفت سپہر و ہفت سیارہ و ہفت پردۂ چشم و ہفت کشور کمتر معقول و بیشتر نامعقول گوئی ایں رسالہ مستورۂ بود ناز پرور کہ ایں دکنی آں را بہ عشیمہ اشت۔ فرد لہ: نظر بازاں بدیں گونہ ہر ہفت کردہ در نظرہا جلوہ داد و بر دیدہ و دل مجہر داں طریقت منت نہاد۔ دانم کہ ہنگام فراز آوردن ایں الفاظ بر فراوانی دستگاہ خویش نازمی کردہ، شدہ دکنیاں دگر ہمی گفتہ باشد مصرع: ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند"

---

[11] فرہنگ میں آہنگ کے معنی ہنجم یہ ہیں: "ہنجم بہ معنی کشیدہ بود و آہنجیدن بہ معنی کشیدن بود" معلوم ہوتا ہے کہ کسی قلمی نسخے میں "کشیدہ" کی جگہ "گشندہ" ہے۔

[12] "ہف" نہیں "ہفت" چاہیے اور "شنائی" نہیں "ثلاثی" کا مقام ہے۔ یہ کاتب نہیں غالب کا سہو قلم ہے۔

تیغ تیز کی عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ ان لغات کے برہان اور ملحقات دونوں میں موجود ہونے پر اعتراض قاطع ہی میں ہوا تھا اور آغا نے اس کا جواب مؤید میں نہ دیا یہ واقعے کے خلاف ہے یہ اعتراض پہلی بار درفش ص۱۲۶ میں ہوا اور اس کا اعادہ تیغ میں کیا گیا۔ مؤید میں صراحتاً اس کا سال تصنیف ۱۲۸۰ھ درج ہے ص۲۴۷ وغیرہ درفش کا سال الطباع ۱۲۸۲ھ ہے (ص۱۴۵) آغا مؤید میں درفش کے اعتراض کا جواب کس طرح دے سکتے تھے؟

غالب کا یہ قول کہ آغا نے اس لفظ کے باب میں پورا ایک صفحہ (۲۰۴) سیاہ کیا ہے۔ بالکل غلط ہے اس صفحے پر صرف دو سطریں اس سے متعلق ہیں۔ غالب کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ مولوی جی .. نظائر وغیرہ کا حوالہ دیگر ہفت کشور وغیرہ کی صحت میں غلو کرتے ہیں" اور اس کی صحت کے گواہ گزرانتے ہیں مؤید میں اس کے باب میں صرف یہ عبارت ہے "ویک صد و چند لغت کہ دانائے تبریز بہ ترکیب ہفت آوردہ وعروس

بیاں را ہر ہفت کردہ ہمہ معقول است وقول معترض نامقبول"

یہ لکھنے کے بعد کہ "کمتر معقول وبیشتر نامعقول" یہ کہنا کہ "غالب نے ان الفاظ کو غلط کب کہا ہے" غالب کا حصہ ہے۔ کل نہیں تو "بیشتر" الفاظ کو انھوں نے نامعقول ضرور کہا ہے اور یہ "غلط" سے کم نہیں۔

غالب کا یہ بیان کہ "یک صد و چند لغت" برہان اور ملحقات دونوں میں ہیں ایک ضعیدی بھی صحیح نہیں جیسا کہ آغا نے شمشیر تیز تر (ص۳۴) میں لکھا ہے ان میں سے ایک بھی ملحقات میں نہیں۔ ملحقات میں ایسی ترکیبیں جن کا جزو اول "ہفت" ہو صرف دو ہیں، ہفت خم اور ہفت کہنہ اور یہ برہان میں نہیں مؤید میں آغا نے صراحتہً لکھا تھا (ص۲۱) کہ ملحقات کا کوئی سروکار صاحب برہان سے نہیں۔ غالب کو چاہیے تھا کہ تیغ میں یا تو اسے تسلیم کر لیتے یا اس کا ثبوت دیتے کہ ملحقات صاحب برہان کے قلم سے ہے۔

(۹) غالب تیغ میں (ص۱) "دیدۂ عیب باز" پر اس طرح اعتراض کرتے ہیں کہ گویا یہ الفاظ آغا کے ہیں حالاں کہ وہ عبارت جس میں یہ الفاظ آئے ہیں مؤید میں صراحتہً (ص۲۰۹۱) مرقوم ہے کہ برہان سے منقول ہیں

(۱۰) درفش کاویانی کے دیباچۂ جدید میں قاطع پر جو اعتراض ہوئے تھے ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حاشا کہ در ہیچ محل از عقیدۂ خویش رجوع کردہ باشم" ص۴

حالانکہ دو لفظوں کے متعلق نامۂ غالب میں خود انھوں نے اقرار کیا ہے کہ مجھ سے سہو ہوا ہے اور خود

درفش سے بھی اس کا پتا چلتا ہے۔ ص ۲۵ و ص ۹۴

"آویزہ اور افسوس کے بیان میں مجھ سے وہ سہو ہوا ہے کہ مجھے اس کا اقرار اور میرا دوست میاں داد خاں شرمسار ہے" (عود ص ۱۹۵)

(۱۱) غالب غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں:

"ہاں بھائی میں از روے مصلحت اپنے کو مقامات مختلف کا عازم کہہ آیا ہوں اب جو شخص تم سے پوچھا کرے صاف کہہ دینا کہ رام پور گیا ہے" (اردو ص ۱۸۴)

غالب کو خود اعتراف ہے کہ مصلحت ہو تو غلط گوئی جائز ہے۔

(۱۲) غالب ۲۸ نومبر ۱۸۶۵ء کے خط میں رام پور سے تفتہ کو لکھتے ہیں:

"میں نثر کی داد اور نظم کا صلہ مانگنے نہیں آیا، بھیک مانگنے آیا ہوں، روٹی اپنی گرہ سے نہیں کھاتا سرکار سے ملتی ہے۔ وقت رخصت میری قسمت اور منعم کی ہمت" (اردو ص ۵۹)

غالب نے صراحتہً یہ نہیں کہا کہ اس وقت تک کچھ نقد نہیں ملا، لیکن کنایتہً وہ اس سے انکار کرتے ہیں باوجود اس کے کہ اصل رقم جو ملنے والی تھی وہ ۳۰ اکتوبر ہی کو مل چکی تھی اور رخصت کے وقت ایک مختصر رقم بطور زادراہ ملی تھی عرشی صاحب دیباچۂ مکاتیب غالب میں لکھتے ہیں:

"نواب خلد آشیاں ۳۰ اکتوبر ۱۸۶۵ء کو ایک ہزار روپیہ عطا فرما چکے تھے تاہم ۲۶ دسمبر ۱۸۶۵ء کو دو سو روپے بوجہ زاد راہ مرحمت فرما کر مرزا صاحب کی... آرزو کی تکمیل کر دی" ص ۱۱۶

تفتہ سے حقیقت کا اخفا اس لیے تھا کہ کہیں انھیں کچھ دینا نہ پڑے وہ زردار آدمی نہ تھے اور اس کے باوجود آڑے وقتوں میں غالب کے کام آئے تھے۔

(۱۳) غالب شیو نرائن کو ۱۰ جنوری ۱۸۶۳ء کے ایک خط میں دیوان کے متعلق لکھتے ہیں:

"غور کرو میرٹھ کے چھاپے خانے والے محمد عظیم نے کس عجز و الحاح سے دیوان لیا تھا، اور میں نے نظر تمھاری ناخوشی پر بہ جبر اس سے پھیر لیا" اردو ص ۲۹۴

سیاح کو ۱۸۶۳ء کے ایک خط میں اسی کی نسبت یوں تحریر کرتے ہیں:

" دیوان کا چھاپا گیا، وہ شخص نا آشنا موسوم بہ عظیم الدین... آدمی نہیں بھوت ہی پلید ہی غول ہی
قصہ مختصر سخت نامعقول ہی مجھ کو اس کے طور پر انطباع دیوان نامطبوع ہی اب میں اس سے دیوان مانگتا
ہوں اور وہ نہیں دیتا" اردو ص۱۲

اس سے معلوم ہوتا ہی دیوان واپس لینے کا کچھ اور سبب تھا شیونرائن کی دلجوئی مقصود نہ تھی۔

(۱۴) ۱۰ر جنوری ۱۸۶۳ء والے خط میں یہ عبارت بھی ہی:

"رام پور سے وہ دیوان صرف تمھارے واسطے لکھوا کر لایا.. تمھارا مال ہی"۔

اس خط میں یہ لکھا کہ دیوان رام پور سے صرف شیونرائن کے واسطے لائے تھے اور ۱۸۶۶ء میں
شیونرائن کو اصل حقیقت بتا چکے تھے کہ دیوان ضیاءالدین احمد خاں کے لیے لکھوایا اور انھیں رام پور
سے دہلی بھیجا گیا تھا۔

"اب جو میں دلی سے رام پور جانے لگا تو بھائی ضیاءالدین خاں صاحب نے مجھ کو تاکید کر دی
تھی کہ تم نواب صاحب کی سرکار سے دیوان اردو لے کر کسی کاتب سے لکھوا کر مجھ کو بھیج دینا میں نے کاتب سے
لکھوا کر.. ضیاءالدین خاں کو دلی بھیج دیا تھا.. اب جو منشی ممتاز علی صاحب نے مجھ سے کہا تو مجھ سے یہی
کہتے بن آئی کہ اچھا دیوان تو میں ضیاءالدین خاں سے لے کر بھیج دوں گا مگر کاپی کی تصحیح کون کرتا ہی؟
نواب مصطفیٰ خاں نے کہا کہ میں اب کہو میں کیا کرتا۔ دلی آکر... دیوان بھیج دیا اگر میں اپنی خواہش سے چھپواتا
تو اپنے گھر کا مطبع چھوڑ کر پرائے چھاپے خانے میں کتاب کیوں بھجواتا؟" اردو ص۳۱۲

(۱۵) غالب کا ایک قصیدہ نصیر الدین حیدر شاہ اودھ کی مدح میں ہی جس میں ضمناً روشن الدولہ
وزیر اودھ کی بھی تعریف کی ہی اس کا مطلع یہ ہی:

گر بہ سنبل کدہ روضۂ رضواں رفتیم ہوسِ زلفِ ترا سلسلہ جنباں رفتیم نظم ص۲۸۸

اس قصیدہ کی نسبت تفتہ کو اگست ۱۸۶۱ء کے خط میں لکھتے ہیں:

"بڑا پرانا قصہ تم نے یاد دلا دیا، داغِ کہنہ حسرت کو چمکا دیا، یہ قصیدہ منشی محمد حسن کی معرفت
روشن الدولہ کے پاس بلکہ روشن الدولہ کے توسط سے نصیر الدین حیدر کے پاس گزرا اور جس دن گزرا

بائیس

اسی دن پانچ ہزار روپیہ بھیجنے کا حکم ہوا۔ متوسط یعنی منشی محمد حسن نے مجھ کو اطلاع نہ دی۔ منتظم الدولہ[۱۸] مرحوم لکھنؤ سے آئے انھوں نے یہ راز مجھ پر ظاہر کیا اور کہا خدا کے واسطے میرا نام منشی محمد حسن کو نہ لکھنا۔ ناچار میں نے شیخ امام بخش ناسخ[۱۹] کو لکھا کہ تم دریافت کر کے لکھو کہ میرے قصیدے پر کیا گزری انھوں نے جواب لکھا کہ پانچ ہزار ملے تین ہزار روشن الدولہ نے کھائے دو ہزار منشی محمد حسن کو دیے اور فرمایا کہ اس میں سے جو مناسب جانو غالب کو بھیج دو۔ کیا اس نے ہنوز تم کو کچھ نہ بھیجا؟ اگر نہ بھیجا ہو تو مجھ کو لکھو۔ میں نے لکھ کر بھیجا کہ مجھے پانچ روپے بھی نہیں پہنچے۔ اس کے جواب میں انھوں نے لکھا کہ اب تم مجھے خط لکھو اس کا مضمون یہ ہو کہ میں نے بادشاہ کی تعریف میں قصیدہ بھیجا ہے اور مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ قصیدہ حضور میں گزرا مگر میں نے نہیں جانا کہ اس کا صلہ کیا مرحمت ہوا۔ بس کہ ناسخ اپنے نام کا خط بادشاہ کو پڑھوا کر ان کا کھایا ہوا روپیہ ان کے حلق سے نکال کر تم کو بھیج دوں گا۔ بھائی یہ خط لکھ کر میں نے ڈاک میں روانہ کیا، آج خط روانہ ہوا، تیسرے دن شہر میں خبر اڑی کہ نصیر الدین حیدر مر گیا۔ اب کہو میں کیا کروں اور ناسخ کیا کرے۔ (اردو ص ۳۲۶)

یہ قصیدہ علاوہ اور نسخوں کے کلیات کے دو ایسے نسخوں میں بھی موجود ہے جو غالب کی نظر سے گزر چکے ہیں ایک کی کتابت ربیع الآخر ۱۲۵۳ھ میں اور دوسرے کی ذیقعدہ ۱۲۵۷ھ میں تمام ہوئی ہے اور یہ دونوں نسخے کتب خانہ مشرقیہ بانکی پور کی ملک ہیں۔ اس قصیدے کا عنوان ان دونوں میں یہ ہے:

"گرایش خیال بہ لکھنؤ بہ سرو برگ ذریعۂ این قصیدہ و نگارش پذیرفتن مدح شاہ اودھ در جریدہ و بہ ورق یادگار ماندن مدح بہ ممدوح نارسیدہ، از عالم مستی بہ بوے بادہ ناکشیدہ"

---

۱۸ غالب کا ایک فارسی خط نوروز علی خاں بہادر کے نام غالباً اسی زمانے کا ہے اس میں منتظم الدولہ کے لکھنؤ سے آنے کا ذکر ہے اس خط میں منشی محمد حسن کا نام بھی آیا ہے غالب اور ان کے تعلقات بدستور رہیں اگر منتظم الدولہ نے لکھنؤ سے آکر ان کی خیانت کا حال بیان کیا ہوتا تو تعلقات میں فرق ضرور آتا۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ منشی محمد حسن اور منشی محمد حسن خاں دو مختلف شخص ہیں یا یہ کہ منتظم الدولہ لکھنؤ آتے جاتے رہتے تھے یہ واپسی اس واپسی سے مختلف ہے جس کا ذکر تفتہ کے خط میں ہے۔ خط کے لیے نثر ص ۱۲۳

۱۹ کیا ناسخ کو عزل معتمد الدولہ کے بعد اتنا رسوخ حاصل تھا کہ روشن الدولہ کی علانیہ مخالفت کی جرأت کر سکتے؟

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ قصیدہ ممدوح تک نہ پہنچا صلے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

متفرقات غالب میں جو ابھی حال میں شائع ہوا ہے غالب کا ایک خط ناسخ کے نام ہے اس کا مرتجا قصیدۂ مذکور بالا سے تعلق ہے۔ اس کے ضروری عبارات ملاحظہ ہوں،

"مشکیں رقم صحیفۂ شام آرزو را غالیہ سا ۔۔۔ آمد آغازہ ممدوح بہ گلبانگ التفات پردۂ چند از پیش روداد سخن را وردو مقام نشست ہمدمی بخشید۔ نخست در معرض استفسار کمیت زر ڈگری و آن گاہ بر مخونی سفر دکن نہفتہ مباد آنچہ کہ در عبودیت نامۂ پیشیں ازیں عالم گفتہ شدہ بود دیبرانی بیان داشت ورنہ مرا کہ باکشاکش تقاضا خو کردہ ۔۔۔ ام، ازیں ہنگامہ بر دل نبدے دگر نہ بے مدت دخود ایں مایہ زر کہ از من بدار القضا خواستہ می شود، بداں نمی ارزد کہ خاطرم را پراگندگی دہد۔۔۔ آنچہ کہ مرا می باید داد از چہل ہزار افزوں تر و از پنجاہ ہزار کمتر است۔ حاشا کہ بدیں وجہ آرزوے ام اگر دل گرو دیا خود مناسب عالم پروہ باشد مگر ایں قدر از دست بہم دہد تا بہ نشینم و مشت مشت بر سر عیاں فشانم و خود را ازیں بلاکدۂ نیل نامند برکراں کشیدہ قلندر گردم ۔۔۔ ایں کہ لختے از عمر تلف نمودم و مدح شاہ اودھ سرودم آرایش بساط ایں تمنا بود ۔۔۔ چوں کار ساختہ نہ شد و زمزمۂ من بدل ہاے سخت شاہی فرو دنیامد روے گرداندم و بر خود دریغ خوردم۔ اکنوں من کجا و سفر دکن کجا! ۔۔۔" ص۱۰۲

غالب نے یہ خط ظاہر ہے کہ نصیر الدین حیدر کی موت سے پہلے لکھا ہے اس میں بادشاہ سے صلہ دینے اور روشن الدولہ اور منشی محمد حسن کی خیانت کی طرف اشارہ بھی نہیں یہ حکایت کہ انعام ملا لیکن غالب تک نہ پہنچ سکا اختراعی ہے۔

۱۶) ۱۲۷۶ھ میں جب قاطع تمام ہوئی ہے تو دنیا کو پہلی بار اس کا علم ہوا کہ غالب کا ایک استاد عبد الصمد بھی تھا۔[۱۶] اس سے بہت پہلے جب ان کی عمر ۴۴ برس کی تھی وہ ایک فارسی خط میں تحریر لکھ چکے ہے کہ،

"در سخن از پرورش یافتگان مبدء فیاضم و سواد معنی را بہ فروغ گوہر خویش روشن کردہ ام از ہیچ آفریدہ حق آموزیم بہ گردنم و بار منت رہنمائیم بر دوش نیست"

حالی اس اعتراف کے باوجود کہ "کبھی کبھی مرزا کی زبان سے یہ بھی سنا گیا ہے کہ مجھ کو مبدء فیاض کے سوا کسی سے تلمذ نہیں ہے اور عبدالصمد محض ایک فرضی نام ہے چونکہ مجھ کو لوگ بے استاد کہتے تھے ان کا منہ بند کرنے کو میں نے ایک فرضی استاد گڑھ لیا ہے" اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ "عبدالصمد فی الواقع ایک پارسی نژاد آدمی تھا اور مرزا نے اس سے کم و بیش فارسی زبان سیکھی تھی" (یادگار صفحہ ۱۴) عبدالصمد اگر فرضی نام ہے تو جھوٹ ظاہر ہے اگر واقعی اس نام کے کسی شخص سے فارسی سیکھی تھی تو انکار راست گفتار آدمی کا کام نہیں

(۱۷) غالب کا یہ بیان کہ نواب یوسف علی خاں نے دو سو روپے قاطع کے چھپوانے کے لیے دئے تھے (اردو صفحہ ۱۲) میری رائے میں حقیقت کے خلاف ہے یہ اس واسطے نہیں کہ رام پور سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی (دیباچہ مکاتیب صفحہ ۱۲۸) نہ اس لیے کہ قاطع کی تقریظ پر غالب کا لفظ ہی میسر نہیں، غالب نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ میں اسے خلاف واقعہ تقریظ کی اس عبارت کی بنا پر سمجھتا ہوں جو نواب کلب علی خاں سے متعلق ہے۔ ریاست کے معاملات بہت نازک ہوتے ہیں، غالب روپے پاکر یہ ہرگز نہیں لکھ سکتے تھے کہ "اگر ایں جوان مرد.... بہ بستن شیرازۂ اوراق پریشاں نہ پرداختے، کاغذ سودات قاطع برہان را.... سرمہ فروش خریدے تا چکہ ہا ساختے"

(۱۸) غالب کے اسی بیان میں جس کا ابھی ذکر ہوا یہ بھی ہے کہ درفش کے چھاپنے کے لیے یوسف علی خاں نے دو سو دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن ایفا سے قبل ہی مر گئے وعدے کی "از روئے دفتر" تصدیق نہیں ہو سکتی اس لیے اس کا امکان کہ ان کے جانشین سے یہ روپے وصول ہوں کم ہے، غالب کو یہ علم کیونکر ہوا کہ نواب نے دفتر کو اس کی اطلاع دی تھی اور وہاں اس کے متعلق کوئی تحریر موجود نہیں؟ یہ بھی بنائی ہوئی بات ہے

غالب کے یہاں بالارادہ حقیقت سے انحراف کی اور بھی مثالیں ملتی ہیں، لیکن اس مقالہ کا خاتمہ غالب کے ایک بیان پر کیا جاتا ہے جس میں دروغ گوئی کا اعتراف موجود ہے، لیکن یہ دروغ گوئی ایک دوست کی بھلائی کے لیے ہے۔ حسین مرزا کو لکھتے ہیں:

(۱۹) "ابھی.... تمہارا قرض خواہ آیا تھا۔ کچھ سچ کچھ جھوٹ کہہ کر اس کو راہ پر لایا ہوں، کہ سو دو سو روپے تم کو بھیج دے" (اردو صفحہ ۱۴۱)

(علی گڑھ میگزین ۴۹–۱۹۴۸ء)

(۱۵ فروری ۱۹۴۹ء)

غالب بحیثیت محقق

متن

۱) 'غالب بہ حیثیت محقق' کے عنوان سے جو میرا ایک مقالہ علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر میں اشاعت پذیر ہوا، بہت عجلت میں لکھا گیا تھا اور اس میں اغلاط طباعت بھی بہ کثرت تھیں، میری استدعا ہے کہ یہ کالعدم سمجھا جائے'' اور مجھے اس کے متعلق ہر قسم کی ذمہ داری سے بری قرار دیا جائے۔ مقالۂ ہٰذا کا عنوان وہی ہے، لیکن یہ از سر نو لکھا گیا ہے۔ اگر اس میں کوئی بات پہلے مقالے سے مختلف طور پر ملے، تو یہ خیال کرنا چاہیے کہ راقم کے نزدیک اسی طرح صحیح ہے، لیکن کسی بات کا جو پہلے مقالے میں تھی، مقالۂ ہٰذا میں یک قلم نہ پایا جانا لازماً اس لیے نہیں کہ وہ غلط تھی۔ اس مقالے کے لیے جتنے صفحات کی ضرورت تھی نقد غالب میں نہ مل سکے، اس لیے بہت سے 'سخنہای گفتنی' ناگفتہ رہ گئے اور بہت سے مقامات میں جہاں تفصیل کی ضرورت تھی اجمال سے کام لینا پڑا ہے۔

۲) اس مقالے میں غالب کے عبارات، طریق استدلال وغیرہ پر جو اعتراض ہیں، ان میں سے کچھ اوروں کے یہاں بھی ہیں، میں چاہتا تھا کہ ایسی صورت میں معترض اوّل کا ذکر ضرور کیا جائے''، لیکن افسوس ہے کہ اس کا التزام نہ ہو سکا۔

۳) اس مقالے میں جو اسناد پیش کیے گئے ہیں، ان کے متعلق امور ذیل پیش نظر رہیں: (۱) غالب کے بعض مداحوں کے نزدیک غالب کی قاطع برہان پر جو اعتراضات ان کے دوران حیات میں کیے گئے تھے، وہ اس بنا پر کہ ان میں ہندوستانی فرہنگ نگاروں کے اقوال سے جنھیں غالب پہلے ہی قطعاً نامستند کہہ چکے تھے، استشہاد کیا گیا ہے

بڑی حد تک ناقابل اعتنا ہیں۔ میں نے اس کا لحاظ رکھا ہے کہ کسی ایسے امر کے لیے جس کے متعلق ایرانیوں کا قول ہی قول فیصل کا حکم رکھ سکتا ہے، کوئی ایسی سند نہ پیش کی جائے جسے قبول کرنے میں ایرانیوں کو تامل ہو سکے۔ (۲) ہر سند کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ کہاں سے لی گئی ہے اور عموماً ماخذ کے ورق یا صفحے کا حوالہ دیا گیا ہے (۳) سندیں ایک کتاب کے ایک سے زیادہ نسخوں سے بھی دی گئی ہیں؛ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جو چیز ایک نسخے کے حوالے سے پیش ہوئی ہے، وہ لازماً دوسرے نسخے یا نسخوں میں موجود نہیں۔ (۴) بعض شعرا کے اسناد ان کی کتابوں کے حوالے سے نہیں دیے گئے حالانکہ یہ فہرست مآخذ میں شامل ہیں۔ اس سے بھی لازماً یہ نتیجہ نہ نکالا جائے کہ یہ ان کتابوں میں نہیں ہیں (۵) اسناد نظم و نثر دونوں سے لیے گئے ہیں، اور عموماً جس طرح ملے ہیں اسی طرح درج ہوئے ہیں۔ قیاسی تصحیح اگر ہوئی ہے تو اس کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ (۶) شعر کی جگہ ایک مصرع یا مصرع کا ایک ٹکڑا بھی سند میں دیا گیا ہے، اور اسناد نثر کو اکثر زوائد سے مبرا کر کے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسناد زیادہ ہیں تو بعض کے متعلق یہ کہنے پر اکتفا کیا گیا ہے کہ فلاں کتاب میں فلاں جگہ ہے (۷) فرع کی جگہ اصل، اصل کی جگہ فرع اور ایک فرع کی جگہ دوسری فرع سند میں پیش کی گئی ہے، بہ شرطیکہ اس سے کام نکل سکتا ہے؛ اور اس کی طرف ناظرین کی توجہ منعطف کرانا غیر ضروری سمجھا گیا ہے (۸) کسی حرف کی حرکت کا شعر سے ثبوت اس صورت میں دیا جا سکتا ہے کہ جس حرکت کو ثابت کرنا ہے وہ داخل قافیہ ہو اور اس کا تغیر روا نہ ہو، لیکن اس کا پتا کہ قافیے کے کسی خاص حرف کی حرکت کیا ہے، شعر مصرع ہو تو اور بات ہے ورنہ اس وقت تک نہیں چل سکتا جب تک کم از کم دو شعر نہ ہوں۔ میں نے ایسے مواقع پر صرف ایک شعر یا ایک مصرع بھی پیش کیا ہے۔ ایسی صورت میں لازماً یہ سمجھا جائے کہ دوسرے شعر یا دوسرے مصرع میں وہ حرکت ہے جس کا میں نے دعویٰ کیا ہے۔ مثلاً فتحۂ تائے استر کے ثبوت میں اگر حافظ کا مصرع "کیں ہمہ ناز از غلام ترک و استر می‌کنند" ملے تو

خواہ اس کے متعلق کوئی اطلاع اس کے ساتھ ہو یا نہ ہو، ناظرین لازماً یہ سمجھیں کہ دوسرے قوافی منبر دیگر یا اسی قبیل کے دوسرے الفاظ ہیں، جن کا حرف ماقبل روی مفتوح ہو۔ (۹) کچھ لغات کے اسناد دوسروں کے مقابلے میں کم ہیں؛ اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ زیادہ اسناد ملے ہی نہیں، یا یہ کہ جو ملے ہیں وہ بھی سب کے سب پیش نہیں ہوئے، (۱۰) میں چاہتا تھا کہ اسناد تاریخی ترتیب کے ساتھ درج کروں، لیکن یہ نہ ہو سکا۔

۴) کچھ کتابیں جن کے حوالے دیے گئے ہیں، اس وقت میری دست رس سے باہر ہیں، اور ان کے لیے مجھے ان یادداشتوں پر بھروسا کرنا پڑا ہے جو میں نے دوران مطالعہ میں قلم بند کر لی تھیں، ان میں سے بعض یادداشتیں عجلت میں لکھی گئی تھیں؛ اس لیے اس کا احتمال ہے کہ صفحے یا ورق کا ہندسہ غلط نقل ہو گیا ہو۔

۵) بعض امور کی تحقیق جیسی چاہیے نہ ہو سکی، اس کا ایک بڑا سبب بعض ضروری کتابوں کا پٹنہ میں نہ ہونا ہے۔

۶) میں نے اس مقالے کی کسی فصل میں، غالب کے کل اغلاط و تسامحات کو یک جا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کسی امر کا عدم اندراج اس سے لازماً اتفاق کرنا نہیں۔

۷) غالب کی قاطع برہان، لطائف غیبی اور تیغ تیز کم یاب ہیں؛ میں نے مختلف فصلوں میں ان کے طویل اقتباسات اس وجہ سے بھی دیے ہیں۔

۸) فہرست مآخذ و مخففات وغیرہ خاتمے میں ملے گی، مقالے سے پہلے اس کا دیکھ لینا ضروری ہے۔

تمہید | غالب نے اپنی ایک فخریہ رباعی میں اپنے کلیات نظم فارسی کی نسبت کہا ہے کہ اگر شاعری مذہب ہوتی تو یہ اس کی 'ایزدی کتاب' ہوتا (کلیات ص۵۱۷)۔ قاطع برہان کے بارے میں جس پر ایک محقق کی حیثیت سے ان کی شہرت کا مدار ہے، انھوں نے اتنی بڑی بات تو نہیں کہی، لیکن یہ دعویٰ ضرور کیا ہے کہ اس کا پایۂ تحقیق اتنا بلند ہے کہ 'اس سے بڑھ کر متصور نہیں' (معلی ص۲۰۲)۔ خود اس کتاب

میں انھوں نے بہ بانگ دہل اس کا اعلان کیا ہے کہ ہندوستان کے فارسی دانوں میں میرے سوا کوئی مستند نہیں۔ اس دعوی 'انا ولا غیری' کی وجہ خود ان کے الفاظ میں یہ ہیں:-

"خود ہندوستانی زاد بودن و ہندوستانی زادیان دگر را ہم در فرہنگ و ہم در نظم مسلم نداشتن و خود علم پندار زباندانی افراشتن چہ معنی دارد؟... من می گویم کہ نیاگان من از ماوراء النہر بود و پدرم در دہلی پیکر پذیرفت و من در آگرہ منشور ہستی یافتم حاشا کہ خود را از اہلِ زبان گیرم۔ زباندانی من بیعنی سہ فرزانہ خدا آفرید سہ گوہر ازلی آوردہ است: نخست سلامت طبع کہ غلط را نمی پذیرد و جز براستی آرام نمیگیرد۔ دوم مناسبتِ آں طبع غلط ناپسند، جز براستی پیوند با پارسی زبان۔ سہ دیگر احراز دولت دیدار تیمار ہرمزد فراوان کمال و دانش اندوختن از وے تا دو سال پیہم گذشتن بر باستانی نامہ ہای نشاط درزیدن از آں شور انگیز شورانگیز ہا" (ک ص ۱۳۱)

اقتباس بالا میں غالب اپنا شمار اہلِ زبان میں کرنے سے صریحاً انکار کرتے ہیں لیکن ذیل کے الفاظ بھی خود ان کے قلم سے نکلے ہیں: 'بندہ ہندی مولد و پارسی زبان ہے' (نامہ غالب عود ص ۱۸۶) "مرتا ہوں، مجھے سمجھاتے ہو کہ صد جا در کلام اہلِ زبان خواہند یافت، مگر میں بانیِ کلام اہلِ زبان نہیں ہے"۔ (خطوط ص ۲۴۳) 'ترک نژاد پہلو زبان' (خود غالب سے متعلق، ک ن ص ۷۱)

غالب نے اپنے ایک خط میں وہ 'تفاوت' دکھایا ہے جو ان میں اور 'اہلِ زبان' میں ہے، مگر انھوں نے اس موقع پر معاصر ایرانیوں کو اس طرح نظر انداز کیا ہے کہ گویا ان کا وجود ہی نہیں۔ اہلِ پارس سے صریحاً ان کی مراد وہ ایرانی بزرگان سلف ہیں جن کی نظم و نثر کا سکہ ہند میں بیٹھا ہوا تھا۔ ان کی عبارت یہ ہے:

'مبدءِ فیاض سے مجھے وہ دستگاہ ملی ہے کہ اس زبان کے قواعد و ضوابط میرے ضمیر میں اس طرح جاگزیں ہیں، جیسے فولاد میں جوہر۔ اہلِ پارس میں اور مجھ میں دو طرح

کے تفاوت ہیں: ایک تو یہ کہ انکا مولد ایران اور میرا ہندوستان، دوسرے یہ کہ وہ لوگ آگے پیچھے سو، دو سو، چار سو آٹھ سو برس پہلے پیدا ہوئے ہیں" (خطوط صفحہ [illegible])

غالب جب یہ کہتے ہیں کہ میں اپنا شمار 'اہل زبان' میں نہیں کرتا، تو اس سے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میری مادری زبان فارسی نہیں، اور جب یہ فرماتے ہیں کہ میں 'پارسی زباں' ہوں، تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ فارسی سے اپنی طبعی مناسبت اور تتبع کلام اساتذہ کی بدولت میں کسی ایرانی سے کم نہیں۔

غالب نے 'محقق اکمل' (ل ۵) اور 'محقق مدقق' (ل ۱۴)، ہونے کے ادعا پر اکتفا نہیں کیا، وہ 'ہمہ دان قدیم التقریر' ہونے کے بھی مدعی ہیں (ل ۵)، اور پنج آہنگ کی اشاعت ۲ کے سرورق کی عبارت میں 'شہنشاہ ممالک علوم عربی وفارسی' کا لقب جو انھیں دیا گیا ہے، ممکن ہے کہ اس کی اجازت ان سے نہ لی گئی ہو، لیکن یہ باور کرنا مشکل ہے کہ غالب نے اسے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہو۔

کلیات کے بارے میں جو رباعی ہے تعلّی شاعرانہ سمجھ کر ناقابلِ اعتنا قرار دی جا سکتی ہے لیکن نثر میں اپنے متعلق غالب نے جو دعوے کیے ہیں، اسی صورت میں نظرانداز کیے جا سکتے ہیں کہ غالب مرفوع القلم تصور کیے جائیں۔ مقالہ ہٰذا کی علت غائی یہ دکھانا ہے کہ غالب کے دعاوی حقیقت سے کس قدر مطابقت رکھتے ہیں۔

۱- ایران قدیم

حالی کا خیال ہے کہ غالب کو "پارسیوں کے مذہبی خیالات اور اسرار جن کو فارسی زبان کے سمجھنے میں بہت بڑا دخل ہے" عبدالصمد سے معلوم ہو چکے تھے (یادگار صفحہ ۱۶)۔ خود غالب صراحتہً کچھ نہ کہیں، کنایۃً ایران قدیم سے محققانہ واقفیت کے ضرور مدعی ہیں، قاطع میں جہاں لفظ پژ کی قدامت کی بحث ہے، رقم طراز ہیں: "اگر غالب نداند چہ زیاں واگر ساسان پنجم در ترجمۂ دساتیر نیارد چہ باک" (دک صفحہ ۱۵۱)، اور دستنبو کا خاتمہ جس رباعی پر ہوا ہے، اس میں غالب نے اپنے کو ساسان ششم کہا ہے:

"زینساں کہ ہمیشہ در روانی مائیم   سرچشمۂ راز آسمانی مائیم

لختے ز دساتیر بود نامۂ ما ساسان ششم بہ کاردانی مائیم

غالبؔ نے زردشتیوں کی کتب مقدّس کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ بعض جزئی باتوں سے قطع نظر، ہرمزد میں منتقل ہو چکا ہے۔ غالبؔ کے یہاں اوشتا کا ذکر برائے نام ہے، اور ظاہراً وہ اسے اور زند کو جسے وہ زائے فارسی سے لکھتے ہیں، خلاف واقع ایک سمجھتے ہیں۔ زندان کے نزدیک معدوم محض ہے، مگر وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ پازند کے چند نسک باقی رہ گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اوستا جسے زردشتیوں کی نظر میں وہی رتبہ حاصل ہے جو قرآن کو مسلمانوں میں ہے، عہد ہخا منشی میں ۲۱ کتابوں (یا دفتروں) اور ۸۱۵ فصلوں میں منقسم تھی۔ عہد ساسانی میں کتابوں کی تعداد یہی تھی، لیکن، فصلیں گھٹ کر ۳۴۸ رہ گئی تھیں، جن کے کلمات کا شمار مشہور مستشرق وسٹ کی تخمین کے مطابق تین لاکھ پینتالیس ہزار سات سو تھا۔ دین کرد سے جو عہد ماموں کی تصنیف ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں عہد ساسانی کی اوستا مکمل موجود نہ تھی لیکن اس کا بہت بڑا حصّہ باقی تھا؛ دست برد زمانہ سے یہ بھی نہ بچا اور اب جو کچھ ہے وہ عہد ساسانی کے ایک ربع سے زیادہ نہیں۔ موجودہ اوستا کے کلمات کی تعداد ۸۳ ہزار بتائی گئی ہے۔ اوستا کی مختلف کتابوں کو اوستائی زبان میں نسک (اوّل وآخر مفتوح۔ غالبؔ نے بہ ضم ن لکھا ہے، پہلوی میں اسی طرح ہے۔) فصول یا ابواب کے لیے "در" کی اصطلاح مستعمل نہیں ہوئی، فصل کے لیے فرگرد، کردہ، یا ہا کی اصطلاحیں ملتی ہیں۔ اوستا اور خصوصاً اس کے قدیم ترین حصّے گاتھا کی زبان سنسکرت سے مشابہ ہے، اور اسے دساتیر کی زبان سے کچھ نسبت نہیں۔ دساتیر کی زبان جیساکہ عام طور پر معلوم ہے، مصنوعی ہے، اور موجودہ فارسی کے قالب میں ڈھالی گئی ہے، زند اوستا کی پہلوی تفسیر ہے، اور اس کے جو اجزا اب تک محفوظ ہیں، ان کے کلمات کی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار ایک سو ساٹھ بتائی گئی ہے۔ اس کے فصول یا ابواب کے لیے بھی در کی اصطلاح مستعمل نہیں ہوئی، پہلوی کا ایک خاص خط ہے جو اوستائی سے بالکل مختلف ہے۔ پہلوی کی ایک نہایت نمایاں خصوصیت اس میں ہزوارش کا وجود ہے

ہزوارشس کلدانی یا ارامی الفاظ ہیں جو لکھے تو جاتے ہیں مگر پڑھنے میں نہیں آتے مثلاً 'بیتا' اور 'ملکا' تحریر میں آتا تھا اور ان کے عوض علی الترتیب 'خانک' اور 'شاہ' بولا جاتا تھا۔ پازند اوستائی خط میں لکھی جاتی تھی اور ہزوارشس سے خالی تھی، غالب کا یہ خیال کہ پازند اور دت کی زبان ایک ہے بالکل بے بنیاد ہے۔ دساتیر اور دت کی عبارتوں کے نمونے سخندانِ فارس میں ملیں گے۔ پازند کا نمونہ جو کارنامک اردشیر پاپکاں سے ماخوذ ہے، درج ذیل ہے:

"اپش (پاپک)، پت پاسخوں، او ارتخشیر کرت پنشت، کو تو نی داناگیہا کرت کنت، چیتری کی زیباں نی اژش شایست بوذن اپاک وچورکاں ستیژک برت، دسخوں ورشت اوداچیہا اوتش گیت، سبک ۱ ص ۱۲۳

اس کا ترجمہ بہار نے یوں کیا ہے: "پس (پاپک) بپاسخ بسوی اردشیر نوشتہ کرد کہ تو نادانیہا کردی، چونکہ بہ چیزی کہ زباں از آں نشایست بودن، با بزرگاں ستیزہ بردی وسخن درشت [و] ناگفتنی ہا بدو گفتی" سبک ۱ ص ۱۲۳

زردشتیوں کے مذہبی عقائد کے متعلق غالب بڑی غلط فہمیوں میں مبتلا تھے، اور اس کا سبب دساتیر کو زردشتیوں کی کتاب مقدس سمجھنا تھا۔ غالب لکھتے ہیں:

"پارسیوں کے کیش میں تناسخ بیشتر ہے، بہ حسب درجات خیر و شر نکوکار کم آزار اچھی صورت پائیں گے اور بدکاروں کو بری صورت ملے گی۔ نفوس کاملہ آواگون سے چھٹ جائیں گے، کواکب بن جائیں گے" ل ۱۱

یہ عقیدہ دساتیر کے ماننے والوں کا ہے، زردشتیوں کو اس سے سروکار نہیں۔ غالب کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ فشار قبر اور پرسش نکیرین اور حشر اجساد اور میزان اور نامۂ اعمال اور عبور پل، زردشتیوں کے اصلی معتقدات سے نہیں (ل ۱۱)۔ اس میں صرف اتنا صحیح کہ فشار قبر اور پرسش نکیرین کا ذکر زردشتیوں کی کتب مذہبی میں نہیں، باقی کی نسبت پور داؤد مترجم گاتھا کا قول ملاحظہ ہو:

"خود زردشت موظف است تا دامنۂ رستاخیز پندار و گفتار و کردار مردماں

را در گنجینۂ اعمال نگہداری کند۔ در روزِ حساب دل پسین آنچہ از انسان در طیِ زندگانی
از بدی و خوبی سرزدہ در مقابل ہم می سنجند۔ اگر در ترازوی اعمال کفۂ خوبی سنگین تر شد
ایزد فرشتۂ راستی و شکست دروغ است۔ پس از آن ہنگام گذشتن از پل چنوات
کہ زیر وی رودی از فلز گداختہ برافراشتہ اند فرارسد۔ نیکوکاران خرم و خوش
از آن گذشتہ .. بہ بارگاہ اہورامزدا در آیند و بپاداش موعود رسند۔ آنچہ را کہ
جہان خاکی آرزوی داشتن آن داشتند بآنان بخشیدہ شود۔ اگر در روز آمارہ بدی
فزونی کرد آن گناہکار از وجدان خویش رنج و شکنجہ دیدہ از سر پل چنوات اندر
رود زیرین فلز گداختہ سرنگون گردد و بکوخ دیو و کلبۂ دروغ درآید۔ اگر بدی
و خوبی یکسان شد ناگزیرند نہ از بخشایش فردوس بہرہ مند گردند و نہ از شکنجہ دوزخ
در آزار باشند۔ جای آنان را سرای .. آمیختہ گویند و در پہلوی بآن ہمستکان
نام دادہ" مقدمہ، ص ۵

فارسی لفظ رستخیز یا رستاخیز قیامت کے معنی میں قدیم ہے اور غالب کے
یہاں بھی یہ کئی جگہ آیا ہے، مگر انھیں تسلیم نہیں کہ حشر اجساد زردشتی عقائد میں داخل
ہے۔ پل چینود کا ذکر گاتھا (وہ ایران شناس جو اوستائی زبان میں وجود کے
قائل ہیں، اسے گاتھا کہتے ہیں) میں کئی جگہ ہے اور اس کی تفاصیل ارداویراف نامہ
وغیرہ میں مندرج ہیں۔ پل صراط کا عقیدہ زردشتیوں نے مسلمانوں سے نہیں
لیا، بلکہ معاملہ برعکس ہے، مگر بعض عیسائی مبلغین کا یہ خیال کہ صراط چینود کا
معرب ہے کچھ اصل نہیں رکھتا۔

غالب آبادی عقائد کو اصلی زردشتی عقائد سمجھتے ہیں، اور قدیم ایران سے
متعلق ان کی معلومات کا مدار دساتیر اور آبادیوں کی بعض اور کتابوں کے علاوہ شاہنامۂ
فردوسی پر ہے، جن سے صحیح زردشتی عقائد معلوم نہیں ہو سکتے۔ زردشتیوں کی مسلمات
سے ہے کہ کیومرث (معرب پہلوی) دنیا کا پہلا انسان ہے، لیکن اس کے دورانِ حیات
میں کوئی دوسرا انسان پیدا نہیں ہوا، اس کی نسل ایک خاص طریقے سے اس کی

موت کے بعد چلی ہے:

دگیومرث آمد از گیتی یکی بہر   ابا یک گاد تنہا در بہسہ و ہزار پژدوا شہ

کچھ قدیم مسلمان مؤرخ بھی اس سے واقف تھے کہ زردشتیوں کے نزدیک کیومرث ابوالبشر ہے، لیکن، یہ اسلامی عقیدے سے متصادم تھا اور وہ اسے قبول نہ کرسکے۔ فردوسی اس کے انسانِ اوّل ہونے کے بارے میں خاموش ہے، لیکن، وہ اسے دُنیا کا پہلا بادشاہ بتاتا ہے۔ دساتیر کے مطابق وہ یاسان اجام (یاسان سے مختلف) کا بیٹا اور اپنے زمانے کا بادشاہ و پیمبر تھا، لیکن دساتیر کے بہ موجب اس سے پہلے بہت سے پیمبر اور بے شمار بادشاہ گزر چکے تھے۔ غالب کے نزدیک زردشتی عقیدہ یہ ہے کہ وہ پسر یاسان (یہ عجیب نہیں سہو قلم ہو) دُنیا کا پہلا بادشاہ اور اپنے زمانے کا پیمبر تھا (ک ن ص۳۰۵) غالب نے دُنیا کا پہلا بادشاہ ہونے کے معاملے میں دساتیر پر شاہ نامے کو کیوں ترجیح دی، اس کی وجہ انھوں نے نہیں بتائی۔ کیومرث کی اوستائی شکل گیہ مرتن ہے اور اوستائی زبان میں گیہ بہ معنی جان اور مرتن بہ معنی مُردنی ہے۔ غالب کے نزدیک صحیح کیومرث (کاف عربی کے ساتھ) ہے، مگر اوستائی در کنار پہلوی میں بھی کاف عربی نہیں، اس کے معنی ان کے نزدیک بزرگ شکوہ ہیں جو نہ معلوم کہاں سے انھوں نے لئے ہیں۔ (ک ن ص۳۰۲) غالب ک ن ص۳۰۵ میں کیومرث کے بعد رقم طراز ہیں: "پس سیامک و ہوشنگ و تہمورس (ف) و جمشید پشت بہ پشت بادشاہ بودہ اند" غالب کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک سلسلۂ نسب اس طرح ہے: جمشید ابن تہمورس ابن ہوشنگ ابن سیامک ابن کیومرث (دک ص۲۷ میں انھوں نے صراحتہً ہوشنگ کو سیامک کا بیٹا لکھا بھی ہے) اور یہ شاہ نامہ و دساتیر کے مطابق ہے، لیکن زردشتیوں کے عقیدے کے مطابق سیامک کیومرث کا پوتا، ہوشنگ سیامک کا پوتا اور طہمورس و جمشید دونوں ہوشنگ کے پر پوتے تھے۔ دساتیر کے بہ موجب ہو یا شاہ نامہ کے مطابق سیامک کی بادشاہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، وہ باپ کی زندگی میں مارا گیا تھا۔ یہ سب بادشاہ بل کہ فریدوں و منوچہر و کیخسرو بھی دساتیر میں پیمبر

بتائے گئے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کے نام کا الگ الگ صحیفہ بھی اس میں موجود ہے۔ مگر زردشتی اس کے قائل نہیں۔ غالباً سمجھتے ہوں گے کہ سب زردشتیوں کے نزدیک پیمبر ہیں اور ان میں سے بعض کی نبوت کا انھوں نے صراحتہً ذکر بھی کیا ہے (و ک، ص ۳۷)۔ جم کے معنی انھوں نے قادر لکھے ہیں (خطوط ص ۲۰۹)، مگر اس کی کچھ اصل نہیں۔ اس کے معنی شاید توأم ہیں۔ غالب عوام ہند کی پیروی میں ضحاک بالفتح کو بالضم لکھتے تھے چنانچہ کم از کم دو جگہ ان کے ہاتھ کی تحریر میں اس طرح موجود ہے: حاشیہ، دستنبو رام پور (فرہنگ غالب ص ۱۱۹) اور حاشیہ، دستنبو ا۔ فرہنگ نگاروں کی تقلید میں انھوں نے اس کی اصل دہ آک (دہ عیب بہ قول فرہنگ نگاراں) بتائی ہے ک ن ص ۳۰۵، لیکن ضحاک اژی دہاک (اوستائی) کا معرب ہے، اور فارسی لفظ اژدہا اسی سے نکلا ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ فریدوں کے ہاتھ سے مارا گیا ک ن ص ۳۰۵ لیکن یہ نہ فردوسی کے یہاں ہے نہ زردشتی روایات میں۔ مؤخر الذکر کے مطابق ضحاک کوہ دماوند پر زنجیروں میں جکڑا ہوا پڑا ہے اور قیامت قریب آئے گی تو خروج کرے گا۔ اسے زردشتی دجال سمجھنا چاہیے۔ غالب نے فریدوں کو آبتین کا بیٹا اور جمشید کا پوتا لکھا ہے ک ن ص ۳۰۵، اس کا نسب نامہ جو بندہش میں مندرج ہے اس کے مطابق فریتوں آسپیاں پور تورا آسپیاں کا بیٹا ہے اور نفر عشن آسپیاں پسر جم اور پور تورا آسپیاں کے درمیان ۹ پشتیں ہیں۔

غالب عہد ہوشنگ و جمشید و کیخسرو کی پارسی قدیم کا آشنایانہ انداز میں ذکر کرتے ہیں (خطوط ص ۲۸۸)، اس سے قطع نظر کہ یہ تاریخ نہیں اساطیر سے تعلق رکھتے ہیں، زردشتی روایات میں ان کا جو زمانہ بتایا گیا ہے وہ بہ استثنائے کیخسرو جس کا جانشین لہراسپ زردشت کا معاصر ہے، زردشت سے ہزاروں سال پہلے ہے، اور اس زمانے کی فارسی کا کوئی نمونہ موجود نہیں جس سے اس عہد کی زبان کا پتا چل سکے۔ اگر یہ کہا جائے کہ غالب دساتیر کی زبان کو ہوشنگ وغیرہ کے عہد کی زبان سمجھتے تھے، تو دساتیر کی مجہولیت سے قطع نظر، خود دساتیر میں ہے کہ یہ فرامین نواد (آسمانی زبان) میں ہے

جوردی زمین پر نہیں بولی جاتی، اور غالب بھی معترف ہیں کہ کلام خدا اہل زمین کی زبان میں نہیں ہوتا" (ل ۱۱) ایک اور بات یہ ہے کہ لفظ خورشید جس کی بدولت غالب نے عہد ہوشنگ وغیرہ کی زبان کی بحث چھیڑی تھی، دساتیر میں نہیں آیا، دست میں اگر ہے تو یہ غالب کے مفید مطلب نہیں اس لیے کہ اس کا فرضی زمانہ، تحریر قتل خسرو پرویز کے کچھ بعد ہے، اور اس کی زبان کا نام پارسی دری بتایا گیا ہے۔ غالب کی طرف سے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ خورشید زند میں آیا ہے، اس لیے کہ یہ عہد ساسانی میں ہوشنگ وغیرہ کے مفروضہ زمانے کے بہت بعد وجود میں آئی، اور مزید برآں کہ غالب اس کے معدوم محض ہونے کے قائل ہیں۔ غالب کو اصرار ہے کہ پشتن اور یزش (زردشتیوں کی مذہبی اصطلاحیں) دراصل ی کی جگہ پ سے ہیں۔ غالب کا خیال ہے کہ پشتن مصدر اصلی اور پوزیدن جس کا حاصل مصدر پوزش ہے اس کا مصدر مضارعی ہے، یزش دراصل پوزش بعد حذف واو ہے۔ (رجوع بہ برمزد)، پوزش پہلوی میں جس طرح کارنامک اردشیر پاپکاں کے فقرۂ ذیل سے ظاہر ہوگا: کنون ج. بوچشن گوی پت پشیانک اوہی۔ ترجمہ از بہار: "اکنوں پوزش گوی و بہ پشیانی گرای" (سبک ا ص ۱۲۳)، پژدوا کے ایک شعر میں پوزش اور یزش پہلو بہ پہلو ہیں۔ جو دونوں ایک ہوتے تو ممکن نہ تھا:

ہمہ توماں یزش کردند و پوزش   بہ پیش دادگر زاری و خواہش   ۵

وروں کے بارے میں غالب کی فاحش غلطی کا ذکر ہرمزد میں ہے، اس فصل کا خاتمہ ایک اور مذہبی اصطلاح دروند پر کیا جاتا ہے جسے غالب نے دال مضموم سے لکھا ہے (دک ص۱۵۱) اوستا میں اس کی دو شکلیں ہیں: درگونت اور دروَنت (ہر دو بہ کسرۂ دال)، پہلوی میں دروند بہ کسرۂ دال ہے۔ یہ لفظ جہاں تک میرا علم ہے، فارسی کے مسلمان شاعروں اور ناثروں کے یہاں نہیں ملتا، زردشتیوں کی نظم و نثر میں البتہ ہے، چنانچہ پژدو کی مثنویوں میں کئی جگہ آیا ہے اور صاحب جہاں نے اس کی سند میں اسی کا ایک شعر دیا ہے۔ اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ د جو پہلوی میں مکسور تھی فارسی میں مضموم ہوگئی ہو، جہاں میں اور ظاہراً بہ تقلید جہاں برہان میں ضرور اس طرح ہے، مگر غالب

خود ان کی سند دینی پسند نہ کرتی۔ سبک ا صـ۲۰۲ میں بھی فارسی[نقطہ] بالکسر مرقوم ہے۔

دساتیر کوئی پرانی کتاب نہیں، لیکن غالب اس کی قدامت کے قائل ہیں اس لیے اس کا ذکر اس فصل میں بے محل نہ ہوگا۔ غالب نے اسے اپنا 'ایمان و حرزِ جان' کہا ہے اور یہ برسوں ان کے پاس رہی بھی ہے، لیکن انھیں نہ تو اس کے مطالب سے صحیح واقفیت ہے، اور نہ وہ اس کے خاص الفاظ کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ دساتیر میں بہ شمول پند نامہ سکندر ۱۶[۱۶] صحیفے ہیں، جن میں سے تیرھواں صحیفۂ زردشت ہے (فہرست مندرجات دساتیر مرتبۂ ملا فیروز ملاحظہ ہو) غالب کا بیان ہے کہ '۱۴ صحیفے ہیں، ان میں ساتواں یا آٹھواں . . . زردشت پر نازل ہوا ہے' (دل ۱۱) ان کی عبارت ذیل میں صحیفۂ زردشت کے ساتھ ساتھ ژند کا بھی ذکر ہے اور اسے آٹھواں صحیفہ قرار دیا ہے: 'جب ان صحائف میں جو زردشت سے پہلے نازل ہوئے ہیں اور زردشت کے صحیفے میں بھی پل کا ذکر نہیں تو ژند (کذا) میں کہ وہ ۷ صحیفوں سے متاخر اور خود آٹھواں مع ہذا اور صحیفوں کے مطابق ہے، خلبوز اور جیبوز کہاں سے آگیا ہے' (دل ۱۱)۔ خبر نہیں کہ اس عبارت کا اصلی مطلب کیا ہے، ژند کو دساتیر میں شامل نہیں سمجھتے تو اسے آٹھواں صحیفہ کیوں کہا اور شامل ہے یعنی زردشت کے نام کا جو صحیفہ دساتیر میں ہے، وہی ژند ہے تو ژند کے معدوم محض ہونے کے کیوں قائل ہیں یہ باتیں میرے فہم سے ماورا ہیں۔ لطیفہ، ۱۱ میں یہ عبارت بھی ہے: 'ساسان پنجم کہ وہ اپنے کو خاتم پیمبران پارس ظاہر کرتا ہے،' ان صحیفوں کا زبان دری میں مترجم ہوا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ ساسان پنجم وجود خارجی نہیں رکھتا یہ صحیح ہے کو دت اس کی طرف منسوب ہے اور وہ ان پندرہ پیمبران ایران میں ہے جن کے نام کے صحیفے دساتیر میں موجود ہیں، لیکن وہ خاتمیت کا مدعی نہیں اور نہ غالب کے سوا کسی اور نے یہ لکھا ہے۔ خاتمیت درکنار اس کے صحیفے میں اس سے وعدہ کیا گیا ہے کہ 'در تخمۂ تو پیغمبری ہمیشہ[۱۸] ماند'، صـ۲۰۸۔ غالب کو اس سے انکار ہے کہ معراج زردشت کا عقیدہ قدیم ہے (دک صـ۱۳۳)، لیکن ان اصحاب کے لیے جو دساتیر کی قدامت کے قائل ہیں، اس عقیدے کی قدامت کو تسلیم نہ کرنا ممکن نہیں۔ دساتیر میں معراج

زردشت کا ذکر ان الفاظ میں ہے: "سہ گونہ سخن بتو دادم.. یکے در خواب.. دوم در میان خواب و بیداری.. سوم در بیداری کہ از تن گسیختی و با فرشتہ از آسمانہا گذشتی" ص۱۱۷ غالب کا خیال ہے کہ سیمناد بہ معنی سورہ تسلط عرب سے پہلے ایران میں رائج نہ تھا (دک ص۱۲۳) لیکن دساتیر میں سورہ کا ہم معنی ہے (ص۱۰۱)، ابدام بہ معنی بدن غالب کے نزدیک تصحیف اندام ہے یا ابدان (دک ص۲۶)، مگر یہ دساتیر میں آیا ہے (ص۳۱) اور آذر کیوان کی اُس فارسی مثنوی میں بھی ہے، جس کی شرح مسمّٰی بہ جام کیخسرو کا نام موجود ہے۔ پندہ دساتیر میں بائے فارسی سے ہے (ص۹۳) مگر غالب اسے بائے عربی سے لکھتے ہیں (دک ص۵) اروند کے معنی غالب نے تیغ میں یہ لکھے ہیں: "نہ چیزے کہ از وے بروں رود و نہ چیزے بدروں آید، نہ زیادہ شود نہ کم گردد" ص۱۱ - یہ لفظ دساتیر میں کئی جگہ آیا ہے: صفحات ۲۲۶، ۲۳۵، ۲۴۴+ لیکن جس عبارت کا مطلب غلط سمجھ کر غالب نے اروند کو صمد کا ہم معنی لکھا ہے وہ غالباً یہ ہے:

آں چناں کہ نہ کراند و نہ پیوند بہ چیزے و نہ گسلد و نہ جدا شود از تو چیزے کہ بہ باید یابۂ یزداں اروند گوہر اوست، و ازو بیروں و جدا نیست، چناں کہ ہستی او اروند گوہر وے است، تا نیچ رو درو پیوند و پیوست و شمرد و پیکر نہ بندد" (ص۲۲۴ ترجمہ انگریزی ص۵۵)

اروند دساتیر میں عین، وزیدہ و خلاصہ کے معنی میں ہے، جیسا کہ ملّا فیروز نے اپنی فرہنگ دساتیر ص۴ میں لکھا ہے۔ دیماس دساتیر میں صرف ایک جگہ ہے (ص۲۴۴) غالب کا یہ بیان کہ کئی جگہ ہے (دک ص۳۱) صحت سے دور ہے۔

دساتیر کی مجہولیت جب ملّا فیروز، سید احمد خاں، آزاد، حالی، شبلی، سپہر وغیرہ کی نظر سے پنہاں رہی تو غالب اسے زردشتیوں کی کتاب مقدس سمجھنے کے لیے چنداں قابل الزام نہیں۔ لیکن، اس کا مطالعہ غالب کے لیے کسی طرح مفید نہیں ہوا۔ اوّل تو یہ کہ اس کی وجہ سے ان میں یہ زعم باطل پیدا ہو گیا کہ میں ایران قدیم سے اپنے ہم عصر فارسی دانوں کے مقابلے میں (جن میں بہت کم ایسے تھے جنھیں دساتیر کے مطالعے کا موقع

ملا تھا) بہت زیادہ واقفیت رکھتا ہوں۔ دوسری یہ کہ ان میں یہ رجحان آگیا کہ ہر اس بات سے جو دساتیر میں نہیں پایا ہے تو دوسری کتابوں سے مختلف طور پر ہے، انکار کردیں۔ تیسری یہ کہ وہ دساتیری الفاظ (تیمسار، فرازماں، تراج وغیرہ)، بکثرت[21] استعمال کرنے لگے۔

۲۔ فرہنگیں | موجودہ معلومات کے مطابق ایران میں فرہنگ نگاری کا آغاز پانچویں صدی ہجری میں ہوا۔ اور فرہنگ قطران تبریزی ظاہرا قدیم ترین فرہنگ ہے۔ یہ فرہنگ عہد جہانگیری میں موجود تھی، اور اس کا نام جہانگیری کی فہرست مآخذ میں ہے، مگر اس کے بعد کسی نے اس سے واقفیت کا دعویٰ نہیں کیا، اسدی قطران کا معاصر ہے، لیکن اس بنا پر کہ ف ا کے بعض قلمی نسخوں (احوال و اشعار رودکی جلد ا) میں فرہنگ قطران کا ذکر ہے، مقدم الذکر کا زمانہ، تالیف موخرالذکر کے بعد قرار دینا ناگزیر ہے۔ ف ا کے کئی قلمی نسخے موجود ہیں، اور متعدد فرہنگ نگاروں کا جن میں سروری اور صاحب جہانگیری ہیں، ماخذ رہا ہے۔ فرہنگ ابوالحفص سغدی جو سروری اور جہانگیری کے ماخذوں میں ہے، غالباً اب معدوم ہے۔ بہتوں کا خیال ہے کہ[22] یہ فرہنگ تیسری صدی ہجری کی ہے اور اس کا مؤلف وہی ابوالحفص سغدی ہے جو فارسی کا شاعر، اور موسیقی کے ایک ساز کا موجد ہے اور جس کا ذکر المعجم میں ہے۔ المعجم میں جس ابوالحفص کا مختصر حال درج ہے، اس کے متعلق اس کے سوا جو اس کتاب میں ہے، مجھے کچھ معلوم نہیں، اور میں اس کی تصدیق یا تکذیب سے قاصر ہوں، لیکن، فرہنگ نگار قطعاً پانچویں صدی سے قبل کا آدمی نہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی فرہنگ اس کے بھی[23] بعد کی ہو۔ ذیل کی فرہنگیں بھی جو جہانگیری کی فہرست مآخذ میں ہیں ایرانیوں کی لکھی ہوئی ہیں: سخن نامۂ نظامی[24] از سعد ابن نصر ابن طاہر ابن تمیم الغزنوی (یہ خواجہ نظام الملک کے نام سے لکھی گئی تھی)، فرہنگ شیخزادہ عاشق، فرہنگ محمد ابن قیس، فرہنگ محمد ابن ہندوشاہ، فرہنگ مرزا ابراہیم ابن مرزا شاہ

حسین اصفہانی، فرہنگ منصور شیرازی، فرہنگ عبداللہ نیشاپوری، فرہنگ تحفۃ الاحباب حافظ اوبہی، فرہنگ حسین وفائی، فرہنگ رسالۃ النصیر معیار جمالی، فرہنگ سروری کاشی۔ مجمع الفرس سروری کاشی کی روایت اوّل جہان کی مآخذ میں ہے، مگر اس کی ایک یا دو روایتیں اور ہیں جن کی تالیف میں جہاں سے مدد لی گئی ہے۔ ان فرہنگوں کے علاوہ تقی اوحدی (تذکرہ نگار) کی سرمۂ سلیمانی، سامانی و طوسی کی فرہنگیں اور برہان جامع و فرہنگ انجمن آرای ناصری وغیرہ ہیں۔ آخر کی دو کتابیں معاصرین غالب نے تالیف کی ہیں۔ جہاں تک میرا علم ہے، ان تمام فرہنگوں میں سے صرف اسدی، و سروری کی فرہنگیں اور معیار، جامع و ناصری معرض انطباع میں آئی ہیں۔

ان عام فرہنگوں کے علاوہ خاص فرہنگیں ہیں جن میں کسی خاص کتاب کے لغات جمع کیے گئے ہیں، ان میں سے کچھ خود ایرانیوں کی لکھی ہوئی ہوں تو عجب نہیں۔

لغات فارسی کے معانی معلوم کرنے کا ایک ذریعہ وہ کتابیں بھی ہیں جن میں عربی لغات کے معانی فارسی میں بیان کیے گئے ہیں: مثلاً دستور اللغۃ نطنزی، السامی فی الاسامی، مہذب الاسما، صراح وغیرہ۔ ابونصر فراہی اور اس کے مقلدین کے منظوم رسالے بھی انھیں میں شامل ہیں، اور عربی مصادر[25] پر زوزنی، بیہقی اور بستی کی جو کتابیں ہیں ان سے بھی ہم معنی فارسی مصادر معلوم ہو سکتے ہیں۔

فارسی لغات پر ترکی میں بھی متعدد کتابیں تالیف ہوئی ہیں، جن میں سے ایک فرہنگ شعوری ہے جو دو جلدوں میں قسطنطنیہ سے شائع ہوئی تھی۔ اس کا حوالہ حواشی برہان نوشتۂ روبک ص۴۴ میں ہے۔

اہلِ مغرب بھی کئی سو برس سے فارسی لغات سے متعلق کتابیں یورپ کی مختلف زبانوں میں لکھتے آئے ہیں؛ ان کی فہرست طویل ہے اور اس موقع پر میں صرف منسکی کی کتاب کا ذکر کروں گا جس کے بارے میں روبک نے لکھا ہے: "کتابیست حاوی

بلغات عربی و فارسی و ترکی بلسان لاتینی، ص۴۴

یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان[۲۶] میں سب سے پہلی فرہنگ جو لکھی گئی ہے مولانا مبارک شاہ غزنوی مشہور بہ فخر قواس (دیباچۂ جہاں میں نام اسی طرح مرقوم) کی فرہنگ ہے جو بہ قول برنی علاء الدین خلجی کے درباری شاعروں میں تھے (ص۳۶۰) اور جواب تک موجود ہے۔ اس کے بعد ادات الفضلا، مؤید الفضلا، شرف نامہ، مدار الافاضل، فرہنگ ابوالفضل، جہاں، رشیدی، برہان، سراج اللغۃ (ہر دو دفتر) مصطلحات اور بہارِ عجم وغیرہ ہیں۔ متقدمین اور متوسطین کی جو فرہنگیں ہیں، خواہ وہ کہیں لکھی گئی ہوں، سب کی سب بہت قابلِ قدر ہیں؛ متاخرین میں بھی چند فرہنگ نگاروں نے اپنی کتابیں بڑی محنت سے لکھی ہیں اور باوجود اس کے کہ یہ فرہنگیں مختلف قسم کے عیوب سے مملو ہیں، فارسی زبان پر ان کے مؤلفوں کا بڑا احسان ہے، اور فارسی کا محقق انھیں کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتا۔

قدیم ترین فرہنگ جس کا کسی حد تک مطالعہ غالب نے کیا ہے شرف نامہ ہے۔ اس کے ایک نسخے کے بارے میں وہ اکتوبر ۱۸۶۱ء کے خط میں لکھتے ہیں: "کسی احمق نے شرف نامہ میں سے کچھ لغات اکثر غلط، کمتر صحیح، چن کر جمع کیے ہیں۔ نہ دیباچہ ہے کہ اس سے جامع کا حال معلوم ہو نہ خاتمہ ہے کہ عہد و عصر کا حال کھلے" (خطوط ص۳۳۱) کشف اللغات کی قاطع میں بہت مذمت کی ہے (دک ص۱۱)، مگر ان کا یہ قیاس کہ یہ برہان کے بعد تالیف ہوئی ہے صحیح نہیں۔ اس کا مؤلف دسویں صدی ہجری کا آدمی ہے، اور کشف جسے دیباچۂ جہاں میں فرہنگ شیخ عبدالرحیم بہاری کہا گیا ہے، جہاں کے ماخذوں میں ہے، برہان کے ماخذ یوں تو اور بھی ہیں جن کے حوالے جا بجا کتاب میں ملتے ہیں، لیکن وہ ماخذ جن کا اس نے خاص طور پر دیباچے میں ذکر کیا ہے، سروری، جہاں، سرمۂ سلیمانی اور صحاح الادویہ ہیں، اور غالب کا فرض تھا کہ برہان پر اعتراض کرنے سے قبل ان میں سے جو کتابیں مل سکتی تھیں ان کا مطالعہ کر لیتے مگر وہ بے تکلف اس کا اقرار کرتے ہیں کہ تصنیف قاطع کے وقت یہ کتابیں پیشِ نظر نہیں: "حیف کہ۔۔ ایں چہار کتاب۔۔ ہنگام

نگارش این اوراق در نظر نیست (دک ص۱۱) یہ اقرار ایسے لفظوں میں ہے کہ یہ امکان باقی رہ جاتا ہے کہ یہ کتابیں کسی زمانے میں نظر سے گزری ہوں۔ اور جہاں کے بعض مقامات انھوں نے دیکھے بھی ہوں تو عجب نہیں۔ انھوں نے قاطع میں ایک جگہ اس کا حوالہ بھی دیا ہے۔ باقی تین کتابوں کا مطالعہ غالب نے کسی حد تک بھی کیا ہو بعید از قیاس ہے۔ رشیدی برہان کے بعد تمام ہوئی ہے مگر غالب کے نزدیک یہ برہان کے مآخذ میں ہے۔ غالب نے اسے بھی نہ دیکھا ہوگا۔ سراج اللغۃ کے دفتر ا کی نسبت بھی میرا یہی خیال ہے، لیکن دفتر ۲ ممکن ہے کہ ان کی نظر سے گزرا ہو۔ غالب، آرزو کی فارسی دانی کے قائل نہیں، اور انھوں نے ان پر اعتراض کیے ہیں (تفاصیل معاصر ا ص۱۵۲)۔ وارستہ کی مصطلحات ان کے زیر مطالعہ رہی ہے، اور انھوں نے بہت سے شعر جو اس میں بہ طور سند منقول ہیں، اس کا حوالہ دیے بغیر، خود اپنی طرف سے پیش کیے ہیں۔ وارستہ نے آرزو پر جو اعتراض کیے ہیں غالب نے اپنے ایک خط میں مجملاً ان کی تائید کی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ باایں ہمہ وہ بھی جہاں اپنے قیاس پر جاتا ہے، منہ کی کھاتا ہے (عود ص۴۲۳)۔ وارستہ کا مذہب بھی غالب کی رائے میں اس کے محقق فارسی ہونے میں مانع ہے: سبحان اللہ، ہندی بھی اور ہندو بھی، نور علی نور! (مکاتیب ص۹۱)، ٹیک چند، بہار کا کارنامہ حیات، بہار عجم غالب نے دیکھی تھی یا نہیں، اس کے بارے میں کچھ کہنے سے قاصر ہوں، مگر اس کی ابطال ضرورت غالب نے پڑھی تھی اور وہ اس کے مرکزی نظریے کو تسلیم کرتے ہیں؛ بہار پر ان کے اعتراضات بھی ہیں اور جو بات انھوں نے وارستہ کے ہندو ہونے کے متعلق کہی تھی، بہار کی نسبت بھی کہی ہے۔ غالب آرزو، وارستہ اور بہار ان تینوں سے بہت خفا ہیں کہ انھوں نے حزیں پر اعتراض کرنے کی جرأت کی تھی (دک)، آرزو تو واقعی مخالفین حزیں میں ہیں، لیکن وارستہ و بہار حزیں سے عناد نہیں رکھتے، اور انھوں نے کچھ اعتراض کیے ہیں تو آرزو کے بعض اعتراضات کی تردید بھی کی ہے۔ غالب کا ان تینوں پر یہ الزام بھی ہے کہ یہ کابل و

قندھار، پیچ دکراں کے باشندوں کو بھی ایرانی قرار دے کر ان سے فارسی کی تحقیقات کرتے تھے، اور جس طرح خود اپنے کو فارسی داں جانتے تھے، انھیں اہلِ زبان سمجھتے تھے۔ غالب نے اس دعوے کا کوئی ثبوت نہیں دیا اور آرزو وغیرہ کی متداول کتابوں سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ غالب غیاث کے بالاستیعاب مطالعے کے مدعی ہیں (تیغ ص ۱۶)، لیکن وہ اس کتاب کو برہان سے بھی زیادہ لچر سمجھتے ہیں " میں برہان کا خاکا اڑا رہا ہوں۔.. غیاث اللغات کو حیض کا لتہ سمجھتا ہوں" (خطوط ص ۸۱) ایک خط میں صاحبِ غیاث کے بارے میں لکھا ہے: 'فارسی سے ناآشنائے محض'.. انشائے خلیفہ و منشآت مادھورام کا پڑھانے والا' چنانچہ دیباچے میں اپنا ماخذ بھی اس نے شاہ محمد و مادھورام و غنیمت و قتیل کے کلام کو لکھا ہے' (عود ص ۶۳) المعجم مرتبۂ قزدینی غالب کی زندگی میں شائع ہوئی ہوتی تو وہ یہ دیکھ کر بہت جز بز ہوتے کہ مقدمے میں قزدینی نے اسے 'فرہنگ نفیس' کہا ہے۔ ایک مختصر سی فرہنگ دری گشا کے نام سے نجف علی نے بھی لکھی ہے، اور ان امور میں جو غالب اور حامیانِ برہان میں مابہ النزاع ہیں، بیشتر مؤخر الذکر کے ہم نوا ہیں گو بہ صراحت اس کا ذکر نہیں کرتے۔ لیکن غالب کا اور ان کا معاملہ' من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو' کا ہے؛ غالب نے اپنی تقریظ میں انھیں 'دارائے قلمروِ زبان دری' کہا ہے (آثر ص ۱۱)، یہ بھی واضح رہے کہ اسناد سے یہ فرہنگ بالکل معرّا ہے۔

قاطع میں غالب نے ہندوستانی فرہنگوں کو غیر مستند کہا ہے، لیکن اس میں یا اس سے قبل کی کسی تحریر میں انھوں نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہندوستانیوں کے سوا کسی نے فرہنگ نہیں لکھی۔ قاطع میں انھوں نے شرف (دک ص ۲۷، ص ۳۲، ص ۴۱، ص ۱۲۰) و جہاں (ص ۶) کا حوالہ بھی دیا ہے، اور اس سے گمان ہوتا ہے کہ اس وقت وہ ان کے مؤلفوں کو ایرانی سمجھتے تھے۔ انھوں نے قاطع میں دوسری فرہنگوں کی سند ۲۹
بھی طلب کی ہے (ص ۳۷، ص ۴۰) اور 'ائمۂ فن کلام' (ص ۴۱) اور 'ائمۂ فن لغت' (ص ۶۷) کا ذکر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب اسی صورت میں ممکن تھا کہ قابل اعتماد فرہنگیں

موجود ہوں، اور غالب کے عقیدے کے موافق یہ صرف ایرانیوں ہی کے قلم سے نکل سکتی تھیں۔ یہ تمام امور اس پر دال ہیں کہ قاطع کی اشاعت اکے وقت انطباع تک وہ ایرانی فرہنگوں کے وجود کے منکر نہ تھے، لیکن، جب سعادت علی نے قاطع کا رد لکھا اور غالب کے بہت سے اعتراضات کی تغلیط جہاں ورشیدی کی مدد سے کی تو غالب نے یہ سمجھ کر کہ نہ بانس رہے گا نہ بانسری بجے گی یک قلم اس سے انکار کر دیا کہ ہندوستانیوں کے سوا کسی نے فرہنگ لکھی ہے۔ ان کا کام اس سے بھی چل سکتا تھا کہ وہ جہان و رشیدی کو قابلِ اعتماد نہ تسلیم کریں، لیکن انھیں آیندہ اعتراضوں کا بھی سدّباب کرنا تھا۔ غالب ل ۱۱ میں رقم طراز ہیں:

"اگر زردشتیوں میں سے کسی نے فرہنگ لکھی ہوتی، یا ساسان پنجم نے کوئی مجموعہ فراہم کیا ہوتا یا متاخرین میں آذر کیوان کی کوئی تحریر موجود ہوتی اور ہم اسکو نہ مانتے اور وہاں اپنے قیاس کو دوڑاتے تو... کافر ہو جاتے کیا مزے کی بات ہے کہ رودگی (کذا) و فردوسی و عسجدی و دقیقی سے لے کر جامی تک کہ وہ منتہی المتقدمین ہے، اور پھر ظہوری و نظیری اور انکے نظائر سے لیکر حزیں، منتہی المتاخرین تک کسی نے کوئی فرہنگ لکھی نہ کسی نے کوئی قواعد فارسی کا رسالہ تصنیف کیا۔ اہلِ ہند نے تین تین سو چار چار سو برس شغل فرہنگ نویسی اختیار کیا"۔ غالب نے یہی بات کسی قدر اختلاف کے ساتھ قاطع کی اشاعت ۲ کے نئے دیباچے میں بھی کہی ہے:

درنام آوران پارس از دانائے فرزبود و دارائے فرجود، حکیم جاماسپ[31] تا مہر آمد خدا اشناسان پنجمیں ساساں و در دالپسیاں[32] تا بحرالعلوم، آذر کیوان و دُر سخن گستران ایراں، آں بہ سخن جہاں گیراں کہ پس از آں روشن ضمیراں و بیش از ما فروغ پذیراں بودہ اند، از آدم الشعراء ابوالحسن رودگی (کذا) نشانہا نگراں و نامہا شمراں فردوسی و پوری و تا دو میں خاقانی، فرزانہ قاآنی کہ بر مرد نشش بسے روز نگذشتہ، بیاے و بپاے و بنشیں و ببیں کہ ہیچکس فرہنگ طراز نہ گشتہ۔ در باز پسیں روزگار تنے چند در وادی فرہنگ نگاری گام زدند ہمگناں ہندوستانی

دیدروغ مدّعی زباندانی بیمغز استخوانہا برخوانہا نہادہ و نامہ ہارا بناہای نامی ناموری
دادہ تا مردم در انبوہ شکوہ اسما کالیوہ شوند و بنام نہندگاں گروند،[۳۲] (دک ص ۶)

غالب نے قاطع کی تصنیف کے دوران میں حاشیۂ برہان ص ۴۴۲ میں[۳۳] منتسکی اور فرہنگ شعوری کا حوالہ دیکھا ہوگا، اور جہاں کی فہرست مآخذ اگر پہلے نہیں تو محرق کی اشاعت کے بعد (جس میں یہ منقول ہے) ان کی نظر سے گزری ہوگی۔ اس کے بعد یہ ممکن ہی نہیں کہ یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ ہندوستانیوں کے سوا کسی نے فرہنگ نہیں لکھی۔ غالب کے مصالح کا اقتضا تھا کہ وہ حقیقت سے جان بوجھ کر انحراف کریں، اور انھیں ایسا کرنا پڑا۔

مؤلفِ جہاں غالب کے زمانے میں عام طور پر ایرانی سمجھا جاتا تھا اور سعادت علی نے اور ان کے بعد رحیم و امین نے زیادہ تر جہاں اور رشیدی کی مدد سے قاطع کا رد لکھا تھا۔ محرق کی اشاعت کے بعد سے غالب نے کوئی ثبوت پیش کیے بغیر مؤلفِ جہاں کے ایرانی ہونے سے ہمیشہ انکار کیا اور جہاں و رشیدی دونوں کا نام نہایت حقارت سے لیتے رہے، مگر برہان و جہاں کو چھوڑ کر کسی اور فرہنگ نگار کے ایرانی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں مؤید کی اشاعت سے پہلے انھوں نے کچھ نہ کہا۔ احمد نے مؤید کے دیباچے میں مآخذِ جہاں کی ایک ناتمام فہرست دی تھی اور سروری کی نسبت لکھا تھا:

"کتابیست در لغات پارسی از جلال محمد قاسم کاشانی متخلص بہ سروری صاحب شرح عربی گلستاں کہ در سنۂ یک ہزار و ہشت[۳۴] از چند فرہنگ جمع کردہ و نیز در خطبہ گفتہ کہ چوں در سنۂ یک ہزار و سی و ہشت . . جہاں . . از ہند آوردند و بمطالعۂ آں مشرف شدم بعضی لغات و فوائد آں نیز درج کردم، ص ۷"

احمد نے سروری کو کاشانی لکھا تھا اور "از ہند آوردند" سے صاف ظاہر ہے کہ اس کی کتاب ہند سے باہر لکھی گئی تھی، لیکن، اس کے باوجود غالب نے مؤید کے حاشیے میں یہ عبارت لکھی: "کوئی اس کے بزرگوں میں کاشان سے آیا ہوگا ورنہ مثل غالب کے ہندوستان زاد ہے" (دغ ص ۱۳۴)۔ یہ بات صریحاً غلط تھی اور غالب کی یہ ہمت نہ پڑی کہ اسے تیغ میں شامل کریں، اور اس کتاب میں سروری کو یک قلم نظر انداز کرنا ہی قرینِ مصلحت سمجھے۔ مؤید میں جہاں کے جن ایرانی مآخذ کا ذکر آیا ہے، غالب نے ان میں سے صرف دو سے بحث کی ہے:

"پھر مولانا۔۔ اسدی طوسی اور حکیم قطران کو دو فرہنگوں کا مؤلف بتاتے ہیں، بھلا صاحب، اگر اسدی۔۔ نے فرہنگ لکھی ہوتی تو محمود غزنوی کے عصر سے آج تک سب فرہنگ نگاروں کا ماخذ وہی ہوتا (کذا) اور اختلاف لفظ و معنی کسی لغت میں راہ نہ پاتا، لیس فلیس، ص۹"

یہ بات بالکل سمجھ میں نہ آئی کہ فرہنگ قطران کا نام لینے کے بعد، بعد کو اسے مطلقاً نظر انداز کیوں کر دیا۔ براؤن اور قزوینی وغیرہ اسدی تخلص کے دو شاعروں کے وجود کے قائل ہیں، جن میں سے صرف ایک کا عہد محمودی کے شاعروں میں شمار ہے اور وہ فرہنگ نگار اسدی نہیں۔ اس سے قطع نظر، غالب کے نزدیک جب فرہنگ نگاری کا آغاز تین چار سو برس قبل ہی سے ہوا تھا تو عہد محمودی کے فرہنگ نگار کہاں سے آگئے؟ یہ استدلال عجیب ہے کہ فارسی لغات میں اختلاف لفظ و معنی پایا جاتا ہے اس لیے فرہنگ اسدی کا وجود ہی نہیں۔ لغات کے صور و معانی میں اختلافات اسی صورت میں نہیں ہو سکتے تھے کہ ہر عہد کے ایرانی ماہر لسانیات اسدی کے ہر قول پر آمنا و صدقنا کہتے آتے اسکی فرہنگ میں کل فارسی لغات جمع کیے گئے ہوتے، اور بعد کو زبان میں نہ کوئی نیا لغت داخل ہوتا اور نہ کسی قسم کا تغیر راہ پاتا۔

۳۔ برہان قاطع برہان قاطع مؤلفہ محمد حسین، برہان[۳۵] تخلص ابن خلف التبریزی ۱۰۶۲ھ میں تمام ہوئی۔ ممکن ہے کہ اسے ہندوستان کے کچھ لوگ بقول غالب "عرش المعرفت" (دل ۱۴) سمجھتے ہوں، لیکن خود برہان[۳۶] غریب نے محقق ہونے کا مطلقاً دعویٰ نہیں کیا۔ وہ اپنے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"کمترین بندگان۔۔ میخواست کہ جمیع لغات فارسی و پہلوی و دری و یونانی و سریانی و رومی و بعضی از لغات عربی و لغات زند و پازند و لغات مشترکہ و لغات غریبہ و متفرقہ و اصطلاحات فارسی و استعارات و کنایات بہ عربی آمیختہ و جمیع فوائد فرہنگ جہانگیری و مجمع الفرس سروری و سرمۂ سلیمانی و صحاح الادویۂ حسین الانصاری۔۔ بطریق ایجاز بنویسد و آں بہ ہیچ وجہ صورت نمی بست مگر بر اسقاط شواہد و زوائد، بنا برآں از ہر دو دیدہ پوشیدہ بلغات و معانی آں اکتفا و اختصار نمودہ ہمہ را جمع کردہ جداگانہ کتابے ساخت۔۔ استدعا از اہل تمیز و انصاف۔۔ آنست کہ چوں بہ لفظے از الفاظ یا اسمے از اسما یا معانی نقیضہ و امثال اینہا برخورند، زبان اعتراض را بکام خاموشی و دیدۂ عیب ساز را سرمۂ پردہ پوشی بکشند، چہ فقیر جامع لغات و تابع ارباب لغت است نہ واضع" ص۱

گیارھویں صدی کے فارسی دانان ہند نے برہان کی نسبت کیا رائے قائم کی تھی، اسکی مجھے خبر نہیں،

لیکن اس صدی کے قلمی نسخوں کا بہ کثرت ملنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اسے مقبولیت ضرور حاصل ہوئی تھی۔ بارھویں صدی میں ساطع کشمیری نے اس کا خلاصہ تیار کیا، جس سے اس صدی میں بھی اس کی مقبولیت کا پتا چلتا ہے، لیکن خان آرزو کو برہان کا پایۂ تحقیق پست نظر آیا اور انھوں نے سراج اللغۃ[۲۷] کے دفتر میں اس پر بہ کثرت اعتراضات کیے۔ برہان کی خوش بختی کہ اس کتاب کو مقبولیت حاصل نہ ہوئی، اور عام فارسی دانوں کو اس کی خبر بھی نہیں ہوئی کہ خان آرزو نے اس کے بارے میں کیا کیا لکھا ہے۔ تیرھویں صدی میں اس کی مقبولیت دیکھ کر روبک کو اس کے طبع کرانے کا خیال آیا، اور اس نے اس کی تصحیح میں متعدد ہندوستانی فارسی دانوں کے علاوہ دو ایرانیوں سے بھی مدد لی۔ نسخۂ روبک کا انگریزی مقدمہ خود روبک اور فارسی سید کرم حسین بلگرامی کا لکھا ہوا ہے۔ حواشی روبک[۲۸] کے تحریر کردہ ہیں، مگر جیسا کہ اس نے خود اعتراف کیا ہے، تارنی چرن متر نے اسے مدد دی تھی۔ ملحقات کو جو خاص خاص قلمی نسخوں کے حواشی میں تھے روبک نے کتاب کے آخر میں درج کیا اور خود بھی ان میں بہت سے لغات کا اضافہ کیا اور مؤخر الذکر و مقدم الذکر میں تمیز کے لیے رموز استعمال کیے۔ روبک کا نسخہ ۱۸۱۸ء میں چھپا تھا، اس کے چار برس بعد یہ کتاب پھر طبع ہوئی اور تیسری بار ۱۸۳۴ء میں چھپی، طبع ثالث کے ناشر حکیم عبد المجید تھے، اور اس کے سرورق میں صراحتہً مرقوم ہے کہ یہ نسخۂ روبک کی نقل ہے۔ حواشی اور ملحقات مع اضافات اس میں اسی طرح ہیں جس طرح نسخۂ روبک میں ہیں، مگر حکیم صاحب نے دونوں دیباچے حذف کر دیے ہیں۔ طبع ۳ کے بعد یہ خود کلکتہ اور ہند کے مختلف مقامات سے متعدد مرتبہ شائع ہوئی ہے۔ برہان کی قدر ہندوستان کے باہر بھی ہوئی، چناں چہ اس کا ترکی ترجمہ دو بار طبع[۲۹] ہو چکا ہے اور یہ کم از کم ایک بار ایران میں بھی چھپی ہے۔

غالب کے زمانے میں برہان نہ صرف مقبول تھی، بل کہ ایک معتبر کتاب سمجھی جاتی تھی۔ قتیل اپنے ایک شاگرد کو لکھتا ہے: 'یارا۔۔ بعضی یارہ بہ نظر فقیر نرسیدہ' لیکن اینہم نمیگویم کہ ۔۔ غلطست، صورت اینست کہ اگر ایں لفظ را در برہان قاطع دیدہ اید مضائقہ ندارد و الا بار دیگر آخر آں ہای ہوز نوشتہ باشید و بعد ازیں ہر لفظی کہ غیر مشہور باشد آنرا در کتاب (در آں کتاب ؟) دیدہ باطمینان

تمام بنولیسید، رقعات مرزا قتیل ص ۱۴۱۔ غالب نے قاطع کا آغاز ۱۸۵۸ء میں کیا تھا اور اسکا انطباع ۱۸۶۲ء میں ہوا تھا۔ برہان کے مطالعے کا غالب کو کافی وقت ملا تھا، اور کتاب تیسری چوتھی نظر کے بعد کاتب سے صاف کرائی گئی تھی (عود ص ۴۹) اور اس کے بعد بھی قبل اس سے کہ یہ چھپے اس میں ترمیم ہوئی ہے۔ اشاعت اول کی کتابت تسلیم (استاد حسرت موہانی) نے کی تھی جو خود فارسی داں تھے اور اشاعت کے ساتھ ایک غلط نامہ بھی تھا، لیکن اس پر قناعت نہ کر کے غالب نے نظر بظاہر خود اس غلط نامے کا تتمہ بھی تیار کیا تھا جو خاص خاص اصحاب[۴۲] کو بھیجا تھا۔ قاطع کی اشاعت ۲ دہلی میں ۱۸۶۵ء میں طبع ہوئی، اور بظاہر اطباعت کی نگرانی خود غالب نے کی تھی۔ اس کے ساتھ بھی ایک غلط نامہ ہے۔ اس سلسلے میں اور بھی کئی کتابیں غالب کے قلم سے نکلی ہیں جن میں سب سے آخر تیغ ہے جس کا سال انطباع ۱۸۶۷ء ہے۔ ان امور کے بالتفصیل ذکر سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ قاطع اور اس سے متعلقہ کتابیں سرسری فکر کا نتیجہ نہیں۔ برہان کے بارے میں غالب نے بہ حیثیت مجموعی کیا رائے قائم کی تھی، اس پر ان کے اعتراضات کس نوع کے ہیں، اس کا پتا ذیل کے اقتباس سے ملے گا جو دیباچہ قاطع سے ماخوذ ہے:

"جامع لغات نہ بہ حسن معنی اسرے دارد و نہ بہ جوہر لفظ نظرے۔ رعایت لفظ[۴۳] سوبیں و چاربیں از ہر لغت و افزودن شمارہ لغات بہر صورت پیش نہاد.. اوست؛ نہ در آں روش از برہم خوردن قاعدہ استخراج پروا دارد و نہ در بن خواہش از اندراج یافتن مہملات ننگ۔ ہر مصدر لغتیست و ہر کلمہ مشتق لغتے۔ صادرہ آں بینی کہ مصدرے را با برخے از مشتقات جلوہ داد و با فزودن یاے .. زائدہ سرتاسر دگر بارہ نورد از ہم گشاد۔ چوں بدینمایہ پرگوئی نیز دلش از غصہ خالی نشد، نقد روے دست یاے عربی و کاف تازی را دوبارہ در مشہد یاے پہلوی و کاف فارسی بر طبق اظہار نہاد۔ از قلب و امالہ و مد و قصر و سکون و حرکت و تخفیف و تصحیف و پارسی و عربی و مفتوح و مکسور قطع نظر است۔ ہر لفظ بہ اندک تبدل و

تغیر لغتی دیگر و ہر لغت را بیانی دیگر است۔ کاش ہمیں باشد و آفریدن لفظ نہ آئین باشد۔ بیشتر الفاظ غریب[۴۲] ہمہ آرد و آنچہ نہ نگاشتہ اند، مینگارد، چنانکہ کمال اسمٰعیل را خلاق المعانی لقب است اگر این بزرگوار را خلاق الالفاظ خوانند چہ عجب است۔ جز لغتی چند کہ از دساتیر آوردہ یا دیگر لغات اندک کہ در آں تصرف بکار نبردہ ہمہ آشوب چشم است و آزار دل۔ زہی نگارش کہ اگر گاہی ناگاہی یاد انساں بودی کہ طبع از دیدن آں نیا شفتی، ہر آئینہ آنچناں بودی کہ خرد آنرا نپذیرفتی۔ با این ہمہ کوشش .. نوشتہ ام مگراز.. صد یکی۔ ہمانا میخواستم نوشت و میدانستم نوشت اما بہ سبب انبوہی بیانہای ژولیدہ، جامع مجموعہ[۴۳] نتوانستم نوشت" دک ص ۳

غالب کا دعویٰ ہے کہ اگر تھوڑے سے لغات سے قطع نظر کر لی جائے، تو برہان محض جہلات کا ایک مجموعہ رہ جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس کے بھی مدعی ہیں کہ مجھے اس کے جملہ اغلاط سے واقفیت ہے، اور قاطع میں سب کا ذکر نہیں کرنا تو صرف اس لیے کہ اغلاط بہت ہیں۔ اس سلسلے میں میں صرف یہ کہوں گا کہ برہان ۱۲×۹ انچ کے ۸۸۰ صفحات پر مشتمل ہے اور مقدمہ و ملحقات اس کے علاوہ ہیں، قاطع کی اشاعت ۲ کا وہ حصہ جس میں برہان پر اعتراضات ہیں، ۹×۵½ انچ کے ۱۲۰ صفحوں، (۱۵ سطریں فی صفحہ) میں ہے۔ برہان کے جن لغات پر غالب معترض ہیں، وہ ان لغات کا جو برہان میں ہیں پچاسواں حصہ بھی نہ ہوں گے۔ اور اگر قاطع سے وہ اصولی اعتراض جن کی خواہ مخواہ تکرار ہوئی ہے اور وہ عبارات جنکی غرض محض استہزا ہے نکال دیے جائیں، تو شاید ہی پچاس صفحوں سے زیادہ بچیں۔ برہان خود محقق ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا، اور یہ انکسار نہیں، حقیقت ہے، لیکن اسکی کتاب اتنی لچر بھی نہیں جتنی غالب اور ان کے مقلدین کا خیال ہے۔ اس سلسلے میں شیرانی کے ایک خط کا اقتباس توجہ طلب ہے۔ یہ خط میرے نام ہے اور اقتباس ذیل ع میں شائع ہو چکا ہے:

"غالب کو فنِ لغت اور اس کی روایات سے کچھ دلچسپی نہیں معلوم ہوتی، ورنہ ایک ایسے شخص کو جو ان سے دو صدی قبل گزرا ہے اور جس کا دعویٰ ہے کہ میری حیثیت ایک مدوّن کی ہے نہ موجد کی، اپنی طبّاعی اور ذہانت کا نشانہ نہ بناتے؛ جو اغلاط مرزا صاحب نے برہان کے سر تھوپی ہیں وہی غلطیاں تمام فرہنگ نگار جو صاحب برہان کے پیشرو ہیں کر رہے ہیں، اور یہ فرہنگ نگار ایک دو نہیں، دو درجن سے زیادہ ہیں، جو دسویں، نویں اور آٹھویں صدی ہجری میں گزرے ہیں، اور اپنی عمروں کا ایک بڑا حصہ صرف کر کے یہ لغات تیار کرتے ہیں۔ اب ایک ناقل اور مرتب پر مرزا کا غصہ نکالنا محض ... کار معلوم ہوتا ہے۔ برہان قاطع کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب خود ایرانیوں کو اس کا حوالہ دیتے دیکھتے ہیں"۔ (رغ ص ۱۳۰)

زمانہ حال کے ایرانی محققین (قزوینی، بہار، عباس اقبال، سعید نفیسی وغیرہ) میں سے شاید ہی کوئی ہو جو بے تکلف برہان کا حوالہ نہ دیتا ہو۔ یغما معاصر غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا اس کا ایک قلمی نسخہ اب تک موجود ہے (مغ ۵ ص ۴۱) اور ایران میں دساتیری الفاظ کا رواج اسی کی بدولت ہوا۔ شیرانی کے قول کے بموجب تو ایرانی برہان کی قدر کرتے ہیں، لیکن بعض ہندی اور پاکستانی مداحانِ غالب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ایرانی غالب کے ان اعتراضات کی جو انھوں نے برہان پر کیے ہیں، تصدیق کرتے ہیں، جناب مہر فرماتے ہیں:

"برہان ... کے متعلق ... ہدایت[۴۵] نے ... ناصری کے مقدمے میں جو کچھ لکھا ہے، اتمامِ بحث کے لیے اس کا حوالہ دے دینا مناسب ہوگا۔ وہ فرماتے ہیں کہ 'چہل پنجاہ سال از این پیش فرمانروای ہندوستان جمعی از فضلای ایران و مسیحیان و زردشتیان را ترتیب و جمع کردہ ... بہ تصحیح ... برہان ... مامور ساختہ و بعد رجوع بہ کتب معتبرہ، مختلف تصحیح لغات برہان نتیجہ یافتہ'، پھر فرماتے ہیں کہ برہان ... میں جو لغات خالی از شواہد ہیں، برآن اعتبار نشاید و ہر یک از کنایات را لغت علیحدہ شمردہ و لغات غیر مستعمل در زبانِ عربی و ترکی و زند و پازند

ومکررات لغت وتبدیلات تطویل بلا طائل درمیاں آوردہ دفقیر تصدیق میکنم کہ حق بامعترض است،" اس کے بعد اس ہنگامے کے لیے کون سی وجہ جواز باقی رہ جاتی ہے جو . . غالب کی قاطع . . کے خلاف ہندوستان کے دعوی داروں نے بپا کیا تھا"؟" غ ص۴۷

ہدایت اس معارضے سے جو ہند میں برہان کے بارے میں ہوا تھا، واقف تھا یا نہیں، اور غالب وحامیانِ برہان کی کتابیں اس کی نظر سے گزری تھیں یا نہیں، اس کے متعلق قطعی طور پر کچھ کہنا ممکن نہیں، لیکن، یہ بات بے خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ اس میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے یہ مترشح ہوتا ہو کہ وہ اس معارضے سے کسی قسم کی آگاہی رکھتا ہے۔ ہدایت نے جن اعتراضات کی تصدیق کی ہے وہ غالب نہیں، صاحبِ جامع کے اعتراضات ہیں، جو نہایت مجمل واقع ہوئے ہیں، اور یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ صاحب جامع غالب کے اعتراضات سے واقف ہے، اس لیے کہ اس کی اشاعت قاطع سے کئی سال پہلے ہوئی تھی۔ غالب کے اعتراضات کا ذکر ان دونوں میں نہیں، لیکن، بیشتر مابہ النزاع لغات موجود ہیں، اور ان دونوں کے بالاستیعاب مطالعے سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ صاحب جامع اگر مختلف فیہ امور میں کم از کم نوے فی صدی برہان کا ہم نوا ہے، تو ہدایت کم از کم اسی فی صدی امور میں اس سے اتفاق رکھتا ہے، اور برہان و غالب کے جھگڑے کا فیصلہ ان دونوں کتابوں پر چھوڑ دیا جائے تو غالب کو بری طرح شکست ہوگی۔

برہان پر غالب کا سب سے سنگین اعتراض یہ ہے کہ وہ "خلاق الالفاظ" ہے، اور ایسے لغات لکھتا ہے جو کسی نے نہیں لکھے، اس کا سروکار علم سے نہیں، اخلاق سے ہے اور اعتراض صحیح ہے تو وہ سخت ملامت کا سزاوار ہے، لیکن، یہ غالب کا محض قیاس تھا کہ برہان کی کچھ لغات کسی اور کتاب میں نہیں ملتے، اور حامیانِ برہان کو غالب کے اعتراض کی تردید میں کچھ دشواری نہ ہوئی فرہنگوں کی

طرف رجوع کیے بغیر، اس قسم کا اعتراض برہان کے ساتھ زیادتی تو تھی ہی اپنے ساتھ بھی زیادتی تھی۔

غالب کا یہ اعتراض کہ بہت سے لغات محض تصحیف کی بہ دولت برہان میں داخل ہو گئے ہیں، صحیح ہے، مگر یہ اعتراض ایرانی فرہنگ نگاروں پر بھی وارد ہوتا ہے۔ برہان کو جس لغت کی جتنی شکلیں ملیں اس نے سب درج کردیں، اور بیشتر یہ بتانے کی ضرورت نہ سمجھی کہ صحیح شکل کیا ہے۔ اس کی وجہ معلومات کی کمی ہے، مگر غالب کا حال باوجود دعوائے ہمہ دانی اس سے بہتر نہیں۔ قاطع میں ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں: 'ہاں، دیدہ وراں الصاف مراخوے از جبیں فرو چکید تا ایں ہمہ خس و خار از راہ لغت فرو رُفتہ ام۔۔ در فصل جیم عربی مع النون دیہ بروزن کینہ ور نہیں، جینہ ور بروزن کینہ در فصل ج مع الیا میں ہے۔) جینور بروزن کینہ ور و در فصل جیم فارسی مع الیا چینور۔۔ و در فصل خائے نخذ مع النون خنبور بروزن طنبور و ہمدریں فصل خنبور بروزن حلی گر و در فصل خا مع الیا خینور بروزن۔ نے خبر شش[1] اسم از بہر پل صراط آورد۔ پندارم در تصحیف خوانی نیز ہمتِ قوی و نظرے ہمہ جا رس نداشت کہ بسیارے از الفاظ را کہ یکے از آنہا چینور است فرو گذاشت' داس کے بعد یہ لکھتے ہیں کہ پُل صراط معتقدات زردشتیاں میں نہیں، فارسی میں اس کے لیے نام کہاں سے آیا، اور استیلائے اسلام کے بعد یہ نام رکھا گیا ہے تو میرا سوال یہ ہے کہ ان چھ میں سے صحیح کون ہے، دک، ص۶۸۔ غالب نے صرف یہ بتانے کے لیے کہ برہان میں ایک لغت چھ شکلوں میں آیا ہے، اپنی کتاب کی ۱۵ سطریں لی ہیں، اور خود انھیں یہ علم نہیں کہ صحیح شکل کیا ہے، حال آنکہ وہ دبستان مذاہب کی طرف بھی رجوع کرتے تو صحیح شکل کا پتا چل جاتا۔ آژ فنداق کے متعلق بھی ان کی یہی کیفیت ہے، برہان پر تو طعنہ زن ہیں کہ وہ[۶۴] صحیح شکل نہ بتا سکا، لیکن خود یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ کوئی لغت (خاص کسی شکل میں ہو) ہے بھی یا نہیں (دک ص۱۹) اس فصل میں آگے چل کر بھی اس کا ذکر ہے)۔ غالب

---

[1] قاطع اشاعت ۲ میں صرف ۵ ہے، اشاعت ۱ میں ۶۔

دوسروں کو ملامت کرتی ہیں کہ وہ تصحیف کی پھندی میں بُری طرح پھنسی ہوئی ہیں؛ لیکن خود ان کا بھی یہی حال ہے۔

بعض مداحانِ غالب کا خیال ہے کہ برہان پر غالب کے اعتراضات میں فروعی غلطیاں ممکن ہے کہ بہت ہوں، لیکن قاطع میں فرہنگ نگاری سے متعلق اصولی بحثیں اعلیٰ درجے کی ہیں، اور قاطع کی تنقید میں انھیں کو زیادہ اہمیت حاصل ہونی چاہیے۔ غالب نے قاطع میں فرہنگ نگاری کے بارے میں کچھ اصولی باتیں ضرور لکھی ہیں، اور یہ بہ استثنای بعض دیباچے کے اس اقتباس میں موجود ہیں جو میں نے اوپر نقل کیا ہے۔ کتاب میں بعض اور باتیں بھی ہیں، لیکن کسی مقام پر اتنی طویل بحث بھی نہیں، جتنی یہ ہے۔ اس بحث میں کتنی گہرائی ہے، ناظرین اس کا اندازہ خود کر سکتے ہیں۔ اس موقع پر کل اصولی اعتراضات سے بحث کی گنجایش نہیں، میں چند اہم اعتراضات کے ذکر پر اکتفا کروں گا:

(۱) غالب کی قطعی رائے ہے کہ فرہنگوں میں مشہور الفاظ کا شمول مناسب نہیں؛ اور اگلے زمانے میں اور لوگ بھی ان کے ہم خیال رہے ہیں، چناں چہ خود برہان میں بہت سے مشہور الفاظ نہیں ملتے، مگر عہدِ حاضر کو غالب سے اتفاق نہیں۔ قزوینی نے غالب کے ہم نواؤں کے متعلق لکھا ہے کہ یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ "آنچہ در نزد ایشان معروف است، در نزد سائرین نیز معروف است، و آنچہ در بلاد ایشان معروف است، در سائر بلاد نیز معروف است و آنچہ در عصر ایشان معروف است در جمیع اعصار آتیہ برای جمیع اخلاف و آیندگان ہما نطور معروف خواہد ماند" (بیست مقالہ ۲ ص ۶۵) اس سلسلے میں اور باتیں بھی ہیں جن پر غالب نے غور نہیں کیا: (ا) بہت سے مشہور الفاظ ہیں جن کی غلط شکلیں رائج ہیں؛ اور فرہنگ نگار بھی انھیں قلم انداز کر دیں تو غلطی کی تصحیح کی کوئی صورت ہی نہیں۔ ایسے الفاظ کا شمول خاص طور پر ان فرہنگوں میں جو ہند میں تالیف ہوئی ہیں، لازم ہے۔

(ب) مشہور الفاظ کے مشہور معنی لازماً صحیح نہیں ہوتے، اور مشہور معنی کے علاوہ اور معنی بھی ہوتے ہیں جو عام طور پر معلوم نہیں ہوتے۔ (ج) مشہور الفاظ کی اصل کے متعلق لوگ غلط فہمیوں میں مبتلا ہوتے ہیں، اور لغات میں ان کے عدم اندراج کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ غلط فہمیاں باقی رہیں۔

(۲) غالب کی جو رائے ہے کہ وہ کنایات و استعارات جو کسی خاص شاعر کے استعمال کردہ ہیں اور مبتذل نہیں ہوئے پائے فرہنگوں میں داخل نہ ہونے چاہییں، یہ اعتراض بالکل صحیح ہے، لیکن، ایسے استعارات و کنایات زیادہ تر ان فرہنگوں میں ملتے ہیں جو ہند میں لکھی گئی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے مؤلفین کی غرض اصلی یہ تھی کہ درس کی فارسی کتابیں اور مشہور اساتذہ کا کلام پڑھنے اور پڑھانے میں مدد ملے، جیسا کہ مؤید الفضلا کے اقتباسِ ذیل سے واضح ہے:

"ایں نسخہ کافی و شافیست برائے خواندن و سبق گفتن، شاہ نامۂ فردوسی۔۔ و خمسۂ۔۔ نظامی۔۔ و سنۂ سنائی و دواوین خاقانی و انوری و ظہیر۔۔ و عبہری و حافظ و سلمان ساوجی و سعدی و خسرو و جز آں"

غالب نے جہاں اس پر اعتراض کیا تھا، سیکڑوں دواؤں کے اور ان کی خاصیتوں کے متعلق برہان نے جو کچھ لکھا ہے، اس پر بھی اعتراض کرتے۔ استعارات و کنایات مذکورہ کے شمول کی تو وجہ بھی ہو سکتی ہے، اور دوا اور ان کی خاصیتوں کا ذکر تو کسی طرح جائز ہی نہیں قرار دیا جا سکتا، ان کے لیے خاص فرہنگیں پہلے سے موجود تھیں۔ اس سے قطع نظر، یہ بات بالکل واضح ہے کہ غالب نے ہندوستانی فرہنگ نگاروں کے مطمحِ نظر کو سمجھنے کی مطلق کوشش نہیں کی۔ ایک دو جگہ غالب نے وہ شعر جس میں استعارہ یا کنایہ (مندرجۂ برہان) آیا ہے، نقل کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ برہان کے بیان کردہ[۴۹] معنی درست نہیں، لیکن عموماً وہ یا تو صرف یہ کہتے ہیں کہ فرہنگ میں شمول درست نہیں، یا یہ دکھائے بغیر کہ استعارہ یا کنایہ کہاں سے ماخوذ ہے وہ اس کے مفہوم کو غلط بتاتے ہیں۔ بعض مواقع پر تو انھوں نے قطعاً

انکار کیا ہی کہ استعارہ یا کنایۂ زیر بحث وجودِ خارجی رکھتا ہی:

۱) برہان میں ُپاسبانِ طارم نہم کنایہ از ۔ زحل' مرقوم ہی۔ غالب کہتے ہیں کہ 'جای زحل بر فلک ہفتم است نہ بر فلک نہم و طارم نہم عرش است و بر عرش از ثابت و سیار نشان نیست . . . . دکنی . . میگوید کہ من نا قلم نہ واضع، ماہم نشنوم کہ جز این بزرگ بول و براز را پایچہ وزن شمر دہندہ را پایاز اوج و زحل را پاسبان طارم نہم کہ گفتہ است'، دک ص۴۷ ۔ پاسبان طارم نہم مؤید الفضلا میں موجود ہی، اس لیے یہ اعتراض تو رفع ہو گیا کہ برہان کا اختراع ہی، رہا یہ سوال کہ یہ آیا کہاں سے ہی تو یہ بالکل ظاہر ہی کہ ظہیر کی شعر 'زہی ضمیر الخ' سے لیا گیا ہی:

زماہ رایت او چوں تجمل شود خورشید — بزیر سایۂ شب در کنند پنہانش
زہی ضمیر تو از لازمانِ آں حضرت — کہ پاسبان نہم طارم است در بانش، ص۹۷

۲) برہان میں ہی 'شش ضرب نتیجۂ خوب کنایہ از گوہر و زر باشد و کنایہ از مشک و کنایہ از شکر و عسل و اقسام میوہ ہاست و بحذف ضرب ہم بنظر آمدہ'، غالب نے اس پر قاطع کی اشاعت ۲ میں اعتراض کیا ہی کہ یہ کیا مہمل بات کہی ہی اور کسی فرہنگ میں بھی نہیں ص۸۴ ۔ شش ضرب نتیجۂ خوب اور شش نتیجۂ خوب مؤید الفضلا میں ہی، اس لیے کسی فرہنگ میں نہ ہونے کا اعتراض غلط ہی۔ میرا خیال ہی کہ شش نتیجۂ خوب انوری کی اشعار ذیل سے لیا گیا ہی:

زبہر جشن تو دائم بہ شش نتیجۂ خوب — زفتر بخت تو آبستن است شش مسکن
صدف بگوہر و ناف بمشک و نی بشکر — شجر بمیوۂ و خارا بزر و خار بمن، ص۲۱۱

۳) ملحقات میں ُاباے گلوگیر کنایہ از سرور و عیش جہاں و کنایہ از غم دنیا و شادی کہ بجہت قوت دشمن کنند'، غالب فرماتے ہیں کہ 'من ہیچگاہ نشنیدہ ام'، دک ص۱۲۸ یہ بھی مؤید الفضلا میں ہی اور صریحاً خاقانی کی شعر ذیل سے لیا گیا ہی، مگر خاقانی کی یہاں ابا ہی، آبا بالمد نہیں:

'ازیں حریف گلو بر حذر گزید حذر — ازیں اباے گلوگیر ابا نمود ابا'، ص۲۰۳

۴) ماہو چی چشمۂ خضر کنایہ از زبان و دہان معشوق است برہان ۔ غالب کی

نزدیک یہ ماہی چشمۂ خضر ہے (اس فصل میں آگے چل کر دکھایا جائے گا کہ برہان میں دراصل ماہی و چشمۂ خضر ہے)۔ یہ بھی خاقانی کے ایک شعر سے ماخوذ ہے:

'زباں وراں دہن پاک گفتہ، کہ مگر میانِ چشمۂ خضر است ماہی گویا' ص۲۰۳

۵) برہان میں نعمت کدہ بہ معنی بہشت ہے، غالب کو اس پر اعتراض ہے (دک ص۱۱۶) یہ خاقانی کی تحفۃ العراقین کے شعر ذیل سے لیا گیا ہے:

'چوں راہ عراق در کشیدم نعمت کدۂ بہشت دیدم' ص۳۳

۶) منقار گل برہان میں بہ معنی زباں ہے غالب حامیان برہان سے متفسر ہیں کہ یہ کنایہ کس کا تجویز کردہ ہے (دک ص۱۱۱)۔ منقار گل مؤید الفضلا میں بحوالۂ شرح مخزن الاسرار درج ہے نظامی کا شعر جس میں یہ آیا ہے یہ ہے:

'جان تراشیدہ بہ منقار گل فکرت خائیدہ بدندانِ دل' مخزن ص۴۶

۷) "وجود سازِ معادن کنایہ از آفتاب میگوید، مگر ایں نیز در قاف شنیدہ باشد۔ در پیدایش معدنیات نظر آفتاب را دخلی تمامست، لیکن در غرابت ایں کنایہ کلامست" دک ص۱۲۵۔ ماخوذ از شعر انوری:

ص۱۱۱
'بنام تو دہن سکہ گر ببندد چرخ وجود ساز معادن قرین قاروں باد'

(۳) غالب کا ایک اعتراض یہ ہے کہ برہان سندیں نہیں دیتا، جس کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ لغات کا اختراع کرتا ہے (دک ص۱۰۵)، یہ صحیح ہے کہ وہ سندیں بہت کم دیتا ہے، مگر اس کی وجہ وہ ہے جو خود اس نے اپنے دیباچے میں بتائی ہے، وہ نہیں جو غالب کہتے ہیں۔ (رجوع بہ آغاز فصل ہٰذا) سند کا نہ دینا اور بات ہے اور سند کا نہ ہونا اور بات ہے؛ اور شاید ہی کوئی بات برہان کے قلم سے ایسی نکلی ہو، جس کی قوی یا ضعیف سند اس کے پاس موجود نہ ہو۔ اس سے قطع نظر، اسناد کا عدم اندراج برہان کے ساتھ مخصوص نہیں، ہر زباں میں بہ کثرت ایسی کتب لغات موجود ہیں، جن میں اسناد موجود نہیں، اور آج کل بھی انگریزی، فرانسیسی، المانی اور دنیا کی دوسری ترقی یافتہ زبانوں میں ایسی کتب لغات لکھی

جاتے ہیں۔ کمال یہ ہے کہ خود غالب نے قاطع میں برای نام اسناد پیش کیے ہیں اور اس کی اشاعت کے بعد سند مانگی جانے پر بھی اکثر اس سے گریز کرتے ہیں۔ انھیں برہان پر اعتراض کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

(۴) برہان میں اختتام کتاب کے بعد کچھ لغات متفرقات کے عنوان سے بہ ترتیب حروف تہجی درج ہیں، غالب کا اعتراض ہے کہ ان کے الگ لکھے جانے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی (ق صنہ ۱۳۰)۔ یہ اعتراض بالکل بجا ہے۔

(۵) غالب کا اعتراض ہے کہ مصادر کے مشتقات کا ذکر نہیں چاہیے، صرف مصدر کے معنی بتا دینا کافی ہے (ق صہ ۴۷)۔ یہ اعتراض صریحاً غلط ہے، فرہنگ نگاروں کا فرض ہے کہ وہ ایسی مشتقات جن کے ہونے نہ ہونے یا جن کی صورت سے متعلق اختلاف کی گنجایش ہے، ضرور درج کریں۔

(۶) غالب لکھتے ہیں کہ مصدر پہلے اور مشتقات بعد کو درج ہونی چاہییں۔ برہان کی یہ روش نہیں، غالب کا اس کے متعلق یہ ارشاد ہے: 'آں دیو کہ رہنمای اوست در سویدای دلش افگندہ باشد کہ ہستی آدم زاد پیش از وجود آدمست و وجود آدم از بنی آدم مؤخر۔ اگر گویند کہ ایں تقدیم و تاخیر از بہر رعایت لفظ (حرف چاہیے) سوم و چہارم است، گویم کہ آں لزوم مالا یلزم است و تقدیم مصدر بر مشتقات لازم بل الزم' (ق صہ ۳۵)۔ فرہنگ صرف کی کتاب نہیں کہ مصدر پہلے اور اس کے بعد مشتقات لکھی جائیں۔ عہد حاضر کا کوئی فرہنگ نگار غالب کے بتائے ہوئے قاعدے پر عمل نہیں کرتا۔

(۷) غالب کی رای میں ایک لغت کی جتنی شکلیں ہیں، سب کی سب ایک جگہ ایک لغت کے تحت درج ہونی چاہییں: 'ہر لغت را باندک تغیر و تبدل لغتے آخر قرار دادن کدام آئین است، گر در تحت یک لغت ہمہ تغیرات نمی توانست نوشت' (ق صہ ۲۵)۔ اس قاعدے پر بھی عہد حاضر کے کسی فرہنگ نگار کا عمل نہیں۔

اعتراض لوگ اپنی اپنی سمجھ اور مبلغ علم کے مطابق کرتے ہیں، اس لیے یہ امید کہ غلط اعتراض بالکل نہ ہوں، فضول ہے، لیکن ہر ذمہ دار اور خود دار شخص سے دو باتوں کی توقع ضرور ہوتی ہے: ایک یہ کہ معترض علیہ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب نہ کی جائے جس کا اس سے سروکار نہیں؛ دوسرے یہ کہ علمی بحث میں فحش و دشنام سے کام نہ لیا جائے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان دونوں معاملات میں غالب کا رویہ نہایت مایوس کن ہے۔

غالب کو چاہیے تھا کہ قاطع کی تصنیف کے وقت صرف نسخۂ عبدالمجید پر بھروسا نہ کرتے اور برہان کے اور نسخے بھی پیش نظر رکھتے، اور وہ چاہتے تو یہ کچھ دشوار نہ تھا۔ قاطع کی تصنیف کئی سال میں ہوئی ہے اور دوران تصنیف میں ان کا رام پور جانا بھی ہوا ہے۔ دہلی نہیں تو رام پور میں اس کے متعدد نسخے ضرور ہوں گے، اور ریاست سے جو ان کے تعلقات تھے، ان کی وجہ سے یہ نسخے انھیں مل بھی سکتے تھے، لیکن یہ تو بڑی بات تھی؛ غالب سے یہ بھی نہ ہو سکا کہ وہ اپنے کو ایسے اعتراض کرنے سے باز رکھ سکیں جو نسخۂ عبدالمجید کے مطابق بھی خلاف واقع ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ توجہ منعطف کرانے پر بھی انھوں نے یہ اعتراض واپس نہیں لیے۔

(الف) غالب کا اعتراض ہے کہ زمزم کو زم زم کیوں لکھا (دک ص۱۱۲) مگر برہان میں زمزم ہی ہے۔ (اس موقع پر اور اس بحث میں آیندہ بھی برہان سے مراد نسخۂ حکیم عبدالمجید ہے)

(ب) غالب اپنی حیرانی کا اظہار کرتے ہیں کہ ماہوچہ چشمۂ خضر کیا ہے اور اس کی جگہ ماہی چشمۂ خضر تجویز کرتے ہیں دک ص۱۱۲، مگر برہان میں ماہی چشمۂ خضر ہے۔

(ج) غالب معترض ہیں کہ برہان نے آذرم کے بارے میں یہ مہمل بات لکھی ہے کہ ملا سودا گویند کہ نمد زین آں دو نیم باشد، دک ص۱۱۵، لیکن برہان میں زین آیا ہے۔

(د) اعتراض ہے کہ برہان نے "ناطوری" کے معنی "مزارع" بتائے ہیں دک ص۱۱۳

مگر اس میں یہ عبارت ہے: "کشت بانہ گویند کہ زراعت نگاہدارندہ باشد"

(ک) غالب کہتے ہیں کہ سرایان کے معنی "خوانندگی وگویندگی" لکھے ہیں دک ص۷۹، برہان نے "خوانندگی وگویندگی ونغمہ سرائی کنان" لکھا ہے یعنی خوانندگی کنان، گویندگی کنان اور نغمہ سرائی کنان

(ی) غالب نے برہان کو ملامت کی ہے کہ اس نے آرفنداک (بہ رای قرشت)، آزفنداک، آژفنداک اور آفنداک چار مستقل فصلوں میں، اور آدرنگ اور اس کی تین اور شکلیں تین مستقل فصلوں میں لکھی ہیں اور اس طرح ایک ورق ضائع کیا ہے دک ص۱۹ مگر آفنداک کسی مطبوعہ یا قلمی نسخے میں میری نظر سے نہیں گزرا۔ رہی یہ بات کہ ہر لغت کے لیے ایک مستقل فصل ہے، تو یہ بالکل بے اصل ہے۔ برہان باب کو گفتار اور فصل کو بیان کہتا ہے اور کل لغات مذکورہ ایک ہی فصل میں ہیں، ایک ورق ضائع کرنا بھی خلاف واقعہ ہے؛ ان تمام لغات نے کل ۱۲ سطریں لی ہیں، اور نسخۂ عبدالمجید کے ہر ورق میں عموماً ۲۴، ۲۴ سطریں ہیں

(ل) برہان نے تیری کے بارے میں لکھا تھا "مردانہ آں عربی نژادان فارسی زبانان باشد" غالب نے جو عبارت برہان کی طرف منسوب کی ہے اس میں "فارسی زبانان" کی جگہ "فارسی دانان" ہے۔ دک، ص۵

(م) غالب کا قول ہے: "برہان... در شرح لفظ خانہ گیر میفرماید کہ آں فارو زیاد ستارہ خانہ گیر ہزاران منصوبہ باشد... ہمانا ایں کلام سمندون ہزار دست (داستان امیر حمزہ کا ایک دیو) خواہد بود" دک ص۶۳۔ برہان کی عبارت اصلی یہ ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا: "خانہ گیر... بازی چہارم است از جملۂ ہفت بازی نرد کہ آں فارد، زیاد، ستارہ، خانہ گیر، ہزاران، منصوبہ باشد"

(ن) غالب کا اعتراض ہے کہ ملحقات میں بہت سے مشہور الفاظ داخل ہیں جنھیں نہ ہونا تھا۔ دک ص۱۲۹ (از آں جملہ: باورچی، بدن، بورانی، چادر، حلوا، داروغہ، رای چمپا، زانو، صندل، طوطی، عجب، غلام، فال، قاب، کباب، لشکر،

اتم، نزم، واہی) مگر، یہ الفاظ ملحقات کی نہیں، رودبک کی بڑھائی ہوئی ہیں، احمد نے مؤید میں اس کی بارے میں بڑی صراحت کے ساتھ لکھا ہے۔

تیغ میں بھی ایک آدھ بات برہان کی طرف ایسی منسوب کی ہے، جو اس کی کتاب میں نہیں۔ غالب نے قاطع میں لکھا تھا:

"یک صد و چند لغت ہمہ از ہفت... مرکب... کمتر معقول و بیشتر نامعقول... گوئی ایں رسالہ مستورۂ بود تازہ پرورد کہ ایں دکنی آنرا بچشم داشت فزونی رغبت نظر بازاں بدینگونہ ہر ہفت کردہ در نظرہا جلوہ داد و بر دیدۂ و دل مجرد دال طریقت منت نہاد۔ دانم کہ ہنگام فراز آوردن ایں الفاظ بر فراوانی دستگاہ خویشتن ناز میکردہ باشد و دکنیاں دگر میگفتہ باشد... ' ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند'" صـ۱۲۶

اس اعتراض کی غرض اصلی استہزا ہے اور پڑھنے والے کو بالکل پتا نہیں چلتا کہ غالب مرکبات زیر بحث میں سے کسے 'معقول' اور کسے 'نامعقول' سمجھتے ہیں۔ احمد نے اس کے جواب میں صرف اس قدر تحریر کیا تھا کہ "یک صد و چند لغت کہ دانائے تبریزی بہ ترکیب ہفت آوردہ عروس بیاں را ہر ہفت کردہ ہمہ معقول است وقول معترض نامقبول" صـ۲۰۲ تیغ میں اس کے متعلق یہ عبارت ہے:

"پھر لفظ ائے کا حوالہ دے کر ہفت کشور وغیرہ کی صحت میں غلو کرتے ہیں، کوئی پوچھے کہ غالب نے ان الفاظ کو غلط کب لکھا ہے جو تم اس (کذا) کی صحت کے گواہ گزرانتے ہو۔ ایک لفظ سے سو لغت بنانے کا عذر کہاں۔ بس خاتمہ عبارت میں لکھ دیا کہ عبارت دانائے تبریز ہمہ معقول است وقول معترض نامقبول۔ میں کہتا ہوں اس عذر نہ کرنے کو میں نے معاف کیا، دو بارہ ملحقات میں انھیں سو لغت کے لکھنے کا تو مولوی جی جواب دیں۔" صـ۵

اس عبارت میں امور ذیل توجہ طلب ہیں: (۱) احمد نے ہفت کشور وغیرہ کے متعلق صرف وہی عبارت لکھی ہے جو میں نے نقل کی ہے، اور کسی مرکب کی سند نہیں

پیش کی۔ غالب کا بیان بالکل خلاف واقعہ ہے (۲) غالب کے الفاظ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ انھوں نے قاطع میں یہ اعتراض بھی کیا تھا کہ مرکبات زیر بحث ملحقات میں بھی کیوں ملتے ہیں، مگر یہ اعتراض قاطع میں نہیں (۳) مرکبات زیر بحث میں سے ایک بھی ملحقات یا اضافات میں نہیں۔ ہفت خم اور ہفت کہلہ جو ملحقات میں ہیں، برہان میں نہیں۔

(۲) غالب کو اقرار ہے کہ میں نے برہان کو سخت وسست کہا ہے، لیکن، ان کے نزدیک ان کی 'بذلہ سنجی' سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے:

'زشت گفتم لیک داد بذلہ سنجی دادہ ام   شوخی طبعے کہ دارم ایں تقاضا کردہ است'

سبد ص۳۳

غالب کی 'شوخی طبع' کے کچھ نمونے ملاحظہ ہوں:

(الف) "چوں آذر بہ فتح ثالث گفت بروزن مادر چرا گفت؟ نہ اگر ہم چنیں بایستے گفت، چادر میگفت۔ چادر را گذاشتن و مادر را آوردن نہ حیا نیست" دک ص۱۲

(ب) برہان میں ات ضمیر مخاطب ہے جس پر غالب کو اعتراض ہے (دک ص۲۷) اس میں اش ضمیر غائب بھی ہے اس کے متعلق غالب کا قول ہے: "ایں خطای دوم است از . . برہان . . در تخطیۂ حقیقت یک لفظ" دک ص۳۱۔ ابھی تک زمین تیار کی جا رہی تھی، تخم فشانی اس موقع پر ہوئی جب برہان کی بیان کردہ ضمیر متکلم ام کی بحث چھڑی: "و ایں خطای سوم است و مثل ہندی مشہور اینجا صادق" دک ص۳۳ مثل مشہور تیسری خطا مادر بہ خطا ہے۔

(ج) "انباردن با صیغۂ مفعول ذکر کرد و ماضی را گذاشت و انباشتن را با صیغۂ ماضی نگاشت و در یں بحث علم مفعولیت نیفراشت" دک ص۳۳

مفتی میر عباس نے جنھیں غالب نے قاطع کا ایک نسخہ تحفۃً بھیجا تھا اور جن سے انھیں خاص طور پر داد ملنے کی امید تھی، قاطع کو دیکھکر یہ لکھا تھا کہ ظرافت نہ کرنی تھی مگر گذشتہ غلطی) پر وہ پشیماں تو کیا ہوتے، بعد کو ان کا قلم اور بے لگام ہو گیا، جیسا کہ تیغ کے

اقتباس ذیل سے واضح ہے:

"لوطیان ایران میں رسم ہے کہ چند بدمعاش جمع ہو کر ایک امرد کو کچھ دے کر باغ میں یا کسی مکان میں لے جاتے ہیں اور نوبت بہ نوبت اس سے ۔۔ کرتے ہیں۔ اس جماعت میں سے ایک شخص اس امرد کا سر پکڑے رہتا ہے؛ سو مؤید کے پانچویں صفحے میں مولوی جی لوگوں کی منتیں کرتے ہیں اور بلاتے ہیں کہ آؤ اور دکنی کا سر پکڑو۔"[منتخب]

غالب کا خیال تھا کہ وہ اصحاب بھی جو میری فارسی دانی اور شاعری کے قائل نہیں، یہ دیکھ کر کہ "غالب۔ شرافت و امارت میں ایک پایہ رکھتا ہے، صاحب عز و شان ہے، عالی خاندان ہے، امرائے ہند، رؤسائے ہند، راجگان ہند سب اس کو جانتے ہیں، رئیس زادگان سرکار انگریزی میں گنا جاتا ہے، بادشاہ کی سرکار سے نجم الدولہ خطاب ہے، گورمنٹ کے دفتر میں 'خاں صاحب بسیار مہربان دوستاں'، القاب ہے" (تیغ ص۳۷)، مجھے سخت و سست کہنے سے باز رہیں گے، لیکن یہ سپر محض کاغذی ثابت ہوئی، اور غالب کی خودداری حامیانِ برہان کے تیر 'ظرافت' سے بری طرح مجروح ہوئی۔ امین جو غالب[۵۲] کے تمام مخالفین میں سب سے زیادہ دریدہ دہن ہے، اپنی 'فحش گوئی' کا عذر ان الفاظ میں کرتا ہے: "جواب نگار را تقابل ناگزیر است۔۔ و فحش گوئی آئین من نیست پس چہ تحریر نمایم کہ از عہدۂ جواب برآیم ۔۔ ناگہاں بخاطر ریختند۔ معترض من ظرافت را دوست میدارد ۔۔ و سادہ نگاری را ۔۔ ہرگز نخواہد پسندید ۔۔ ناچار کلمۂ چند ظریفانہ از ظرفای زمانہ گدیہ کردم و بزبان قلم سپردم ۔۔ راقم جواب را بہ ارتکاب ایں امر مطعون نسازند ۔۔ و نیز بدانند کہ ہر قدر کہ ایں مقتدی را بد خواہند گفت فی الحقیقت امام ۔۔ را بجز تنگ بدگوئی خواہند سفت کہ اہانت المقتدی اہانت الامام است" (قاطع القاطع ص۳) یہ عذر اسی صورت میں قبول ہو سکتا تھا کہ امین اور دوسرے مخالفین غالب کی ظرافت، جائز حدود کے اندر رہتی۔ غالب نے برہان کے حق میں جو کچھ کہا ہے وہ کسی طرح پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا، لیکن اس کی وجہ سے قانون یا اخلاق

ان کے معاصرین کو اس کی اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ انھیں گالیاں دیں۔ معاصرین کے اس رویے سے غالب کو بڑی اذیت پہنچی ہوگی، اور ان کی بعض تحریروں سے تو یہ مترشح ہوتا ہے کہ انھیں خود اپنے پر رحم آنے لگا تھا، لیکن اس سلسلے میں جو آخری الفاظ ان کے قلم سے نکلے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس احساس پر غلبہ پالیا تھا۔ غالب تیغ کے خاتمے میں احمد کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سنو صاحب، نفسانیت کا برا ہو، اکابر امت میں باہم کیا کیا.. ناشائستہ کلام درمیان آئے ہیں.. شفائی نے.. عرفی.. کی کیا کیا مذمتیں کی ہیں.. علمائے ماوراء النہر اور علمائے مشہد میں ایسے مکاتبات کی آمد و رفت رہی ہے کہ فریقین کی توہین و تنفر ین سے مملو ہے، بل کہ خود شاہ ایران اور سلاطین روم کے درمیان وہ نامے جاری ہوئے ہیں جس (کذا) میں سراسر مغلظ گالیاں مرقوم ہیں، غرض اس اظہار سے یہ ہے کہ جہاں عمائد اہل اسلام و سلاطین اہل اسلام کی وہ باہم ناسزا تحریریں صفحہ روزگار پر یادگار رہیں گی۔ وہاں ہماری تمہاری بد کہانے صفحۂ دہر پر نمودار رہیں گی۔ نہیں نہیں، صرف اللہ کا نام رہ جائے گا اور کچھ نہیں۔ ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام" (د ص ۲۹)

۴۔ فارسی ادب

غالب فارسی ادب سے تبحر اور واقفیت کے مدعی ہیں، لیکن فارسی ادب کا مطالعہ انھوں نے کس طرح کیا ہے اس کا اندازہ سطور ذیل سے ہوگا:

غالب کی مطبوعہ کتابوں میں عموماً رودگی بہ کاف فارسی ملتا ہے، یہ صحیح نہیں، کاف عربی ہے۔ انھوں نے اس کا نام ابوالحسن اور زمانہ مأۃ ثلاثہ لکھا ہے (ل ۱۱)، لیکن، اس کا نام جعفر، کنیت ابو عبداللہ اور سالِ وفات ۳۲۹ھ ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اس کا کلام میری نظر سے بالاستیعاب گزرا ہے (عود ص ۱۱)، مگر اس کا دیوان سیکڑوں برس سے ناپید ہے اور ایران میں جو مختصر سا دیوان چھپا ہے، اس میں بہت تھوڑے سے شعر اس کے اور باقی کلام قطران وغیرہ کا ہے۔ ممکن ہے کہ اسطرح کا کوئی نسخہ غالب کے زمانے میں ہندوستان میں رہا ہو، لیکن، ان کی

تحریروں سے کوئی ثبوت اس دعوے کا نہیں ملتا۔ رودکی کے بعض اشعار جو قاطع کی اشاعت ۲ میں ہیں صریحاً محرق سے ماخوذ ہیں۔ عنصری کے کلام کے متعلق بھی غالب نے وہی کہا ہے جو رودکی کے کلام کے بارے میں کہا ہے۔ اس کی سب مثنویاں اور بیشتر قصائد وغیرہ ضائع ہوگئے ہیں، مختصر سا دیوان جو موجود ہے، وہ بھی واقعی غالب نے دیکھا تھا، اس کی نسبت قطعی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔ مگر ایک دو شعر جو ل م میں ہیں، وہ محرق سے نقل ہوئے ہیں۔

شاہ نامۂ فردوسی کسی نہ کسی حد تک غالب نے پڑھا ہوگا، مگر اس کے متعلق ان کے بیشتر بیانات صحت سے دور ہیں:

بکنوں نو شود در جہان[۵۲] داوری کہ موسیٰ بیاید بہ پیغمبری' ش ا ص۱۱۳

قاطع کی اشاعت ا میں غالب نے اس شعر کے متعلق لکھا تھا کہ کیخسرو کی زبان سے ہے، لیکن صیاکہ خود اشاعت دوم میں ہے اصلی قائل منوچہر ہے۔ غالب نے کسی سے سُن کے غلطی کی تصحیح کرلی۔ ارزانش کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ شاہ نامہ میں ہزار جگہ ہے (تیغ ص۱۳۱)، مگر ش یا ش خ میں ایک جگہ نہیں۔ چینود کے بعض مصحفات کی نسبت ان کا قول ہے کہ شاہ نامہ میں ایک آدھ جگہ ہیں (ل ۱۱)، لیکن چینود یا اس کی کوئی شکل اس میں نہیں۔

غالب اسدی (صاحب گرشاسپ نامہ) کو عہد محمودی کا شاعر سمجھتے ہیں (ل ۱۱)، اس نے محمود کا زمانہ پایا ہوگا، لیکن وہ محمودی شعرا میں محسوب نہیں ہوتا۔ غالب جو چینود کو ایک مصنوعی لفظ مخترعۂ منافقین ایران قرار دیتے ہیں، یہ دکھانے کے لیے کہ مسلمان شعرا نے بہت کم استعمال کیا ہے، اس کے بعض مصحفات کی نسبت لکھتے ہیں کہ اسدی کے یہاں ایک آدھ جگہ آئے ہیں (ل ۱۱)، حقیقت یہ ہے کہ چینود یا چنیود اسدی کی مثنوی میں کم از کم ۵ جگہ ملتا ہے: ص۳، ص۱۳۷، ص۲۳۱، ص۲۳۳، ص۲۰۲۔ قریب بہ یقین ہے کہ گرشاسپ نامہ غالب کی نظر سے نہیں گزرا اور انھیں اس کے متعلق اپنی طرف سے کچھ کہنے کا حق نہ تھا۔

غالب نے حدیقۂ سنائی کے حوالے سے چار شعر ایک جگہ نقل کیے ہیں (خطوط ص۲۰۱) جن میں سے پہلے شعر کا پہلا مصرع یہ ہے: 'پسرے با پدر بزاری گفت'۔ یہ اشعار اوحدی کی جام جم (ص۹۳۰) میں ہیں، اور ایک سے زیادہ تذکروں میں اوحدی کے نام سے مندرج ہیں۔

انوری کے کلام کا تھوڑا بہت مطالعہ غالب نے کیا ہوگا، لیکن اس کے ایک مشہور قصیدے کے بعض اشعار ان کے یہاں مسخ شدہ شکل میں ملتے ہیں:

بعہد جود تو دائم بیک شکم زاید — زمانہ صوت سوال و صدای آری را
خطوط

ز غایت کرم اندر کلام تو نے نیست — باعتقاد تو صد جست نون نکرے را
ص۱۸۷

ز غایت کرم اندر کلام تو نے نیست — وجود نیست مگر در کلام تو نے را
ص۵۴ شرح

بہ ہیچ لفظ تو ہم نون بہ چلہ نہ پیوندد — در اعتقاد تو ضد است نون نکرہ را
بہ بارگاہ تو دائم بیک شکم زاید — زمانہ صوت سوال و جواب آری را

غالب وطواط و خاقانی کے بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے مدعی ہیں (عود ص۱۱) وطواط کے کلام سے تو کسی قسم کی واقفیت کا پتا ان کی تحریروں سے نہیں چلتا لیکن خاقانی کا کلام کچھ نہ کچھ ضرور ان کی نظر سے گزرا ہے، مگر اس کے ایک جید قصیدے کے بعض اشعار کے ساتھ بھی انھوں نے وہی سلوک کیا تھا جو انوری کے بعض اشعار کے ساتھ کیا تھا:

پرویز و ترنج زر کسرے و ترہ زریں — زریں ترہ کو برخوان رو کم ترکوا برخوان
دک ص۱۴۰

کسرے و ترنج زر پرویز و ترہ زریں — بر باد شدہ یکسر از یاد شدہ یکسان
ص۲۹۷

پرویز بہر خوانے زریں ترہ آوردے — کردے زبساط زر زریں ترہ را بستاں

پرویز کنوں گم شد زاں گم شدہ کمتر گو   زر بن ترہ کو برخواں رد کم ترکوا برخواں"

رضی الدین نیشاپوری کا دیوان بہت کم یاب ہے، غالب کے یہاں بکنے آیا تھا مگر انھوں نے اسے خریدا نہیں۔ اس نسخے کے حوالے سے انھوں نے اس کا ایک شعر نقل کیا ہے (خطوط ص۴۲)، غالب کو نظامی کا ایک مختصر دیوان نیر سے مستعار ملا تھا (عود ص۱۴۰) اور اس کی کچھ مثنویاں بھی ضرور ان کی نظر سے گزری ہوں گی، لیکن وہ ظاہرا اسے رومی و سعدی کا معاصر سمجھتے ہیں (ل ۷) اور یہ غلط ہے۔ غالب نے مخزن کا ایک شعر جامی کی طرف (دک ص۹۷) اور خسرو کی شیریں خسرو کا ایک شعر نظامی کی طرف (دک ص۲۹) منسوب بھی کر دیا ہے:

'اے کس ما بیکسی ما ببیں   قافلہ شد واپسی ما ببیں' ص۱۲

'بہ قصر دولتم مانی داشت رنگ   طراز سحری لستند بہ رنگ خمرہ خسرو' ص۹۸

غالب نے رومی کا دیوان شاید ہی دیکھا ہو، لیکن 'مثنوی ان کی نظر سے گزری ہوگی۔ غالب نے مناقب العارفین کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کی بی بی کا نام کرا کا تھا اور وہ ایک شاہ زادی تھیں (دک ص۱۲۶)۔ یہ قطعاً غلط ہے اور خود مناقب العارفین میں مرقوم ہے کہ وہ رومی کی بہو اور رومی کے ایک دوست صلاح الدین کی بیٹی تھیں، جن کا کسی شاہی خاندان سے کسی قسم کا تعلق ثابت نہیں۔

حافظ کا دیوان کس نے نہیں دیکھا جو غالب کی نظر سے نہ گزرا ہو، لیکن غالب نے ان کا ایک مشہور شعر جامی کے نام لکھ کر اس دعوے کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ قائل نے قافیہ میں غلطی کی ہے۔ (رجوع بہ بحث فسوس) شعر یہ ہے:

'برو ایں دام بر مرغ دگر نہ   کہ عنقا را بلند است آشیانہ' ص۲۸۰

غالب اس شعر کو مصرع سمجھے ہیں، لیکن یہ غیر مصرع ہے اور غزل کا افتتاحی شعر نہیں۔ دوسرے قوافی چنانہ، شبانہ وغیرہ ہیں۔

غالب نے ایک مشہور رباعی کو جس کا ایک مصرع 'می باید دید دم نمی باید زد' ہے سرمد کی ملک بتایا ہے لیکن سرو آزاد وغیرہ میں سحابی کے نام درج ہے۔

میں نے اسے رباعیات سحابی کے ایک مجموعے میں جو م میں ہے، تلاش کیا، مگر نہ ملی، اس لیے میں یہ کہنے سے قاصر ہوں کہ سحابی کی ہے یا نہیں، لیکن اسے سرمد کی طرف منسوب کرنے میں غالب منفرد ہیں اور اس کی رباعیات کے مطبوعہ مجموعے میں بھی موجود نہیں۔

غالب کسی حد تک ہجویات شفائی سے واقف ہیں، لیکن، اس کے زمانے کے متعلق وہ بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ تیغ ص۲۹ میں وہ فرماتے ہیں کہ یقین ہے کہ عرفی و شفائی کے زمانے میں اس قدر تقدیم و تاخیر ہو جتنی برہان و غالب کے زمانے میں تھی حالاں کہ دونوں معاصر تھے۔ عرفی سنہ ۹۹۹ھ میں جوان مرا ہے اس وقت بہ قول صاحب میخانہ اس کی عمر ۴۰ برس کی بھی نہ تھی، اور شفائی جس کا سال وفات سنہ ۱۰۳۹ھ ہے، بہ قول تقی اوحدی سنہ ۱۰۳۱ھ میں تخمیناً ۷۵ سال کا تھا۔

طالب آملی کی ایک غزل م کے متعدد قلمی نسخوں کی ردیف ت میں ہے۔ اس کے قوافی بر، زرہ وغیرہ اور ردیف گشتہ ہے۔ اس کا ایک شعر غالب نے نقل کیا ہے، مگر ردیف کو گشت کی جگہ شد بنا دیا ہے:

• لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی — دہن بر چہرہ زخمی بود بہ گشت، ص۶۴

غالب نے ایک ہندی شاعر نصرت کے دو شعر قدسی کے نام لکھے ہیں، (ردیف گلہ دارد) حالاں کہ قدسی کا دیوان مطبوعہ اور کل قلمی نسخے جو م میں ہیں، ان اشعار سے خالی ہیں۔

غالب حزیں کے بڑے مداح ہیں، اور ان کے مخالفین سے نالاں، کلام بھی نظر سے گزرا ہوگا، لیکن انھوں نے حزیں کی ایک غزل کے مطلع کا مصرع ۱ اور مقطع کا مصرع ۲ لے کر ایک نیا مطلع بنا دیا ہے:

• ز ترکتازی آں نازنیں سوار ہنوز — چو سبزہ میدمد انگشت زینہار ہنوز،
• ز ترکتازی آں نازنیں سوار ہنوز — مرا غبار بلند است از مزار ہنوز، ص۵۱۴
• ز تیغ بازی چشمش مزار خاک حزیں — چو سبزہ میدمد انگشت زینہار ہنوز، ص۵۱۵

غالب اپنے ہم عصر ایرانیوں میں قاآنی کی عظمت کے معترف تھے، چنانچہ دک کے نسخے دیباچے میں انھوں نے اسے دوہ میں خاقانی کا لقب دیا ہے۔ اس کا کچھ کلام بھی انھوں نے دیکھا تھا، لیکن ان کی تحریروں سے اس کا پتا بالکل نہیں چلتا کہ انھیں اس تغیر کا احساس تھا جو ہاتف و آذر اور ان کے بعد قاآنی کے زمانے میں اہل ایران کے ذوق شعر میں ہوا تھا۔

نثاران ایران میں غالب نے خاص طور پر خواجہ بقراط (وطواط؟)، شرف الدین علی یزدی، کاشفی اور طاہر وحید کا ذکر کیا ہے (عود ص ۱۹)۔ وہ ظہوری کی نثر کے بھی مداح ہیں ("ز نظم و نثر مولانا ظہوری زندہ ام غالب"، کلیات ص ۲۲۴) اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ جلالائے طباطبائی بھی ان کے نزدیک صاحب طرز انشا پردازوں میں ہے (مکاتیب ص ۵۷)

ہند کے قدیم فارسی گو شاعروں میں ابوالفرج رونی اور مسعود سعد سلمان کا بڑا پایہ ہے، لیکن مقدم الذکر کا نام تک غالب کی کسی تحریر میں نہیں آیا اور مؤخر الذکر کا صرف نام ل ۱۲ میں ہے اور وہ بھی محرق میں اس کے بعض اشعار دیکھنے کے بعد۔ کچھ پتا نہیں کہ وہ ان دونوں کو ہندی المولد سمجھتے بھی تھے یا نہیں۔ متوسطین میں خسرو کے سوا کسی کا نام ان کے یہاں نہیں ملتا۔ غالب کے ایک خط کا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے، اس سے یہ معلوم ہوگا کہ ہند کی عام فارسی شاعری اور یہاں کے خاص خاص شاعروں (از خسرو تا اختر) سے متعلق ان کی رائے کیا ہے:

"جلالائے طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ نے شیدائے ہندی کو ایک خط لکھا ہے۔ عبارت . . یاد نہیں آتی مگر یہ مضمون اس کا ہے کہ ایک دن مولانائے عرفی علیہ الرحمۃ اور ابوالفضل میں مباحثہ ہوا۔ شیخ نے عرفی سے کہا کہ ہم نے تحقیق فارسی کو بہ سرحد افراط پہنچا دیا، اور فارسی میں خوب کمال پیدا کیا۔ عرفی نے کہا کہ اس کو کیا کرو گے کہ ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اپنے گھر کی بڑھیوں اور لونڈیوں سے جو بات سنی

فارسی میں سُنی۔ شیخ گفت ما فارسی را از انوری و خاقانی فرا گرفتہ ایم و شما از پیرزالاں آموختہ اید۔ عرفی فرمود انوری و خاقانی نیز از پیرزناں آموختہ باشند۔ غالب کہتا ہے کہ ہندوستان کے سخنوروں میں حضرت امیر خسرو دہلوی علیہ الرحمۃ کے سوا کوئی اُستاد مسلم الثبوت نہیں ہوا۔ خسروِ کیخسرو قلمرو سخن طرازی، ہے یا ہم چشم نظامی گنجوی وہم طرح سعدی شیرازی ہے۔ خیر، فیضی بھی نغز گوئی میں مشہور ہے، کلام اس کا پسندیدۂ جمہور ہے، دیکھو عبد القادر۔۔ کیا لکھتا ہے۔ زہی یہ[57] سیاہی فالیز (رہی یہ سیاہیِ فالیز؟)، آرزو[58]، فقیر اور شیدا اور بہار[59] وغیرہ ہم انھیں میں آگئے۔ ناصر علی اور بیدل اور غنیمت ان کی فارسی کیا؟۔۔ منت اور مکیں اور واقف اور قتیل یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کا نام لیجیے۔ ان حضرات میں عالم علوم عربیہ کے۔۔ ہوں، فاضل کہلائیں، کلام میں ان کے مزا کہاں ایرانیوں کی سی ادا کہاں؟ ۔۔ احسان اللہ ممتاز کو صنائع لفظی میں دستگاہ اچھی تھی'۔۔ فارسی وہ کیا جانیں؟ قاضی محمد صادق، اختر عالم ہوں گے، شاعری سے ان کو کیا علاقہ؟" عود اشاعت اول ص ۴۳

میں نمبر ۸ کے حواشی میں لکھ آیا ہوں کہ غالب خسرو کو مسلم الثبوت شاعر سمجھتے ہیں، لیکن فیضی کا معاملہ مشتبہ ہے۔ رہے اور فارسی گویان ہند جن کا ذکرِ خیر اقتباس بالا میں آیا ہے، تو یہ سب ان کے نزدیک 'سیاہی فالیز' یعنی نکمے ہیں، کوئی کم کوئی زیادہ۔ یہ سوال جداگانہ ہے کہ غالب کی رائے کس حد تک صحیح ہے، شیدا جو ان سب پر تقدم زمانی رکھتا ہے، اس پایہ کا شاعر تھا کہ طغرائے سلیم پر یہ الزام لگایا تھا کہ اس نے شیدا کے مضامین کا سرقہ کیا ہے: 'نظم شیدا گشت تاراج سلیم' (طغرا ۱۵۶ ب)۔ طرہ یہ کہ خود غالب نے شیدا کے ایک شعر میں جو خاص نکتہ تھا اسے اردو میں اپنے طور پر نظم کیا ہے:

گفتن دعای زلف تو تحصیل حاصل است — با خضر کس نگفت کہ عمرت دراز باد'

'حریف مطلب مشکل نہیں فسونِ نیاز — دعا قبول ہو یارب کہ عمرِ خضر دراز'

ناصر علی برگزیدہ ترین خیال بندوں میں تھا، اور اس کے بہت سے اشعار

جو معز فطرت کے پسند کردہ ہیں، کلمات الشعرای سرخوش میں موجود ہیں۔ اس کا ایک شعر ظاہرا خود غالب کو بھی پسند آیا ہے، اور ان کا ایک اردو شعر بڑی حد تک اسی پر مبنی معلوم ہوتا ہے:

'تو چوں ساقی شوی در دست تنگ ظرفی نہ می باشد
بقدر بحر باشد[61] وسعتِ آغوش ساحلہا'

'بہ قدر ظرف ہے ساقی خمار تشنہ کامی بھی
جو تو دریائے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا'

ابتدا میں غالب پر بیدل کا جو اثر تھا، اس کا خود انھیں اقرار ہے؛ اور میرا خیال ہے کہ اس زمانے میں بھی جب وہ اسے نکمے شاعروں میں شمار کرنے لگے تھے، اس کے دائرۂ اثر سے باہر نہ تھے؛ یہ بات اور ہے کہ ابتدا میں صرف بیدل یا اس کے ہم طرز شعرا سے متاثر تھے، بعد کو نظیری، عرفی، ظہوری، حزیں وغیرہ کا بھی اثر قبول کیا۔ باد مخالف اس زمانے کی تصنیف ہے جب غالب نے طرز بیدل کو بڑی حد تک ترک کر دیا تھا، لیکن، اس کے باوجود انھوں نے اس کا ایک شعر بہ طور سند اس مثنوی میں شامل کیا ہے، اور اس کی شان میں 'قلزم فیض'، اور 'صاحب جاہ و دستگاہ' کے الفاظ استعمال کیے ہیں (کلیات ص۹۴)۔ اشعار ذیل، جیسا کہ میں اپنے مقالے بادِ مخالف کی اوّلیں روایت (ایم آرائے مسلینی) میں دکھا چکا ہوں، اس مثنوی کی روایت اولیں میں نہ تھے، بعد کو بڑھائے گئے ہیں:

'دعوی بندہ نے سرو بن نیست — شعر بیدل بجز تفنن نیست — کلیات
پارۂ از کلام اہلِ زباں — می نوشتم بخدمتِ یاراں' — ص۹۵

غالب آخر آخر تک بیدل کے اشعار اظہار پسندیدگی کے ساتھ اپنے خطوں میں نقل کرتے رہے ہیں۔ آرزو کی تعریف کبھی غالب کے قلم سے نہیں نکلی، اور ان کے معاصر ایرانیوں میں حزیں اور ان کے مخصوصین بھی انھیں نہ مانتے تھے، لیکن امید وغیرہ انکی فارسی دانی کے قائل تھے۔ فقیر کے بارے میں صرف اتنا بتانا کافی ہے والہ داغستانی

ان کا عقیدت مند —— تھا۔ غالب نے واقعہ کی صرف ایک غلطی نکالی ہے:

'نے محرم[۲۲] قفس نہ بہ دام آشنا شدیم   نفرین کنیم ساعت پرواز خویش را'

غالب کا اعتراض ہے کہ یہ بھی ہندی کی فارسی ہے۔ بری گھڑی اور شبھ گھڑی۔ اہلِ زبان ایسے موقع پر طالع لکھتے ہیں، (معل ص ۳۵۹)۔ طالع یہاں پر ٹھیک ہے یا نہیں، اس کے بارے میں اس موقع پر کچھ نہ کہوں گا۔ ساعت کی سند میں آصف قزوینی کی رباعی ذیل حاضر ہے جو مآثر جہاں گیری ص ۱۹ اور دیباچہ تزک جہاں گیری میں درج ہے:

'ای جستہ زبان بہ رسم عادت ساعت   ادراک وصال را چہ حاجت ساعت
از وصل کند کسب سعادت ساعت   ساعت چہ کنی بہانہ ساعت ساعت'

دراصل یہ زبان کا سوال نہیں؛ زیادہ سے زیادہ جو اعتراض ہو سکتا ہے یہ ہے کہ ہندی مضمون باندھا ہے، اور اس سے کم ایرانی شاعروں کا کلام جو ہند آئے ہیں، خالی ہے۔ معتقدین قتیل سے معارضے کے بعد غالب کو قتیل سے جو عداوت ہو گئی تھی، وہ آخر دم تک باقی رہی، لیکن قتیل کی شاعری اور فارسی دانی کا پایہ پست ہو یا بلند، غالب کی یہ کوشش کہ اسے قطعاً ناقابل اعتنا ثابت کیا جائے، کامیاب نہ ہو سکی۔ قتیل کا ایک شعر دیوان قتیل ص ۲۳۴ ۱۲۲ اور ثمرات البدائع ط ۱۲۶۳ھ ص ۲۳۲ میں ہے:

'یک وجب جای بہ کوی تو ز خون پاک نبود
کشتہ بر کشتہ تپاں بود دگر خاک نبود'

غالب نے اس پر بڑی شد و مد سے اعتراض کیا ہے: 'اہلِ ہند کی فارسی اسی طرح خام اور ناتمام رہی کہ اصول میں انھوں نے فارسی کے قواعد کی تطبیق عربی سے چاہی اور اردو کے خاص روزمروں کی فارسی بنا یا ہے۔ ہندی میں کچھ نہیں کی جگہ خاک نہیں بولتے ہیں، فارسی میں 'ہیچ نیست' کی جگہ 'خاک نیست' کبھی کوئی نہ کہے گا۔ قتیل چاروں شانے چت گرا ہے' (معل ص ۴۱۲)

غالب نے تو قتیل کی موت کے بعد اعتراض کیا ہے، قتیل اپنی زندگی ہی میں اپنے ایک خط میں (ثمرات الب ائے ص ۲۳۲) اس شعر پر بحث کر چکا ہے۔ اس نے صراحتہً لکھا ہے کہ میں نے "خاک نبود" بطور محاورہ استعمال نہیں کیا، اور میں یہ دعویٰ بھی نہیں کرتا کہ یہ فارسی محاورہ ہے۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ اعتراض کی گنجایش نہیں، اور اس شعر میں کوئی سقم ہو بھی تو وہ نہیں جس کا ذکر غالب نے کیا ہے۔ جامہ گذاشتن کے بارے میں جو بات غالب نے قتیل کی طرف منسوب کی ہے۔ وہ قتیل نے کہی ہی نہیں (رجوع برائے تفاصیل بہ فصل آخر)۔ ہمہ کے بارے میں جو کچھ انھوں نے لکھا ہے اس کی بھی یہی کیفیت ہے۔ غالب نے اختر کی جگہ تحت الثریٰ تجویز کی ہے، لیکن یہ فراموش کر گئے کہ خود ہندی کے خط کی تحریر سے بہت پہلے پنج آہنگ کے ایک خط میں وہ ان کا محل عرش معلیٰ قرار دے چکے ہیں:

"چشم و چراغ دودمان سخن ۔۔ و مہر و ماہ آسمان ہنر یعنی صاحب دل دیدہ ور حضرت قاضی محمد صادق خاں، اختر اں کہ فرود آمدن سخن از آسمان بندق پیوند اندیشۂ والای اوست و سجدہ ریز خرامیدن خامہ در نگارش نہ سپاس آشنائی بنان گوہر آمای او" ک ن ص ۱۵۳ غالب نے اپنے دہلوی معاصرین کا ذکر ان اشعار میں کیا ہے، جو ان کے کلیات میں موجود ہیں:

"ہند را خوش نفسانند سخنور کہ بود
باد در خلوت شاں مشک فشاں از دم شاں ص ۴۷۱
مومن و نیر و صہبائی و علوی وانگاہ
حسرتی اشرف و آزردہ بود اعظم شاں"

جس زمانے میں یہ اشعار منظوم ہوئے ہیں، مومن زندہ تھے اور حسرتی (شیفتہ) کو ان سے تلمذ تھا، مگر غالب شاگرد کو اُستاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ صہبائی کو دوران حیات میں تو غالب نے انھیں بُرا نہیں کہا۔ لیکن ان کی موت کے بعد جا بجا نالائق الفاظ ان کے لیے استعمال کیے ہیں۔ آزردہ و نیر دونوں کی مدح میں

غالب کے قصیدے موجود ہیں۔ غالب اپنے ایک خط میں فارسی شاعری کی مختلف طرزوں کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں:

"تو اب[۴۴] طرزیں تین ٹھہری ہیں.. خالصاً للہ ممتاز و اختر وغیرہم کا کلام ان تین طرزوں میں سے کس طرز پر ہے؟.. فرماؤ گے کہ یہ طرز اور ہی ہے لیکن تو ہم نے جانا کہ یہ طرز چوتھی ہے۔.. خوب طرز ہے، مگر.. ہندی ہے، دارالضرب شاہی کا سکّہ نہیں ہے ٹکسال باہر ہے" عود ص۶

اس کے معنی یہ کہ ہندی کوئی نئی طرز نہیں نکال سکتے، لیکن بے خبر کی ایک غزل دیکھ کر جو عود میں شامل کر لی گئی ہے ص۲۲۴ انھیں لکھتے ہیں: "ابداع اس کو کہتے ہیں، جدت طرز اس کا نام ہے، جو ڈھنگ تازہ نوایانِ ایران کے خیال میں نہ گزرا تھا وہ تم بروے کار لائے" عود ص۲۲۴ بے خبر پر موقوف نہیں، غالب نے ہندوستان کے اور غیر معروف فارسی گویوں کی بھی مدح سرائی کی ہے۔ امیر حسن خاں بسمل کے نام کا ایک خط جو ک ن ص۲۰۹ میں ہے خاقانی پایہ صاحبا سے شروع ہوتا ہے۔ اور انور الدولہ، شفق کے نام کے ایک خط میں خود ان کی اور ان کے حلقے کے چند شاعروں کی ستایش ان الفاظ میں کی ہے: "غزلوں کو برسوں سے پڑھ رہا ہوں اور وجد کر رہا ہوں۔ خوشامد میرا شیوہ نہیں.. مولانا قلق نے متقدمین یعنی.. خسرو و سعدی و جامی کی روش کو سرحد کمال کو پہنچایا ہے.. اور مولانا شفق اور مولانا ہاشمی اور مولانا عسکری متاخرین یعنی صائب و کلیم و قدسی کے انداز کو آسمان پر لے گئے ہیں۔ اگر تکلف اور تملق سے کہتا ہوں تو ایمان نصیب نہ ہو" خطوط ص۱۵۲

غالب کو کبھی کبھی ہندیوں کے کلام پر ایرانی اساتذہ کے کلام کا دھوکا بھی ہو جاتا ہے، چناں چہ اشعار ذیل کو جو ایک نہایت غیر معروف ہندی شاعر کے ہیں، غالب قدسی کی ملک سمجھ کر اقرار کرتے ہیں کہ مجھ سے ان کا جواب نہیں ہو سکتا۔ (تفاصیل معاصر ا ص۱):

'دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار — گل چین بہار تو زداماں گلہ دارد'

'در بزمِ وصالِ تو بہ ہنگامِ تماشا　　نظّارہ ز جنبیدنِ مژگاں گلہ دارد'

مکیں کی رباعی ذیل (دیوان م ۵۳ھ) کی نسبت غالب نے لکھا ہے 'کیا اچھی رباعی ہے کسی کی' (مثل ص ۲۹۰ مومن بجائے زاہد)۔ عجب نہیں وہ کسی ایرانی کو اس کا مصنّف سمجھتے ہوں:

'زاہد بخیالِ خویشتن مستم داند　　کافر بگماں خدا پرستم داند
مردم ز غلط فہمی مردم مردم　　اے کاش کسے ہر آنچہ ہستم داند'

غالب ہندی نثرنگاروں میں ظاہراً خسرو کو ایک صاحبِ طرز انشا پرداز سمجھتے ہیں۔ حالی نے کسی نامعلوم الاسم شخص کا قول نقل کیا ہے کہ غالب کی نثر ابوالفضل و بیدل کی نثر سے متاثر ہے۔ خود غالب نے بیدل کی نثر کے بارے میں کوئی رائے ظاہر نہیں کی، ابوالفضل کی نثر سے متعلق ان کا خیال اس مثنوی سے معلوم ہو سکتا ہے جو انھوں نے آئینِ اکبری مرتبہ سید احمد خاں کی تقریظ کے طور پر لکھی تھی۔ نجف علی خاں کی فارسی دانی کے تو وہ معترف ہی ہیں، 'تقریظ سفر نگ دساتیر' میں انھوں نے ان کے 'حسنِ عبارت' کی بھی تعریف کی ہے (مآثر ص ۱)۔ نواب کلبِ علی خاں کی ایک نثر کی مدح میں بھی وہ رطب اللسان ہیں اور صریحاً اسے طاہر وحید و جلالا کی نثر پر ترجیح دیتے ہیں:

'واقعی افتتاحِ کلام بہ طرزِ طاہر وحید اور پھر نگارشِ مطالب بہ شیوۂ جلالا۔ ہے، لیکن دونوں صورتوں میں دیباچۂ اعجازِ خسروی کا رنگ جلوہ گر ہے، پس ناقدِ بصیر کے نزدیک یہ نگارش طاہر وحید اور جلالا کی عبارت سے بہتر ہے' (مکاتیب ص ۵)

غالب نے مختلف اوقات میں ہندیوں کی فارسی نظم و نثر کے بارے میں جو رائیں ظاہر کی ہیں، انھیں دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ غالب کے نزدیک 'شعر گوئی' یا نثر نگاری کا کمال وہبی یا اکتسابی نہیں، 'خود غالب کا عطیہ ہے' جو واپس بھی لیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ ہندوستانی غالب کی نظر میں جس قدر ذلیل ہیں، ایرانیوں کی نظر میں نہیں، اس کے ثبوت میں عہدِ حاضر کے دو ایرانی ادیبوں کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں:

"ہندوستاں نسبت بزبان فارسی دوست وفادار بشمار است، چنانچہ مصر ہم بزبان عرب چنیں بودہ وہست۔ ملت مصر بزبان وادبیات عرب بہ نہایت خدمت کردہ و . . دنیای کنونی عظمت زبان و بیان . . . عرب را فقط از زبان مصری شنود؛ ہم چنیں ہندوستاں نسبت زبان پارسی از بذل و جہد و یاری حق گذاری . . کوتاہی نکردہ . . شعرای پارسی زبان ہندوستاں در ہیچ چیز کمتر از شعرای عربی سرای مصر نیستند، بل کہ در رقت و دقت فکر و حسن ترکیب بمراتب از آناں بالاتر و والاتر اند" وحید دستگردی مخ ۵ ۲۲۳

"درمیان ایں گویندگاں سخن سرایان بسیار توانا بودہ اند کہ یا ہمہ دیا قسمت عمدۂ از زندگی خود را دراں سرزمیں (برصغیر ہند و پاکستان) گذراندہ اند کسانی مانند مسعود سعد سلمان و ابوالفرج رونی و ضیای نخشبی و خسرو دہلوی و حسن دہلوی و عرفی و فیضی و نظیری و ظہوری و طالب آملی و کلیم و صائب و قدسی و سرمد و غنی و ناصر علی سرہندی و نعمت خان عالی و طغرا و بیدل و واقف و حزیں و غالب و شبلی و آرزو و آزاد بلگرامی و علامہ محمد اقبال درمیان آنہا فرادانند" سعید نفیسی[۶۵] مجموعہ بہ اسم ص۲

۵ فارسی زبان

اس فصل سے ناظرین کو یہ فیصلہ کرنے میں مدد ملے گی کہ غالب، کی فارسی دانی کس پائے کی ہے۔ اس سے ان کی طرز استدلال، طریقۂ ترتیب مطالب وغیرہ کا بھی اندازہ ہو سکے گا۔

(۱) غالب عود ص۵۸ میں رقم طراز ہیں: "صائب اگرچہ اصفہانی نژاد تھا، مگر وارد شاہ جہان آباد تھا، انتقام کشیدن و انتقام گرفتن دونوں بول گیا: یہ واضح نہیں کہ غالب ان دونوں میں سے کسے ہندی روزمرہ کا ترجمہ سمجھتے تھے، مگر اس بنا پر کہ مقدم الذکر کے اسناد موخر الذکر کے مقابلہ میں بہت زیادہ ملتے ہیں یقین ہے کہ وہ انتقام گرفتن ہی کو اصیل فارسی نہ قرار دیتے ہوں، لیکن انتقام کی فارسی زود نی، بستی، بیہقی کنز و صراح میں کینہ ہے اور کشیدن و گرفتن دونوں کے

ساتھ مستعمل ہے: "بادشمنان ما کینہ گرفتی" بلعمی ص۱۴۴، "فرود برادر علاتی کیخسرو کی مارے جانے کے بعد رستم طوس کی سفارش کرتا ہے:" "از د شاہ را کیں نباید گرفت" (ش ا ص۲۳۱)
انتقام ستاندن، کردن، نمودن کے ساتھ بھی آیا ہے، اس لیے گرفتن کے ساتھ مستعمل ہو تو جائے حیرت نہیں: "انتقام... از و بگیرد" تاریخ ابو الخیر خانی نسخہ قدیم م۲۳ (مصنفہ ماۃ دہم)، "انتقام راہ را می باید از صحرا گرفت" دیوان فرج شوشتری م۴۰، "پر انتقامہا از فلک نتوان گرفت" اسیر م۱۷۹، "انتقام ترا د ارغش را میگیرم" رموز م۱۶، "کی تواں از خود گرفتن انتقام خویش را" علوی ۹۵، "رہم چشماں گرفتم انتقام سینہ صافیہا" ۹۴، "تو انتقام ز گر سیوز شراب بگیر" ظہیر اصفہانی م۲۷۹، "باور مکن کہ گیرم ازاں انتقام خویش" ص۲۹۱، "کہ گیرد انتقام دیگر از روزگار از من" عالی ص۱۹۴، "انتقام گرفتی" فرشتہ ا ص۱۳۰، اشعار طاہر وحید و مفید بلخی (بہار ا ص۹۳)، "قہر تو روز و شب زعد و انتقام گیرد" قاآنی ص۵۸، "خنجر خونریز او پیوستہ گیرد انتقام" د۲۴۴، ص۲۴۲، ہما ص۱۳۰، "انتقام خون پاک ارمغاں خواہم گرفت" وحید مغ ۴ ص۱۸۰،
"عمرو برو انتقام کند" زین ص۲۸، طبقات ناصری ص۵۸ +، گزیدہ ص۱۹، انتقام بستاتم، بناکتی ۳۲۲، تذکرۃ الواقعات جوہر آفتابچی م۱۷، فرشتہ ۲ ص۲۷۲
انتقام نماید، طبر ص۲۴۰۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ خود غالب نے "از خضر انتقام سکندر گرفتہ ایم" لکھا ہے (کلیات ص۲۰۳)

(۲) غالب نے ک ن ص۳۲ میں لکھا ہے کہ "این (فرستادن) را مضارع فریسد نیز گویند، لاجرم فاعل فریسندہ و امر نیز فریس خواہد بود، لیکن الاول (یعنی فرستد) افصح"۔ اعتراض ہوا تو جواب دیا کہ نظم و نثر میں بہ رعایت قافیہ آئے تو کچھ ایسی قباحت نہیں (تیغ ص۱)، ک ن میں رعایت قافیہ کا ذکر نہیں، یہ نکتہ، بعد الوقوع ہے، تا آنکہ ایک خط میں انھوں نے فریسید بدون رعایت قافیہ

بھی استعمال کیا ہے (ص۱۸۱)۔ یہ مضارع ہندی فارسی میں بہت ملتا ہے، اور اس کی قدیم ترین مثال بہ شرطیکہ یہ تصرف کاتب نہ ہو، برنی کے یہاں ہے: 'در سامانہ فرلیسند' ص۱۹۵ اس کے بعد عہد عالم گیری کے ہندو شاعر، بیدل کی منظوم رامائن (معاصر ۲ ص۱۰۳) اور حمیدالدین خاں نیمچہ، عالم گیری کے احکامات عالم گیری مرتبہ سرکار (احکام ۵) میں آیا ہے اور اس دور کے بعد اس کا استعمال عام ہو گیا ہے، لیکن ہندوستانیوں نے اسے غلط بھی قرار دیا ہے (غیاث ص۵۰۵ دستور فارسی از تصدق حسین، خلاق م ۹۹)۔ ایرانیوں کی نظم و نثر میں میری نظر سے نہیں گزرا۔ وحید دستگردی نے چار سو برس قبل کے لکھے ہوئے ایک مجموعے میں جس کے بارے میں انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ کس ملک کا ہے، فرلیسند دیکھا تھا اور اس کے متعلق یہ رائے ظاہر کی تھی کہ فرستند کی جگہ فرلیسند بہت مستبعد ہے... مغ ۵ ص۳

(۳) غالب کی رائے میں خمیازہ صرف انگڑائی کو کہتے ہیں، جماہی کو نہیں دک ص۲۹، مگر دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ فرہنگوں میں جو اسناد ہیں، ان سے قطع نظر، اشعار ذیل سے غالب کے دعوے کی تردید ہوتی ہے:

'اشتیاق بادہ چنداں شد کہ ہنگام صبوح — غنچہ سیراب نتواند لب از خمیازہ بست'
فغانی ص۸۴

'داد بہ آوازہ شراب نوید — بست بہ خمیازہ دہان امید' عرفی ص۲۲۷

'دماغم رابجامی تازہ گرداں — لبم را دشمن خمیازہ گرداں' عرفی ص۱۵۱

(۴) تفتہ غالب کے عزیز شاگردوں میں تھے، اور وہ ان کی تربیت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے تھے۔ ایک خط میں انھیں لکھتے ہیں "یہ نکات سوائے تمھارے کسی اور کو میں نہیں بتاتا" خطوط ص۲۲۔ ظاہرا تفتہ نے 'سم درکشیدہ ایم' نظم کیا تھا، اور غالب کے اعتراض پر انھوں نے شرف قزوینی کا مصرع "پیمانہ ہای زہر ستم درکشیدہ ایم" سند میں پیش کیا تھا۔ غالب اس سے مطمئن نہ ہوئے، اور انھوں نے تفتہ کو لکھا:

"درکشیدن کو ربط پیمانے کے ساتھ ہے یا زہر کے ساتھ؟ اگر زہر درکشیدن جائز ہوتا تو وہ سم کے قافیے کو کیوں چھوڑتا؟.. کیا زہر پانی ہے؟ اگر بہ مثل زہراب ہوتا تو روا تھا۔ شرف زہر کجا درکشید، بل کہ پیمانہ، زہر درکشید.. خیر، رہنے دو۔ ہند میں اس کو کون سمجھے گا؟ چاہو یوں کردو:

'دانی ول و من آنچہ بہم درکشیدہ ایم — در یک نفس دو ساغر سم درکشیدہ ایم"

خطوط ص ۹۰

غالب کسی ہندوستانی فارسی داں کی غلطی پکڑتے ہیں، تو دشنام طرازی سے بھی دریغ نہیں کرتے، لیکن، اس گمان میں کہ ہندوستان میں کوئی گرفت نہ کر سکے گا، تفتہ کو زہر (یا سم) کے ساتھ درکشیدن کے استعمال کی اجازت دے دیتے ہیں، حال آں کہ یہ ان کے نزدیک غلط ہے۔ طرہ یہ کہ جس طرح غالب کی یہ روش ٹھیک نہیں، ان کا یہ خیال بھی کہ درکشیدن زہر (یا سم) کے ساتھ نہیں آسکتا، صحیح نہیں:

'ہر خوں کہ تو دادی چو می ناب کشیدیم — زہر تو بصد رغبت جلاب کشیدیم'

وحشی ص ۶۵

'وحشی نہ پسندید بہ پیمانہ، دشمن — ایں زہر کہ ما از کفِ احباب کشیدیم'

ص ۶۵

'دلست شاد کہ زہر غمی بکام کشید — فشردہ پای و دستی ز شہد کام کشید'

ظہوری ص ۲۷۱

'یا بہل ایں غمکدہ، عشوہ سنج — یا بکش ایں زہر وز تلخی مرنج'

عرفی ص ۲۵۳

'ہر زہر کہ در غمکدہ کردند مہیا — مستانہ و مردانہ گرفتیم و کشیدیم'

مختفی ص ۹۸

شعر ۲ کے مصرع ا میں کلیات وحشی کے ایک نسخے (م ۲۴۶ ص ۶۴) میں پسندید کی جگہ پسندند بھی آیا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ کشیدن اور درکشیدن میں فرق ہو یا نہ ہو،

مسئلۂ زیرِ بحث پر اس کا اثر نہیں پڑتا۔

(۵) ابطال میں سعدی کا مصرع "شتر کرّہ با مادرِ خویش گفت"، مخفف کی جگہ مشدد لانے کی مثال میں پیش کیا گیا ہے۔ غالب (دک ص۱۴۵) نے اس پر تین اعتراض ہیں: پہلا یہ کہ سعدی نے کرّہ نہیں، "بچّہ" لکھا ہے۔ میں نے بوستاں کے کل نسخوں میں جو میری نظر سے گزرے ہیں، "بچّہ" ہی دیکھا ہے، لیکن، بہار تحریف کرنے والا آدمی نہیں، اسے کسی جگہ اسی طرح ملا ہوگا جس طرح ابطال میں ہے۔ دوسرا یہ کہ کرّہ اصلاً بہ تشدید ہے، اس لیے اگر سعدی کے یہاں ہو بھی تو، مخفف کی جگہ مشدد کے استعمال کی مثال نہیں۔ اپنے اعتراض کی تائید میں غالب نے یہ حکایت بھی لکھی ہے:

"ابوالفضل در سرگذشت ہمایوں مینویسد کہ چوں . . بہ تبریز رسید . . بگمان آنکہ تبریز آبادانی قدیمست، کرۂ یک دو کرہ ساختۂ حکما . . دست بہم دہد، بیگی از نزدیکان فرماں داد کہ بہ بازار رود و کرۂ چند از بہر مشاہدہ آرد۔ فرماں پذیرفت و اسپاں یکسالہ و دو سالہ با خویش آورد۔ فرماں روا بخندید و گفت من اصطرلاب خواستم تو ستور آوردی"

کرہ بہ معنی شئ مدور لفظ عربی غیر مشدد ہے اور فارسی میں بھی اسی طرح رائج ہے، گو اس کا امکان ہے، کہ نظم میں ضرورۃً مشدد بھی آیا ہو۔ حکایت زیر بحث جیسا کہ احمد نے لکھا ہے (مؤید ص۴۴۳) کسی طرح غالب کے مفید مطلب نہیں، غالب نے تیغ میں یہ دکھانے کی کوشش بھی نہیں کی کہ کرہ کی تشدید کو ثابت کرنے میں کس طرح اس سے مدد مل سکتی ہے۔ اس سلسلے میں سبک اکی عبارت ذیل توجہ طلب ہے:

"تشدید در . . فارسی نہادی نیست۔ در لغات قدیم فارسی حروف مشدد بسیار محدود است، و آنکہ ہست نیز غالباً بہ تخفیف تلفظ میشود، چوں، برہ، کرہ، درہ، ارہ کہ ہمہ، اینہا را بہ تخفیف در اشعار قدما می یابیم و خود ما ہم غالب آنہا را

مخفف میگوئیم وحشیؔ لغات عربی راہم کہ تشدید دارد بہ تخفیف در اشعار ذکر می کنیم، صد ۱۸۵
'جہاں تک قدیم شعرا کا تعلق ہے' رہی نہیں اور حروف[۶۷] بھی مشدد ملتے ہیں اور رہ تو متاخرین تک کے یہاں مشدد پائی جاتی ہے۔ عربی مشدد الفاظ اگر فارسی میں مخفف آتے ہیں تو مخفف تشدید کے ساتھ بھی منظوم ہوتے ہیں، مثلاً لفظ عمَر جو عربی میں بہ تخفیف م ہے فارسی کے متعدد شاعروں کے یہاں[۶۸] مشدد ملتا ہے۔

کرہ شس ا میں کم از کم تین جگہ آیا ہے: ص ۱۲۹، ص ۱۳۰، ص ۱۸۵ اور ہر جگہ مشدد ہے۔ میں یقین کامل کے ساتھ تو اس وقت نہیں کہہ سکتا، لیکن میرا خیال ہے کہ فردوسی نے ایک جگہ بھی بہ تخفیف استعمال نہیں کیا۔ تخفیف کی مثالیں یہ ہیں: 'کرہٗ توسن چرخ بدرام' اثیرا و مانی ص ۵، 'ندیدہ کرہ پس از مادہ گاو خرکرہ بود' مختاری ص ۱۴۲، 'استر بمیراز (کذا) کرہ چوں مادیان کشد' (خسرو، بہار ۲ ص ۲۹۷)۔ میرے نزدیک کرہ کی دو صحیح شکلیں ہیں ایک بہ تشدید' دوسری بہ تخفیف۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ شتر کرہ غلط ہے' کرہ صرف اسپ و خر کے لیے مخصوص ہے۔ یہ اعتراض صحیح نہیں۔ شتر کرہ صراح میں کئی جگہ ہے جلد ا ص ۵۹، جلد ۲ ص ۳۵۔ رموز میں ہے: 'چند کرہ' (کذا) شتر را سیخ کشیدہ، ص ۱۰۱، شفائی کا مصرع ذیل بہار ۲ ص ۲۹۶ میں ہے: 'ہزار کرہ شتر گر چرا کنند دراں'

(۶) غالب فارسی میں وجود الف نفی کے قائل ہیں، جس کی مثالیں ان کے نزدیک اویژہ، اجتباں، اخواستی، اجفنت دک ص ۳۷ اور امیر ص ۱۴۹ ہیں۔ اویژہ کے جو معانی برہان میں درج ہیں ان میں پاک بھی ہے' غالب کہتے ہیں کہ یہ ایسا ہے کہ بول سے گلاب مرادلیں ص ۳۶۔ ان کی رائے میں ویژہ پاک اور اویژہ ناپاک ہے۔ اسے لوگوں نے قبول نہیں کیا' تو انھوں نے ایک پیمبرانہ شان سے اشاعت ۲ میں یہ اضافہ کیا:

"یاراں .. اگر تعصب ورزند بلا تشبیہ گویند پذیرفتن قول .. برہان ..

بہ پرستیدن گوسالہ و انکار من بمنع ہارون ازآں کردار ماند و آزردن قوم از من ہمسان معاملہ بنی اسرائیل است با ہارون" صد ۳۷

حقیقت یہ ہے کہ اویژک (سبک ا میں اس کی اور شکلیں بھی ہیں لیکن الف اور کاف سب میں ہیں)، پہلوی میں بہ معنی پاک ہے اور الف جزو کلمہ ہے؛ فارسی میں افسوس و فسوس کی طرح اس کی دو شکلیں ہیں: اوشیرہ و وشیرہ۔ اوشیرہ صرف دساتیر (اویژگی صد ۹۶) میں بہ معنی ناپاک آیا ہے، فارسی میں نہیں اور اس کا اقرار خود ملّا فیروز کو فرہنگ دساتیر میں ہے۔ اویژہ خواہ کسی معنی میں ہو کسی مسلمان کی نظم و نثر میں میری نظر سے نہیں گزرا، زردشتیوں کے یہاں بہ معنی پاک ملتا ہے۔ اسناد پہلوی "دین اوشیرک، ایاتکار زریراں سبک ا صد ۳۰۴" "اپٹرک بہ گوہر، (برای زردشت) اندر آئین نامہ نویسی سبک ا صد ۱۱۹۔ اسناد فارسی: مردم چون پاک و اویژہ بود، جاماسپی باب ۴ +" درود ایزد تعالیٰ بروان اویژہ زرا تشتا، صد در صد ۲

اشو ہست ایزد بخشندہ داور خدای دادگر دارای خاور پژدود ۲
ہماوند اور مزدا بیش و زیدار اوشیرہ پاسبان دام و بیدار،

اجنباں، اخواستی، اجفت دساتیری الفاظ ہیں۔ امیر = نامیر ۶۹ ندہ کی نسبت صاحب محرق نے لکھا تھا کہ کہیں اور نہیں ملا" (اور میرا حال بھی یہی ہے) لیکن اس کے باوجود غالب نے یہ بتانے کی زحمت گوارا نہ کی کہ انھوں نے اسے کہاں دیکھا تھا۔

الف نفی ایران کی پرانی زبانوں میں ہے، مثلاً اضافہ، الف نفی سے پہلوی ہو (خوب) اہو (ناخوب)، ہو جاتا ہے اور داناکیہ (دانائی) اداناکیہ (نادانی)۔ اس طرح کا الف فارسی میں مطلق نہیں، الف نفی اگر دو چار لفظوں میں ہے تو اسقاط الف کے بعد یا تو جو کچھ رہ جاتا ہے وہ کچھ معنی نہیں رکھتا، یا وہی معنی رہتے ہیں جو پہلے تھے، مثلاً آہو فارسی میں بہ معنی عیب ہے، الف جو برای نفی ہے گرا دیا جائے تو

ہو رہ جاتا ہے، جو پہلوی میں معنی دار مگر فارسی میں بے معنی ہے۔ امرداد میں الف نفی ہے لیکن اس میں اور مرداد میں کچھ فرق نہیں۔

(۷) انبوذن بہ معنی 'اصل کائنات و آفرینش' برہان میں ہے، غالب کی قطعی رائے ہے کہ ان معانی میں فارسی نہیں، اور اس کے عربی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں وہ کچھ کہنے سے قاصر ہیں دک ص۲۴۔ ف ا میں انبوذن بہ معنی انبوشش اور سند میں رودکی کا یہ شعر ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ مصدر فارسی ہے:

'بود تت در خاک باشد یافتی — ہم چناں کز خاک بود انبوذنت' ص۱۰۴

(۸) غالب کے نزدیک الفختن کی ف مضموم ہے دک ص۲۳، مگر یہ ان کا وہم محض ہے۔ ف ا میں رودکی کے اشعار ذیل فتحہ فا پر مشعر ہیں:

'باخردمندی و فا بود این بخت — خویشتن خویش را بکوش تو یک لخت
بخورد بدہ کہ بر پشیماں نبود — ہر کہ بخورد و بداد از آنک بیافخت'

س۱۲

معیار کا یہ مصرع بھی فتحہ کو ثابت کرتا ہے: 'بعدل و داد تمام نیک الفخت' قوافی لخت وغیرہ ص۱۴۱

(۹) غالب نے الفختن کا مضارع الفنجد (بہ نون و جیم) اور مصدر مضارعی الفنجیدن لکھا ہے ک ن ص۲۸۔ احمد کا اعتراض ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہے۔ غالب کو چاہیے تھا کہ یا تو اس کی سند دیتے یا اپنی غلطی کا اقرار کرتے، لیکن انھوں نے ان دونوں میں سے ایک بھی نہیں کیا۔

(۱۰) "سختن بسنجد۔۔ مصدر مضارعی سنجیدن" ک ن ص۱۳ اس پر بھی احمد کا اعتراض ہے اور غالب نے جواب میں سکوت اختیار کیا ہے۔

(۱۱) غالب کو آگنیدن و آگنیدہ کے وجود کے متعلق شبہہ ہے اور دک ص۲۲ کی عبارت "بشرط آنکہ در کلام اساتذہ آمدہ باشد" سے ظاہر ہے کہ یہ مصدر یا اس کا اسم مفعول ان کی نظر سے نہیں گزرا۔ اسناد:

’آگنیدہ خم سفال درونہفت صـ۷۲، درزمیں آگنیدہ است زیم‘ صـ۲

’آں سینہ کہ جای شوق باشد   آنرا تو بناں ور آگنیدہ‘ اوحدی صـ۱۹

’چوں تواں آگنیدنش درکنج جام صـ۱۷۲ گنجینۂ آگنیدۂ ما‘ وحید دستگردی منخ ۱۲ صـ۳

(۱۲) غالب نے ”اشباع وہند“ لکھا ہے دک صـ۱۲۳ ÷ ٭ ۔ وادن کی سند میری نظر سے نہیں گزری۔ کردن کے ساتھ سلسلہ صـ۳ ’چوں شد اشباع کردہ فتحۂ لام‘ ساوجی صـ۲۶ ’اشباع تمام نکردہ باشند‘ اور عطار، اللہ صـ۳۹ ’اشباع کردہ باشند‘

(۱۳) برہان میں ’دب بہ معنی نگاہ داشتن‘ آیا ہے، غالب نے دریافت کیا ہے کہ یہ کس کی زبان ہے۔ دک صـ۲۰، رومی کا شعر ذیل جہاں میں ہے اور اسے احمد نے بھی مؤید میں نقل کیا ہے صـ۲۶۰:

’مکر زن پایاں ندارد وقت شب   قاضی زیرک پے زن بہر دب‘

(۱۴) دیباچۂ برہان میں ہے ’دیدۂ عیب سازرا سرمۂ پردہ پوشی کشند‘ صـ۱۔ غالب کی رائے میں عیب ساز غلط ہے، عیب بیں چاہیے، شیفتہ کا فتوی جس کی حالی وغیرہ نے تائید کی ہے یہ ہے کہ ’عیب ساز غلط محض اور جو آنکھ کو عیب ساز کہے وہ احمق بلکہ اندھا‘ (تیغ صـ۳، آثار صـ۲)۔ عیب ساز فردوسی کے ’بد ساز‘ کی طرح ہے: ’ورا مردم شوم و بد ساز خواں‘، ش ۴ صـ۱۸۴۲۔ دیدۂ عیب ساز کی ترکیب ظاہرا نظامی کے شعر ذیل کو دیکھ کر بنائی گئی ہے اور برہان سے پہلے نظامی پر اعتراض کرنا چاہیے:

’دیدہ زعیب دگراں کن فراز   صورت خود بین و در و عیب ساز‘ مخزن صـ۱۴۴

(۱۵) آبگاہ بہ معنی آبگیر برہان میں ہے۔ غالب آتش گاہ وغیرہ کے قیاس پر اسے ماننے کو تیار نہیں، طالب سند ہیں دک صـ۱۱۔ کلیم کا شعر ذیل ۲۱۴ م اور م ۲۲۷۶ میں ہے:

’ساحل دریای جودت از وفور تشنگاں   پایمال آرزو چوں آبگاہ لشکر است‘ صـ۹

’گاہ در مرغزار مدح آئی   گاہ در آبگاہ قفار شوی‘ مسعود

(۱۶) غالب نے سپہبد کو بہ ضمۂ با لکھا ہے (حاشیۂ دستنبو؛ مکاتیب ص۲۴۳)
یہ لفظ سپہبد = سپاہ اور لاحقۂ بد سے جو موبد، کہبد، ہیربد وغیرہ میں ہے، مرکب ہے۔ بہ پہلوی میں پت بالفتح ہے، اور اس کی کوئی قابلِ قبول سند، میری علم میں نہیں کہ حرکت حرف اول فارسی میں مضموم ہوگئی ہو۔ اساتذہ فتحۂ با: سپہبد، قافیۂ موبد، فخر ص۱۵۱، سپہبد، قافیۂ بد، شہریار ص۱۲۷+،

کہ پیکار گرشاں سپہبد شد است — بر زم اندروں دست شاں بد شد است؛
شش ۲ ص۴

گر او چوں زریر سپہبد بود — مرا زیستن زاں سپس بد بود؛ شش۲ ص۵۰
چو خورشید بر تیغ گنبد شود — در خواب رای سپہبد شود؛ شش خ ۹۲
پس پشت طوس سپہبد بود — گہ کینہ بر خاش او بد بود؛ ۱۰۴
بر وئیں دژت بر سپہبد کنم — مباداکہ ہرگز بتو بد کنم؛ ۲۴۹
کز آں بوم خیزد سپہبد چو تو — فزوں آفرینا دایزد چو تو؛ ۴۱۷
اگر پیش ازیں او سپہبد بدست — زکاؤس شاہ اختر بد بدست؛ ۱۱۲
کہ تیزی نہ کار سپہبد بود — سپہبد کہ تیزی کند بد بود؛ ۱۰۸

(۱۷) برہان میں دشتاں (زن حائض) بالفتح ہے۔ غالب کا قول ہے کہ خبر ندارد کہ دشتاں بدال مضموم است مرکب از دشت بہ ضمۂ دال بمعنی زشت و نجس و الف و نون حالیہ؛ دک ص۱۷۔ دشت بہ معنی نجس محتاج سند ہے، اس سے قطع نظر دشتاں مفتوح الدال ہے اور یہ اوستائی دخشت (بالفتح) سے نکلا ہے۔

(۱۸) برہان میں سرپرست بہ معنی خادم ہے۔ غالب کہتے ہیں: بمعنی خادم... در ہیچ نظم و نثر از نظر ما نگذشتہ، ہر آئینہ سند میخواہیم۔ دک ص۴۹۔ فردوسی داستان ہفتواد و کرم میں جس موقع پر اردشیر داخل قلعہ ہوتا ہے اور خادمانِ کرم کے لیے صندوق سے شراب نکالتا ہے کہتا ہے:

ہر آں کس کہ زی کرم بردی خورش — زشیر و برنج آنچ بد پرورش شش۳ ص۱۶۴

بہ پیچید گردن ز جام نبید   کہ نوبت بدش جای مستی ندید
چو بنشست برپای جسنِ اردشیر   کہ با من فراواں بخیست و شیر
بدستوری سرپرستاں سہ روز   مرا او را بخوردن منم دلفروز
مگر من شوم درجہاں شہرہٗ   مرا باشد از اخترِ شمس بہرہٗ
شماں گسارید خرم سہ روز   چہارم چو خورشید گیتی فروز۔

صـ۱٦۳ میں "پرستندۂ کرم بدشصت مرد" آچکا ہے، شعر ۴ میں صریحاً خدام کرم کی طرف اشارہ ہے۔ نظامی کے اشعار ذیل میں سرپرستی بہ مقابلہ سروری آیا ہے:

مگر دلی دارم از رسن بستہ   نکنم زیر بارِ کس خستہ   ہفت صـ۱٧
منکہ قانع شدم بہ دانۂ خویش   سر نہم چوں صدف بخانۂ خویش
سروری بہ کہ یارِ من باشد   سرپرستی چہ کارِ من باشد۔
شیر ازاں پایہ سربزرگی یافت   کہ سر از طوقِ سرپرستی تافت
نانِ از خوانِ خود دہی بکساں   بہ کہ حلوا خوری ز نانِ کساں؛
گر قطب شمالی ہمہ جائی گردد   در طوفِ کلاہِ تو ہوائی گردد
زینسانکہ بہ سرپرستیش اوج گرفت   جا دارد اگر فلک رجائی گردد،   صـ۲۵۴

یہ رُباعی مصطلحات میں طغرا کی طرف منسوب ہے، لیکن طغرا کے حصۂ نظم میں نہیں ہے۔

(۱۹) غالب کہتے ہیں کہ آبستن اور آبستنی صحیح ہیں، لیکن، آبست کوئی لفظ نہیں خطوط صـ۱۸۱، مگر یہ مستند اساتذہ کے یہاں ملتا ہے: "ہیچ شک نیست کہ آبست زخورشید و مہ اند"، منوچہری ک؛ "حاملہ چوں مریم آبست نیست"، رومی صـ۱۹٦، "ہزار آل دردزہ آرد زعشق یوسف آبستے"، صـ۸۲۔ فرہنگوں میں بھی اسناد ہیں جو میں نے نقل نہیں کیے۔

(۲۰) "اینکہ سعدی در بوستان میفرماید "شتر بچہ با مادر خویش گفت، پس از رفتن آخر زمانے بخفت"، از اینجا گمان کردہ می شود کہ اگر مضارع خفتن خواہد بود کہ شیخ امر آنرا

بخفت استعمال کردہ۔ سخن اینست کہ این از بہر ضرورت قافیۂ شعر است ورنہ ماضی وامر بیک صورت نمیتواند بود" ک ن ص۲۹۔ بوستان میں بخفت بہ طور امر اور بھی آیا ہے اور مخفت نہی بھی اس میں موجود ہے:

'نگہہ کردہ شوریدہ از خواب و گفت — مرا فتنہ خوانی و گوئی مخفت' ص۱۸
'شنید این سخن دزد مغلول و گفت — تو باری زغم چند نالی بخفت' ص۱۰۵
'کہ ای زندہ چون ہست امکان گفت — لب از ذکر چون مردہ بر ہم مخفت' ص۱۱۱

شعر میں ضرورۃً کیا روا ہے اور کیا نہیں، اس کا کوئی صحیح تصور غالب کے ذہن میں نہیں۔ اگر سعدی نے ماضی سے امر کا کام لیا ہے تو ان کے یہاں اس کی اور مثالیں بھی ملنی چاہییں، مگر سعدی پر کیا موقوف ہے کوئی بھی ماضی کو امر یا نہی کی جگہ استعمال نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ خفتن کے علاوہ خفتیدن بھی ایک مصدر ہے سبک ایں ہے: "صیغہ ہای فعل خفتیدن و خفید و خفتد و خفتار و بخفت بصیغۂ امر حاضر۔۔ از میان رفتہ" ص۳۵۵۔ بخفت جسے غالب ماضی کہتے ہیں امر ہے، "خفتیدن ۲۴، و خفتیدہ، ۱۴۱۱ل اور کتابوں کے علاوہ سفر السعادت میں ہے — رومی کے یہاں خفتندہ بھی ہے ص۲۸۶ مگر اس طرح نہیں آیا کہ تصحیف خفتیدہ کا احتمال نہ ہو

(۲۱) غالب کو چیں چیں (تکرار چیں بہ یای معروف) پر اعتراض ہے دک ص۱۴۱۔ اسناد: سروری: (بحث بخش)، توسی کی فرہنگ: 'چیز یکہ از حرارت چیں چیں شدہ باشد' (احمد نے مؤید ص۱۴۶ میں سراج سے نقل کیا ہے)، کلیات واعظ قزوینی بہ خط مصنف: 'فتادہ زلف چیں چیں تا بپایش' (مؤید ص۱۴۸)۔ قاآنی: 'خم خم چیں چیں شکن شکن سر زلفش' ص۶، 'جعد چیں چیں فتادہ تا بمیان' ص۱۰۹، 'چیں چیں فتادہ گیسوش از فرق تا قدم' ص۱۱۱، وصالی مازندرانی: 'شوی گر خم اندر خم و گاہ چیں چیں' مجمع ۲ ص۵۶۱، سامانی پسر قاآنی: 'زلف پریشانش درہم چیں چیں پریشاں خم بخم' گنج ص۵۰۱ رموز: 'چشم با بابر بتیارہ افتاد کر پوست روی چیں چیں۔۔ بروی ہم افتادہ' ص۲۹۹، ص۱۳۱، ص۹۲۔

(۲۲) غالب نے قاطع کی اشاعت اول میں چیں کے ساتھ خم خم (بکسرِ اول بالفتح) پر بھی اعتراض کیا تھا، لیکن وہ الفاظ جن کا خم خم سے تعلق تھا، اشاعت ۲ سے غائب ہیں۔ خم خم کی دو سندیں (۲۱) میں ہیں، باقی درج ذیل ہیں: "چام چام درۂ یا راہیکہ خم خم بود" ف اصف ۵، "خم خم نہادہ سنبلش از زلف تا کمر" قاآنی ص۱۱۱؛ "زلف خم خم رسیدہ تا بکمر" ص۱۰۵

(۲۳) "ہندوستان کے باتونی لوگوں کو خم وچم بولتے سنا ہے۔ آج تک کسی لغت نظم ونثر فارسی میں.. نہیں دیکھا۔ لفظ بہار عجم کو بھی پسند مگر.. جو اپنے پیشواؤں سے نہ سنا ہو، اس کو کیونکر صحیح جانوں؟" معل ص۲۷۵۔ رشیدی میں چام کے تحت سامانی کے حوالے سے مرقوم ہے۔ عبارت ظاہرا سامانی کی ہے: "بواسطۂ حرکت دو۔ ی گویا چم وخم دارد" ذیل میں پہلے طغرا اور بعد از آں زمانۂ حال کے ایک ایرانی شاعر کا شعر درج ہے:

"اجلال تو اش دست بخدمت نشمارد — ہر چند فلک تازہ نماید خم وچم را" ص۳۰۱

"پنہاں کنیم با چم وخم عیب خویشتن را — چوں فرق کل ز زلف پریشان عاریہ" مغ ۱۲، ص۱۰۱

(۲۴) غالب نے ان ہندیوں کو جنھوں نے حزیں کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کیا، ان پر اعتراض کیے تھے، بڑی لے دے کی ہے اور رام پور کے ایک صاحب کو جنھوں نے عرفی پر گرفت کی تھی اور ظاہرا غالب سے عرفی کے بعض مستعملہ محاورات کی سند کے طالب تھے، اس بارے میں لکھا تھا:

"اگر شعرائے ہند کے کلام میں آیا ہوتا تو ہم اس کی سند اہلِ زبان کے کلام سے ڈھونڈتے، جب وہ خود عرفی نے لکھا ہے تو ہم اور سند کہاں سے لائیں؟ قواعد زبان کا ماخذ تو ان حضرات کا کلام ہے، جب ہم انھیں کے قول پر اعتراض کریں گے تو اس.. کے واسطے قاعدہ کہاں سے لائیں گے؟" (مکاتیب ص۱۱۱)

دوسرے الفاظ میں کیہ اگر کسی ایک مستند ایرانی کی سند بھی مل جائے تو کافی ہے، مگر نے پیر جس کے بارے میں انھیں غالباً صحیح یہ اطلاع ملی تھی کہ جلال اسیر کے کلام میں ہے،

ان کا رویہ جداگانہ ہے؛ تفتہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"لفظ بی پیر تورانی بچہ ہائے ہندی نژاد کا تراشا ہوا ہے، جب اشعار اردو میں اپنے شاگردوں کو باندھنے نہیں دیتا، تو تم کو شعر فارسی میں کیوں کر اجازت دوں گا؟.. اسیر.. کا کلام سند ہے، میری کیا مجال ہے کہ ان کے باندھے ہوئے لفظ کو غلط کہوں، لیکن.. بہت تعجب ہے کہ امیرزادۂ ایران ایسا لفظ لکھے" (معلی صفحہ ۲۷۴)

بی پیر فارسی کی کسی فرہنگ میں مجھے نہیں ملا، لیکن بہار کے حاشیے میں (صفحہ ۱۳۷) ایک شعر، جو جامع التمثیل میں بھی ہے، بہ طور ضرب المثل درج ہے:

بی پیر مرو تو در خرابات ہر چند سکندر زمانی ۳۶

نور اللغات میں مرقوم ہے کہ یہ لفظ فارسی میں گالی کی طرح مستعمل ہے اور مثال میں یہی شعر دیا ہے، لیکن اس میں یا بعض اور اشعار میں جو میں آگے نقل کروں گا، بی پیر بہ طور دشنام نہیں آیا۔ بی پیر مرو الخ میں شاعر کسی کو برا نہیں کہتا صرف یہ مشورہ دیتا ہے کہ کسی ہادی کے بغیر خرابات کا قصد نہیں کرنا چاہیے۔ یہ اس قسم کا مرکب ہے جیسے بی پدر اور بی یار ہیں، اور لفظ پیر ہادی یا مرشد کا مرادف ہے۔ اس قسم کے مرکب بنانے کا ہر شخص مجاز ہے خواہ وہ ہندی نژاد تورانی بچہ ہی کیوں نہ ہو اصطلاحی معنی میں بھی یہ لفظ سیکڑوں برس سے ایران میں مستعمل ہے:

"جہان خاقانیا تخصست بی پیر ددوست این شخص را امروز، فردا"
خاقانی صفحہ ۷۹۵

بدستت گر کند امروز جلوہ کند فردا بہ دیگر دست رسوا
"اگر بی پیر کاری پیش گیرد ہلاکت راز بہر خویش گیرد"
مرغوب القلوب صفحہ ۱۲۹

"نبردی رنج شاگردی استادی چہ میدانی مرید کیستی ای کودک بی پیر پیرت کو"
طالب صفحہ ۲۱

"با شراب کہنہ زاہد ترشروئی میکند کو جوانمردی کہ سازد کار این بی پیر را"
صائب

'تا بکے عیب شرابی بکنند ایں محتسب | اختلاط مادایں ز پیر بہ ہم میخورد'
صـ۴۴۵

'صحبت نوخط پرستان صاف زہر قاتلست | دشمن جان جوانانند ایں ز پیر ہا'
خالص صـ۶

'جہاں باب محمود ز پیر شد | فلک خم تیزاب شمشیر شد'
اشرف صـ۶۴

'بہر استیفای غارت داد بہ دزداں خرد | آں نخستیں پیر ز پیر کلاں شمشیر را'
وحید صـ۷۷

لفظ پیر بہ معنی مرشد حدیقہ میں آیا ہے: 'گفت پیرا بگو کہ ظالم کیست' صـ۳۰

(۲۵) برہان میں تومن کے بارے میں لکھا ہے 'قصبہ۔ کہ صد پارہ دہ در تحت آں باشد' غالب معترض ہیں کہ "'صد پارہ دہ' منش فرزانگا ترا بہم میزند' پارہ دہ' یعنی چہ؟" دک صـ۵۶۔ برہان میں صد پارہ دہ بہ معنی صد عدد دہ ہے اور اس کی صحت میں مطلق شک نہیں: 'چندیں پارہ دیہہ' المعجم صـ۱۱، 'ہشت پارہ کشتی' بلخی صـ۹۵، 'چہل پارہ شہر' نزہت صـ۴۷، 'سی پارہ دیہہ' صـ۴۱ +، 'پنجاہ پارہ کمر مرصع' غازانی صـ۱۸۵، 'صد پارہ دیہہ' ہفت اقلیم ۱ـ۳۱۰، 'چند پارہ دیہہ' بی بی صـ۱۰۲، 'سی پارہ قلعہ دیگر' صـ۱۴۱

(۲۶) غالب نے ملیدہ کو مالیدہ کا مخفف لکھا ہے دک صـ۴۶ یہ اردو میں ضرور مستعمل ہے، لیکن فارسی میں محتاج سند ہے۔ غالب مخففات قیاسی کو جائز نہیں رکھتے اس سلسلے میں انھوں نے اسا مخفف آسا کے بارے میں جو کچھ سپرد قلم کیا ہے، ملاحظہ ہو: 'اگر گویند اسا مخفف آسا خواہد بود، گویم مسموع نیست و ایں بداں ماند کہ گویند دوار مخفف دیوار است و دوانہ، مخفف دیوانہ' دک صـ۲۹

(۲۷) غالب کے نزدیک کودک تصغیر کود ہے اور کود بہ معنی طفل دک صـ۱۴۲ ان سے اس کی سند طلب کی گئی تھی، مگر وہ خاموش رہے۔ کود بہ معنی طفل میری نظر

سے نہیں گزرا، اور کودک کسی لفظ کی تصغیر ہوتا تو فارسی میں کودکک زبانوں پر نہ ہوتا: 'قامت سروی گرفت کودککی یک مہہ'، رومی ص ٧٦٢، 'کودککان'، فرہنگ شیرازی پسر وصال مجمع ۲ ص ٣٨٦، منوچہری ک۔ غالب نے ریدک کو بھی تصغیر رید (بہ معنی طفل) لکھا ہے، لیکن ریدک خود بہ معنی طفل ہے اور پہلوی میں کثیر الاستعمال رید بہ معنی طفل محتاج ثبوت ہے۔

(۲۸) آلفتہ کی نسبت جو کالفتہ کی ایک شکل ہے، غالب لکھتے ہیں: 'لفظیست مستور نہ در عبارات مسطور و نہ بر زبانہا مشہور'، دک ص ٢ اگر واقعی ایسا ہوتا تو اردو میں الفتا اس سے نہ پیدا ہوتا۔ آلفتہ معیار ص ١١٦ میں ہے: 'ز احداث فلک آلفتہ باشند' اور صاحب جامع نے بھی اسے ضبط کیا ہے۔ مصطلحات میں اس کی سند میں شانی کا یہ مصرع دیا ہے: 'من آلفتہ را تماشا کن'، مگر مرے مخطوطات دیوان شانی میں یہ مصرع نہیں ملا۔ فوقی کی ایک سند بہارا ص ٣٨ میں ہے، دو یہ ہیں: 'تو لی آلفتگاں را یار و مونس'، ص ٤٨، 'آلفتگی'، ص ٣٢٧۔ کلیات یغما میں یہ فقرۂ نثر ہے: 'وقتی آشفتہ رای آلفتہ ساماں دعوای خدائی کرد'، ص ٥۔ قاآنی کا شعر ہے:

'چہ شود گر شود ز رحمت تو — مستفیض این روان آلفتہ' ص ٣٧٤

(۲۹) "جناب مولانا (احمد) ۱۸ صفحے میں حکم دیتے ہیں کہ پیدائی و زیبائی صحیح، پیدایش و زیبایش غلط۔ اقول آخر حاصل بالمصدر بنانے کے لیے دو ہی حرف موضوع ہیں یا آخر میں شین یا تحتانی؛ موافق مولوی جی کے اجتہاد کے سینکڑوں (؟) لفظ متروک و مطرود ہو جائیں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ زیبایش و پیدایش و گنجایش کو زیبائی و پیدائی و گنجائی بھی کہہ سکتے ہیں، مگر آرایش و آسایش و کاہش و رنجش کے آگے تو ترکیب شین کی جگہ یای حطی نہیں لا سکتے اور یہ مقدمہ نہ دلائل کا محتاج ہے نہ نظائر کا حاجت مند،" تیغ ص ٨۔ شیفتہ وغیرہ نے بھی پیدایش و زیبایش کو صحیح کہا ہے (ص ٣٠)۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ احمد نے مؤید میں ہرگز یہ نہیں کہا کہ حاصل مصدر صرف دو طرح بنتے ہیں، اور نہ پیدایش و زیبایش کے صحیح ہونے یا نہ ہونے پر

اس کا کچھ اثر پڑتا ہے۔ دوسری یہ کہ پیدایشس کسی طرح حاصل مصدر نہیں کہا جاسکتا،
اس کے لیے ضروری ہے کہ پیدائیدن مصدر ہو اور یہ موجود نہیں۔ پیدائی، پیدا سے
ٹھیک اسی طرح پیدا ہوا ہے، جیسے رعنا سے رعنائی، اس کی ہستی پیدایشس کے
وجود کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ غالب پیدایش کی سند ایرانیوں کی نظم و نثر سے نہ دے
سکے، اور انھوں نے اپنے دعوے کی تصدیق شیفتہ وغیرہ سے کرائی، یہ صریحاً اعترافِ
شکست ہے۔ وہ اصحاب جو خود غالب کو نہیں مانتے، شیفتہ وغیرہ کی فارسی دانی
کے کب قائل ہو سکتے ہیں۔ اس سے قطع نظر، پیدایش ت د میں ملتا ہے: پیدایشش
راکنار نباشد، ص۱۳۵، مگر یہ یا تو بہ تقلیدِ ابوالفضل استعمال ہوا ہے، یا اختراعات
صاحب دساتیر سے ہے۔ عہد اکبری سے قبل کی کسی کتاب میں یہ لفظ میری نظر سے
نہیں گزرا۔ اس کے بعد تا ۃ یازدہم و دوازدہم میں عارف ایگی معاصر مصنف
میخانہ (میخانہ ص۲۲۲)، مخفی (دیوان ط ص۲۱ م ۲۰۶)، دیباچہ کلیات یغما نوشتۂ
محمد اسمٰعیل (یغما ص۳) میں ملتا ہے:

جہانرا جوانی بہ آرایشس است	نشاد مرا جای پیدایشس است، عارف
مخفی غرض دوست گر اظہار کرم نیست	مقصود ز پیدایشس این کون و مکاں چیست

مخفی

شعر مخفی میں ظاہر ہے کہ پیدائی بھی ہو سکتا ہے۔ پیدایش آج کل ایران میں بہ کثرت
مستعمل ہے: وحید دستگردی رخ ۷، ص۱۳، نفیسی ا ص۱ +)۔

زیبیدن مصدر نوادر المصادر ص۵۵ میں ہے، لیکن یہ مصدر ادبِ فارسی میں
میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس کا اسم فاعل زیبندہ، اسم صفت زیبا اور فعل
زیبد البتہ استعمال میں ہے، کمال یہ کہ زیبد کے علاوہ کسی اور فعل کی سند نہیں ملتی۔
زیبائی صحیح ہے اور ایرانیوں کے یہاں بہ کثرت پایا جاتا ہے، مگر زیبایش ایرانی
نظم و نثر میں آج تک نہیں ملا؛ اردو میں ہے اور ہندی فارسی میں بھی ہو تو ہو۔
اس معاملے میں بھی غالب مغلوب ہوئے ہیں۔

(٣٠) برہان میں ستاد (ماضی) مخفف ستاند ہی، مگر غالب اس کی وجود سی انکار کرتی ہیں دک ص۵۳۔ ذیل میں سند کی دو شعر دیی جاتی ہیں۔ رومی کی شعر میں قافیہ بستاد ہی اور اس کی ساتھ کی اشعار کی قوافی شاد وغیرہ۔ حبیب اللہ خاقانی کی شعر میں جو گنج سی ماخوذ ہی قافیہ ستاد ہی اور اس کی ساتھ کی دوسری اشعار کی قوافی زیاد وغیرہ:

'دلی ہرگز او شمس را خود نداد   دل از شمس بستاد آں ترک، شوخ'
ص١٩٥

'بر پیشگاہ فلک جایگاہ او ہرکس   مدیح نغز و غلاع نفیس داد و ستاد'
ص١٨٠

'خوب رفتی لبسر مہرو وفا خوب ستادی   داد لطف و کرم و مردمی ایں بود کہ دادی'

رفتم و ناز تو برچیدی کاں صبر نکردم   زود برگشتم و ایں بار بہ ہیچم نستادی'
نقی ١٤٣

واضح رہی کہ اس مصدر کی ایک شکل ستیدن بھی ہی جو ایک زمانی میں بہت استعمال ہوتی تھی:

'زہر و کین تو روزی دو نکتہ بستیدند مسو'   "دینار بود بوی دادم آنرا بستیدند"
نفحات ص١٢٥ +

(٣١) ستدن ستادن وستاندن کی ایک شکل ہی، غالب س و ت دونوں کو مضموم سمجھتی ہیں دک ص۵۷ اور اس سی خیال ہوتا ہی کہ یہ ان کی نزدیک مختلف الاصل ہی۔ فرہنگ نگاروں کا اتفاق ہی کہ ستدن میں س مکسور اور ت مفتوح ہی اور گزیدہ میں اسی طرح مرقوم ہی ص٦٧۔ ظاہر ہی کہ شعرا کی کلام سی کسرۂ س کی سند نہیں دی جا سکتی، فتحۂ ت کی اسناد حاضر ہیں:

'یکی دست خطی بباید ستد   کہ سر بازگر داند از راہ بد' ش٢ ص٢٧٥
'چو مردادہ را باز خواہی ستد   چہ غم گر بود خاک آں گر بسد' ش١ ص٧٥

"شکیبائی از ما نشاید ستد — نہ کس راز دانش بسر بد رسد" شح ص۲۹۰

"چنیں گفت کیں را نشاید ستد — بدآمد بروی من از کار بد" شح ص۲۵۰

"گر زمین ہفت و چار صد باشد — زیر یک داد و یک ستد باشد" پیکر ص۱۱۳

"ایں بگفت و دوات بر من زد — اسپ و ساز و سلاح من بستد" پیکر ص۱۰۵

"گوشہ گیر و کنارہ زہمہ خلق جہاں — تا میان تو و غیری نبود داد و ستد" ابن یمین ص۷۹

"در ایں بارگہ بی گواہ و سند — بود گرم بازار داد و ستد" وحید ص۸۰

(۳۲) "دہاں درہ کہ آنرا در عربی فازہ گویند" دک ص۲۹ ؛ فاژہ زای فارسی سے ہے اور فارسی ہے۔ غالب کے دعوے کی کہ عربی ہے کوئی ضعیف سند بھی میرے علم میں نہیں۔ ف امین فاژہ باب زای فارسی میں ہے اور لبیبی کی سند سے جو اس میں ہے مصدر فاژیدن کے وجود کا بھی ثبوت ملتا ہے: "کہ سیر خوردہ بفاژد بہار گرسنہ" ص۱۴۱ معیار میں فاژ ص۵۳ اور فاژہ ص۱۲۶ دونوں ہیں اور یہی کیفیت جامع کی ہے۔

(۳۳) غالب کے نزدیک تندرو (بہ دال مہملہ) فارسی اور تذرو (بہ ذال معجمہ) اس کا معرب ہے۔ دک ص۵۱ یہ اس قاعدے کے مطابق ہے کہ فارسی میں ذال معجمہ نہیں (اس مسئلے سے مجمل بحث ہرمزد میں اور مفصل میرے مقالے غالب اور ذال فارسی (آج کل بابت فروری ۱۹۵۲ء) میں ہے)۔ ایرانیوں کی کتابوں میں جو خود اہلِ ایران کے اہتمام سے طبع ہوئی ہیں، یا ایرانیوں کے لکھے ہوئے قلمی نسخوں میں عموماً ذال ہے، اور اس کا مطلق ثبوت موجود نہیں کہ تذرو عربی میں مستعمل ہے۔ تذرو با ذال معجمہ: شح ص۶۳، ص۱۱ +، ادبیات معاصر از رشید یاسمی ص۳۱، مجمع ۲ ص۴۱۴، ناصر ص۲۷، اسدی ص۳۳۷، ہرمز ص۲۸۵، گنج ص۵۳۷۔

برہان میں تدرج بھی ہے، اس کے بارے میں غالب کہتے ہیں کہ "اصل لغت فارسی می تواند بود و نہ از تعریب وجود می تواں گرفت" دک ص۵۲۔ تذرج بے شبہہ تذرو کا معرب ہے، سامی ص۱۲۵ میں ہے: "التذرج و التذرجۃ تذرو"۔

(۳۴) "بزدائیدن و بزدودن بہ اضافہ بای عربی مگر فارسی دکن است، زدودن مصدر اصلیست و زدائیدن مصدر مضارعی اما قیاسی نہ سماعی" (ک ص۲۴) مصدر پر اضافہ ب ہوتا ہے یا نہیں، اس کی بحث آگے آئے گی (۱۳) موقع پر زدائیدن کے مسموع ہونے کی سند پیش کرنے پر اکتفا کیا جائے گا، یہ مصدر بہ اضافہ باز و زنی میں کم از کم دو جگہ آیا ہے ص۱۰ ص۲۱

(۳۵) "بوسیدن.... بدو معنی دفاعل آں بمعنی دوم رسم نیست" (ک ن ص۲۸) عدم صراحت کے باوجود ظاہر ہے کہ دو معنی جو غالب کے ذہن میں ہیں، کیا ہیں، لیکن بوسیدن (بای عربی کے ساتھ) فارسی میں صرف چومنے کے لیے آتا ہے، دوسرے معانی کے واسطے پوسیدن (بہ بای فارسی) ہے۔ اتفاق سے یہ دونوں مصادر کمال خجندی کے ایک شعر میں نظم ہو گئے ہیں اور یہ دیوان مکتوبۂ ۸۸۶ھ (م ۱۶۳) میں جس کا کاتب عجب نہیں کہ ایرانی ہو، موجود ہے:

سالہا بوسیدن پالیش مراد دیدہ بود آں نہ شد بوسیدہ اما دیدہ پوسیدن گرفت

ورق ۱۳۰ اس نسخے اور ایک دوسرے نسخے م ۱۶۴ (مکتوبۂ ۹۱۰ھ) کے کاتب نے بوسیدن و پوسیدن کا حرف اول علی الترتیب ایک اور تین نقطوں سے لکھا ہے۔ زمانۂ حال کے ایک ایرانی شاعر، صبوری کے ایک شعر میں بھی جو مغ جلد ۱۲ میں ہے پوسیدگاں اور بوسیدگاں جمع ہو گیا ہے:

ہمہ استخوانہای پوسیدگاں زسر تا بپا خاک بوسیدگاں ص۳۴۷

ہندوستان میں غالب کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں جو پوسیدن اور اس کے مشتقات کو بای عربی سے لکھتے اور بولتے ہیں، چناں چہ صاحب غیاث جو پوسیدن کو باب بای فارسی میں جگہ دیتے ہیں، بوسیدہ بہ معنی کہنہ و فرسودہ و مندرس کو باب بای عربی میں درج کر کے اپنے ناظرین کو متنبہ کرتے ہیں: "در اصل بہ بای فارسی است و بہ بای عربی شہرت گرفتہ شرع الشعرا" یہ تیرھویں صدی کے اواسط کی بات ہے، آج سے پچیس تیس برس قبل صاحب نور اللغات بوسیدگی بہ معنی کہنگی وغیرہ کو بے تکلف

باب بای عربی میں داخل کرتی ہیں، اور یہ نہیں بتاتی کہ اصلاً بای فارسی سے ہے، جس کی وجہ ظاہراً اس سے ناواقفیت ہے؛ لیکن میرا خیال ہے کہ پوسیدہ وغیرہ کو بای عربی سے لکھنے کی ابتدا بارھویں صدی سے پہلے نہیں ہوئی؛ شرف نامہ میں پوسیدن اور مؤید الفضلا میں پوسیدہ بای فارسی ہی سے ہے۔

ایرانیوں کے زیر اہتمام جو کتابیں بار سالی چھپی ہیں، ان میں عموماً پوسیدن اور اس کے مشتقات کا حرف اوّل تین نقطوں کے ساتھ ہوتا ہے اور یہی حال ان قدیم مخطوطات کا ہے جن میں بای عربی و فارسی میں فرق کیا گیا ہے: 'بدین سبب پوسیدہ گی (کذا) کمتر پذیرد' ذخیرہ ۱/۵، 'بیشتر خوردنیہای بپوسانند' ۱/۵، جام جم ص ۱۰۷ +، 'کاغذ پوسیدہ'، عارف ص ۱۰، شفق دیباچہ نگار دیوان عارف ص ۵، یغما ص ۲۱/۱۰، احوال رودکی ۳ ص ۱۲۱۲، بوستان ص ۱۱۳/۴، 'گندیدن و پوسیدن'، مغ ۱۲ ص ۷۷۳، 'استخوان پوسیدہ'، مغ ۶ ص ۳۹۱، 'رطوبات پوسیدہ'، مغ ۷ ص ۴، 'رشتۂ پوسیدہ'، مغ ۲ ص ۳، 'پوسیدہ سخواتش؛ براہین العجم (بحث الف اصلی والف وصل) ناصر ص ۴، زاکانی ص ۱۷، النسیم الربیع مکتوبۂ ماۂ دہم ۱۱۹ سلام۔

(۳۶) "ائمۂ فن لغت برین اتفاق دارند کہ ماقبل واو معدولہ مکسور نمیباشد مگر در دو جا: یکی در لفظ خویش دوم در لفظ خویلہ"، دک ص ۶۷۔ جب ہندوستانیوں کے سوا کسی نے فرہنگ لکھی ہی نہیں اور یہ قطعاً نامعتبر ہیں تو یہ ائمۂ فن لغت کہاں سے نکل آئے؟ اس سے قطع نظر، فارسی میں ایک لفظ خوید بھی ہے جو عید و بعید دونوں کے وزن پر آتا ہے:

'رویش میان حلۂ سبز اندرون پدید چون لالہ برگ تازہ شگفتہ میان خوید'

عمارہ

احوال رودکی ۳ ص ۱۱۹۶، 'آہو مر جفت را ابغالد بر خوید' ص ۱۱۹۱، 'یا برگ لالہ زار ہمی بر چکد بہ خوید کسائی'، احوال رودکی ص ۱۲۰۲، 'از حسد خوید بر کشید سر از خوید' ص ۱۲۰۱، 'تابان بسان گوہر اندر میان خوید' کسائی، لباب ۱ ص ۹۹، 'ز خوید سبز نگردد

ہی سرِ دن گوزن'، ازرقی لباب ص۹۹ 'خوید دمید از دو بناگوش کشت'، منوچہری کے
'این عجب نیست لبی کز اثر لالہ و خوید' دیوان انوری م ۲۵ ص۲۳'، 'ہمہ آب نہ باغ
و ہمہ کشت و خوید' ش ۳ ص۲۲ قطران کا شعر ذیل احوال رودکی ۲ ص۴۳۲
میں ہے:

مردم چوں خوید تشنہ اند و تو باراں تازہ تو چوں بر گل سعادت خویدی

(۳۷) "خاص افتادن میں دیکھو کہ نہ افتندہ مستعمل ہے۔۔ نہ افتا۔۔۔
افتاں صیغۂ اسم فاعل کہاں سے آگیا؟ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ افتاں کو ہم اسم
فاعل جب مانتے کہ افت و بیفت بہ معنی امر اہلِ زباں۔۔ کی نظم و نثر میں آیا ہوتا۔
اصل مادۂ افتاں جو افت ہے موجود ہی نہیں، افتاں کہاں سے بہ معنی فاعل نکل آیا؟
مگر ہاں، گرنے کی حالت جس پر طاری ہو وہ افتاں ہے، از روے حالت نہ بر حسب
فعل" ض۔ میں اس وقت افتا کی نسبت کچھ کہنے سے قاصر ہوں، لیکن افتندہ،
بیفت اور میفت کی ایسے اسناد موجود ہیں، جنھیں غالب بھی بے چون و چرا تسلیم
کر سکتے تھے: 'افتندہ و خیزندہ بود دولت مادام'، قطران، احوال رودکی ۲ ص۴۹۸،
'میفت از بہر گندم در تنگ ودو'، خمسۂ خسرو م ص۵۲۔ ذیل کے دو شعر کلیات
جامی مطبوعہ میں ہیں:

بر وای اشک و عذر خواہی را غرقۂ خوں بخاک پاش بیفت ص۵۸۴
بیں لب او جامی و بیخود بیفت بادہ خور و مست شو و سر بنہ ص۵۰۱

اس سلسلے میں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ دیوان سیف اسفرنگی میں یہ مصرع
ہے: 'در رہ او افت و خیزاں میروم'، ص۲۰۵۔ یہ بات بھی نظر انداز کیے جانے کے
لائق نہیں کہ غالب نے پنج آہنگ میں اوفتادن کے ساتھ اوفتندہ اور اوفت
دونوں دیے ہیں، مگر اس کے بعد یہ لکھا ہے: "فاعل این نیز مسموع نیست
ہمانا وجہش این بودہ باشد کہ اوفتادن فعل اضطراریست نہ اختیاری" ک ج ص۲۶
(۳۸) آرا۔۔ آرایش دآرایش کنندہ۔۔ ہیچو بزم آرا و امر بدیں معنی

ہم است" برہان "آرا بمعنی آرایش کجاست و آراینده راکی گویند؟ این خود کلام معترض خواہد بود کہ صیغۂ امر نے افزایش اسم در اول افادۂ معنی فاعلیت نمی کند" دک ص۱۶۱ احمد نے یہ لکھنے کے بعد کہ بہ معنی آرایش مؤید الفضلا و مدار الافاضل میں بھی ہے، اس لفظ سے متعلق سروری کا مکمل بیان نقل کیا ہے: "آرا امر از آرایش باشد و آراینده کہ معنی فاعلست چون . . بزم آرا۔ مثال ہر دو عز الدین شروانی فرماید:

روی بنما و بزم را آرا   چون توئی آفتاب بزم آرا

بمعنی آرایش نیز آمده حکیم نزاری قہستانی فرماید

نمی باید برافزودن اگر مشاطۂ فطرت   جمالی را بزیبائی نگاری می کرد و آرائی"

اس کے بعد احمد نے لکھا ہے کہ نزاری کا مصرع ۲ رشیدی میں بھی بطور سند آرا = آرایش مندرج ہے، اور یہ بتایا ہے کہ آرا بہ معنی فاعل کہنے سے برہان کی یہی مراد ہے جو غالب کی ہے۔ چون کہ ہر شخص اس قاعدے سے واقف ہے کہ فاعل امر کے قبل اسم لانے سے بنتا ہے اور یہ بات مثال سے بھی ظاہر ہے، برہان نے زیادہ صراحت غیر ضروری خیال کی مؤید ص۴۹ ۔ غالب نے تیغ ص۹ میں اس سے انکار کیا ہے کہ آرائی، آرایش کی جگہ آسکتا ہے، لیکن، اسے قطعاً فراموش کر کے، تیغ کے ص۱۲ میں رقم طراز ہیں: "مولوی جی . . فرماتے ہیں کہ آرا بہ معنی آرایش نزاری نے لکھا ہے اور یہ شعر سند میں لاتے ہیں 'نمی باید الخ'، فقیر عرض کرتا ہے کہ میں تو گستاخی نہیں کر سکتا مگر خدا سے میرا زور نہیں چلتا کہ وہ فرماتا ہے 'لعنت اللہ علی الکاذبین'۔ . نزاری نے آرا کو بہ معنی آرایش نہیں لکھا، آرائی کو . . لکھا ہے۔ . یہ شعر اس بات کی سند ہے کہ بے تقدم اسم بھی آخر میں یائے مصدری لاتے ہیں . . پھر ایک اور . . شعر لکھتے ہیں: 'روی بنما الخ'، غالب خستہ جگر متحیر ہے کہ یہ بیت تو میرے مفید مطلب ہے، پہلے مصرع میں بہ معنی امر دوسرے میں بعد تقدم اسم بہ معنی فاعل، پھر مولوی جی نے کیوں لکھی ہے؟ بس اس بھروسے پر کہ میں مولوی اور مدرس ہوں، آنکھ بند کر لی ہے اور لکھنا شروع کر دیا ہے، نہ برمحل دیکھنا نہ بے محل دیکھنا، سند کے اشعار لکھ دینے"

(الف) غالب کی رای میں آرا حاصل مصدر نہیں، اور نزاری کے شعر میں ان کے نزدیک آرائی ہے۔ احمد نے شمشیر میں اس کے متعلق تحریر کیا ہے: "در لفظ نگاری و آرائی یای مجہول است۔ قطع نظر از اینکہ آرائی بہ قافیہ، رای و جای و امثال آں بہ یای مجہول در اشعار دیگر این قصیدہ واقع است، دلیل عدم مصدریت تحتانی درین لفظ اینکہ یای مصدری غالباً در آخر صفات می آید، چنانکہ درستی و مہربانی و بندگی و شرمندگی۔۔ و آرا بقول او خودش صفت نیست، امر است و قول او بہ شعر۔۔ لاتی ہیں، لائق اعتبار و قابل التفات نیست چہ غالب خودش در بحث پیدایش و زیبایش گفتہ کہ آرایش و آسایش۔۔ کے آگے نے ترکیب شین کی جگہ یای حطی نہیں لا سکتی"، ص۵۷ نزاری کا قصیدہ میں نے نہیں دیکھا، اس لیے اس کے قوافی کے بارے میں جو احمد کا بیان ہے میں اس کی تصدیق یا تکذیب نہیں کر سکتا، مگر چوں کہ آرا نے تقادم اسم اسم فاعل نہیں ہو سکتا، آرائی کا حاصل مصدر ہونا مستبعد ہے۔ احمد کی دلیل سے قطع نظر، شعر ذیل سے جو عرفات وغیرہ میں رودکی کے نام مندرج ہے، اور احوال رودکی ۳ میں بھی نقل ہوا ہے، قطعی طور پر آرا کا حاصل مصدر ہونا ثابت ہے:

زہی فزودہ جمالِ تو زیب و آرا را　　　شکستہ سنبل زلف تو مشک سارا را

آقای سعید نفیسی کو اس میں شک ہے کہ یہ شعر رودکی کا ہے، اور ممکن ہے کہ اس کا نہ ہو، لیکن یہ بالکل قرین قیاس نہیں کہ اس کا مصنف کوئی غیر ایرانی ہے۔ ش ۲ کے شعر ذیل میں بھی میری رائے میں آرای بہ طور حاصل مصدر استعمال ہوا ہے:

بدست چپ خویش برجای کرد　　　زرستم ہمی مجلس آرای کرد　ص۶۲

اس کی مثال بہت ملتی ہے کہ امر اور حاصل مصدر ایک ہوں، اس کی ایک مثال ستا ہے جو آرا کی طرح اب غیر مروج ہے۔ رودکی:

چہ گر من ہمیشہ ستا گوی باشم　　　ستایم نباشد نکو جز بنامت　ف ا ص۶

غالب کا یہ قول بھی ملاحظہ ہو: امر ہم۔۔ افادۂ معنی مصدر میکند چوں سوز۔۔ لیکن این حکم۔۔ اکثریہ است نہ کلیہ ک ن ص۲۵۔ غالب نے اکثریہ غلط لکھا ہے۔ ایسی

صورت کہ امر بہ معنی مصدر ہو زیادہ نہیں کم ہے۔ (ب) احمد پر لعنت بھیجنے سے قبل غالب کو امور ذیل پر غور کر لینا تھا: ۱۔ احمد نے نزاری کا شعر خود نہیں پیش کیا، یہ سروری میں آرا (حاصل مصدر) کی سند میں آیا ہے۔ احمد اس سند کو کافی سمجھتے ہوں، مگر صراحۃً انھوں نے کچھ نہیں کہا۔ ۲۔ شمشیر میں آرائی کی ی کے مجہول ہونے کے بارے میں جو دلیل ہے اس سے قطع نظر، شعر زیر بحث کے ساتھ کے اور شعر جب تک نہ ہوں اُس وقت تک یہ فیصلہ نہیں ہو سکتا کہ آرائی ہے یا آرای؛ اور دوسرے شعر مل بھی جائیں تو یہ دیکھنا پڑے گا کہ قوافی میں یای مجہول و معروف کے اجتماع سے متعلق نزاری کا کیا مسلک ہے اور "اگر نمی باید الخ" کے ساتھ کے اشعار سے اس کا حال نہ کھل سکے تو اس کے لیے دیوان نزاری کی طرف رجوع ضروری ہے۔ ۳۔ جھوٹ حقیقت سے بالارادہ انحراف کو کہتے ہیں اور یہ ثابت بھی ہو جائے کہ شعر نزاری میں یای معروف ہے، تو اس سے احمد کا جھوٹا ہونا ثابت نہیں ہوتا (شمشیر میں قصیدے کے قوافی کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے یہاں اس سے بحث نہیں)۔ (ج) "پھر ایک ... لکھ دینے" اس سے صاف ظاہر ہے کہ احمد آرا کو امر نہیں مانتے اور آرا کو نے تقدم اسم بھی اسم فاعل سمجھتے ہیں، لیکن حماقت سے ایسی سند پیش کرتے ہیں جو خود ان کے خلاف پڑتی ہے، لیکن یہ باتیں غالب و احمد میں مابہ النزاع نہیں اور عزالدین شروانی کا شعر اس لیے آگیا ہے کہ وہ سروری کے بیان کا ایک جزو ہے اور احمد اس کا مکمل بیان نقل کر رہے ہیں۔

(۳۹) نجک برہان میں بہ معنی تبرزین ہے، غالب کا دعویٰ ہے کہ اس کی کوئی سند اس کے پاس نہیں دک ص ۱۱۵۔ نجک ترکی ہے اور شعرا کے یہاں ملتا ہے: "ترکی مکن بکشتن، من بر مکش نجک" سوزنی" لباب ۲: "کجک بر سر نجک دل خسک، بالیں خسک بستر" قاآنی ص ۱۲۵

(۴۰) غالب نے بیوسید و بیوسیدن کو برہان کا اختراع لکھا ہے دک ص ۴۶

برہان میں بیوس، بیوسد، (مضارع ہے ماضی نہیں)، بیوسیدن، پیوس (بہ بای فارسی) اور نابیوساں موجود ہے، اور ان سب کے اسناد ملتے ہیں: ف امیں ہے:

"بیوس طمع واتنزالار کردن بچیزی" اور سند میں عنصری کا شعر ذیل:

"نکند میل بی‌هنر بہنر   کہ بیوسد ز زہر طمع شکر" ص۲۴

زوزنی ص۲۴ میں 'الامل بیوسیدن' ہی اور جہاں میں انوری کا یہ شعر:

بہ بیوسی از جہاں دانی کہ چوں آید مرا   ہم چناں کز پارگیں امید کردن کوثری

مرز میں 'ناگاہ ونابیوساں' ص۴۵، اور 'محنتی نابیوساں' ص۲۶۵ ہی اور قزوینی نے حاشیے میں اس کے معنی برہاں کے حوالے سے 'غیر متوقع' لکھے ہیں۔ 'نابیوساں' اسدی ص۱۷۶ جوینی ا ص۶ میں یہ مصرع ہی: 'افسوس کہ عمر نابیوسی بگذشت'؛ کلیات ابن یمین مطبوعہ: 'راہ یابد بہ منتہای بیوس' ص۱۸۵

(۴۱) برہان میں الفغدن والفغدہ ہیں۔ غالب کا خیال ہی کہ یہ وجود خارجی نہیں رکھتے۔ وک ص۳۳ ذیل کی تین اسناد اسی ماخوذ ہیں، پہلی سند الفغدہ اور باقی سندیں دوسرے الفاظ کے تحت درج ہیں:

'بیلفغد باید کنون چارہ نیست   بیلفنجم و چارہ من بکیست' بوشکور ص۲۷

'بیلفنج والفغدہ بر لہو خور' بوشکور ص۴۵، "دامد این خرگوش را الفغدہ پیش"

رودکی ص۹۳۔ گرشاسپ نامہ میں ہی کہ 'نیز آنچہ الفغدی از جاہ اوست' ص۶۸ دیوان رودنی میں ہی: 'الفغدہ بدنمان ملک داد' ص۶۹۔ الفغدن اور اس کے مشتقات جس کثرت سے ناصر خسرو کے یہاں ہیں، کہیں اور نہیں ملتے: 'مرالفغدن راحت آنسری را' ص۱۳، 'دریں ایام الفغدن شراب و مال و درمانہا' ص۲۱، ص۱۹۱، ص۲۱۳ +

معیار ص۱۱۹ میں الفقدہ ہی۔ جو الفغدہ کی تصحیف ہی یا اس کی ایک شکل جو فخری کے علم میں ہوگی۔ واضح رہے کہ الفغدن والفنجن ایک ہیں۔

(۴۲) "لطف طبع اہل پارس را نازم کہ دریچہ بر منش گراں آمد تحتانی افزودند۔۔ گرانی درچہ دردانی دریچہ و جدا نیست نہ بیانی۔ طغرا۔۔ می سراید:

روز و شب دریچۂ مشرق و مغرب باز است   ورنہ از تنگی اینجا نہ قفس میگیرد

سخنور از آنجا کہ سخنوراں دراسکان و تحریک یارای تصرف دارند تحتانی۔۔۔

را . متحرک ساخت، وہم اہرمن پیشہ پسینیاں را در ضمیر انداخت کہ درخرد را بچہ، در اندیشند
و دریچہ را کہ بہ تحتانی مفتوح ست، در بچہ بو حدہ گویند و سند آرند کہ طغرا چنیں میگوید۔ حاشا
کہ طغرا چنیں سراید، در بچہ بو حدہ تمسخر بیش نیست۔ اہل عجم در الفاظ عرب بہ تصرفہای
بدیع بکار بردہ اند، در الفاظ عجمی جنبشہای سہ گانہ را چرا بر نگردانند؟ بہار در . البطال
ضرورت از یں عالم مثالہا دارد . بشیخ ابو سعید ابو الخیر. . در یک رباعی گذرد و نگردد
بردراگذرہ دنگرہ وبرہ بہ ہای مختفی می نویسد و کس را مجال دار و گیر نیست؛ طغرای مشہدی
نیز اگر دریچہ را بہ حرکت تحتانی نویسد نا دلپذیر نیست۔ ایں خود سخنی دیگر است کہ
قیاس را دخل دہند و غرفہ را بچہ، در نام نہند" دک ص ۱۴۳

(الف) در بچہ پڑھنا غالب کہتی ہیں کہ قیاس ہی، مگر دریچہ کا بھی یہی حال ہی؛ طغرا نے
بچہ کا حرف اوّل کس طرح لکھا تھا، اس سی کسی کو واقفیت نہیں۔ (ب) شعرا کو
تصرف کی اجازت ہی، لیکن خاص حدود کی اندر۔ خود غالب کا شعر ہی:

"در سخن کار بر قیاس مکن — ترش گردد ترش نہ تلخ تلخ"

کلیات ص ۳۸۷

یای معروف کو بی سبب متحرک کر دینی کی مثال طغرا کی معاصرین در کنار،
متقدمین کی یہاں بھی نہیں ملتی، اور در بچہ بہ حرکت یا کانوں کو بہت برا معلوم ہوتا
ہی۔ اس سی در بچہ (بچہ، در) بہتر ہی، اور کلیات طغرا کی نسخہ دوم میں جو بہت صاف
لکھا ہوا ہی، بچہ ب ہی سی مرقوم ہی ۱۸۳ (ج) لیکن، بعض اصحاب کی رای میں دربچہ
بچہ، در نہیں، تصغیر درب ہی اور اس سی مجھے اتفاق ہی۔ درب عربی ہی، لیکن یہ اور
اس کی جمع دروب فارسی میں بہ کثرت مستعمل ہی: عالم ص ۹۰، وصاف ص ۳۵، رموز
ص ۵۴۹ +، ہما ص ۱۹ (د) عربی کی ایسی لفظ جن کی تصغیر اضافہ، چہ سی بنتی، ہی کم نہیں:
کتابچہ عارف ص ۶۴، تاریخچہ ص ۵۲، نعلچہ بناکتی ص ۲۵۷، دکانچہ کاشفی ص ۲۴۳، صندوقچہ
ناصر ص ۵۵، کیمیای سعادت ص ۸۷، کمال م ص ۲۴۲؛ وصاف ص ۱۶۹ قلعچہ جہانگشای نادری
ص ۱۲۴، طغرا ص ۱۲۹۔ ناصر الدین کی عبارت ذیل میں دربچہ بھی آیا ہی، مگر اس کا امکان

ہی کہ کاتب نی ایک نقطہ غائب کر دیا ہو: "بالای پلہا در بچہ ایست . . کہ از آنجا ہدای گرم داخل حمام می کنند، ص۱۴۱ ۔

(۴۳) شیخ ابو سعید ابو الخیر کی طرف جو رباعی غالب نی منسوب کی ہی وہ مجموعۂ رباعیات کی ایک قلمی نسخی میں موجود ہی، لیکن کسی اور شاعر کی نام سی بھی میری نظر سی گزری ہی۔ رباعی

درویشانیم نشستہ در کوہ و درہ — جائیکہ پلنگ و شیر و اژدر گذرہ
پیران قوی دارم و یارانِ سرہ — ہر کس کہ بما کج نگرہ جان نبرہ

یہ رباعی شیخ کی ہو یا کسی اور کی، تصرف شاعرانہ کی مثال میں نہیں پیش کی جا سکتی۔ بول چال کی زبان میں اور خاص خاص مقامی زبانوں میں دال مضارع کی جگہ ہائ مختفی کا استعمال عام ہی، داہی نیشاپوری کا شعر ذیل ہفت اقلیم میں ہی اور اس کی ساتھ اس زمین کی اور شعر بھی ہیں :

چشمکم مزنہ و دلم مبرہ — چشمک دیگرش کمک مکنہ ص۲۲۶

سحری کا مصرع ذیل طہران کی زبان میں ہی اور نصرا بادی م سی ماخوذ، راستش اینہ کہ تراز دہمشاں سر میزنہ ص۲۴۳ شعر ذیل کلیات مطبوعۂ ابن یمین میں ہی۔ شایہ بجای شاید،

تو خود بگو کہ بدوران چون تو ئی چو منی — شکستہ حال چو این قافیہ ہمیں شایہ
ص۲۲۳

شکستہ حال چو این قافیہ سی کیا مراد ہی یہ اچھی طرح واضح نہیں:

بدیں ماتم چساں باشم شکیبا — کجا زخمی چنیں مرہم پذیرہ، یغما ص۲۹۷
پیش روباہ می نہی ذنبہ — می خروشی کہ تلہ می جنبہ، جام ص۹۰

(۴۴) "بر پروشاں بوزن پردہ پوشاں بمعنی امت میفرماید . . یکی . . گفت کہ قصور کاپی نویس است . . اگر بر پروشاں نوشتی در وزن برابر آمدی۔ گفتم گرفتم کہ چنیں است بر پروشاں زبان کدام سرزمینست؟ گفت درا قصای

ملک دکن جنّیاں بدیں زبان سخن میکنند۔ گفتم یاددار برساں بہ معنی امت آمدہ اما بی
مضاف الیہ نیارند، یعنی برسانِ فلاں نبی، و آں خود پیدا است کہ بر بہ معنی علی
و ساں بمعنی طرز و اسلوبست" یہ غالب نے قاطع کی اشاعت میں لکھا تھا، مگر محرق
میں دقیقی کا ایک شعر دیکھ کر، غالب نے بغیر اس کے کہ حذف و اضافہ کا اقرار کریں،
"گفتم" سے "می کنند" تک کی عبارت خارج کر دی، اور "و اسلوبست" کے بعد یہ عبارت
بڑھائی: "ضرورت وزن نظم لغت را صورت دیگر نمیتواند بخشید، چنانکہ یاداش
(یاداشت چاہیے) و بالشت ہماں پاداش و بالش است، و بتبدل شین ..
و سین با ہمدگر اصلی است محکم در ضوابط زبان ایراں۔ لاجرم "بر پروشاں" ہماں
برساں است بہ اضافۂ حرفی چند در وسط و تبدل سین .. بہ شین .." دک ص۴۲

(ف) برہان میں برساں، برشاں، بر پروشاں وغیرہ بہ معنی امت درج
ہیں، اور دوسری کتابوں میں ان سے ملتی جلتی اور شکلیں بھی ہیں۔ برساں اگر بر پروشاں
کا مخفف ہے تو اور بات ہے، ورنہ بر + ساں بہ معنی امت کوئی لغت نہیں۔ یہ لغت
ہے تو برروش، براسلوب وغیرہ بھی لغات ہیں۔ برساں (بر + ساں) امت کے لیے
مخصوص بھی نہیں، بے تکلف کہہ سکتے ہیں کہ شیفتہ شعر برسانِ غالب می گوید۔ برساں
کے بعد مضاف الیہ ہو جب بھی بعض صورتوں میں یہ قابل استعمال نہیں، مثلاً یہ
کہہ سکتے ہیں کہ "یوحنا برسان عیسیٰ بود"، لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ "یوحنا برسان او را
کشتند"۔ میرا خیال ہے کہ فرہنگ نگاروں نے برساں کو بہ معنی امت لکھنے میں منوچہری
(کازمرسکی) کے شعر ذیل یا اسی قبیل کے کسی اور شعر سے دھوکا کھایا ہے:

درکسی گوید کہ در گیتی کسی برسانِ اوست گر ہمہ پیغمبری باشد بود یافہ درای

(ب) شفیع باش بر شہ مرا برین خلت چو مصطفیٰ بر دادار بر پروشاں را
دقیقی کا یہ شعر جہاں وغیرہ میں ہے، لیکن ف اصنا میں بر پروشاں کی جگہ بر
روشناں ہے اور آقای سعید نفیسی احوال رودکی ۳ میں برروشناں (بر +
روشن = روش + آں) ہی کو صحیح جانتے ہیں۔ بر پروشاں معیار میں بھی بہ معنی

امت ہی اور مؤلف نے اپنا یہ شعر سند میں دیا ہی:

اگر دعوی کند رایشس نبوت ۔ شود خورشید و ماہش مہر پروشاں فدا!

مجھے معیار کے روسی مرتب سے اتفاق ہی کہ بر پروشاں (جس کی اصلی شکل کچھ بھی کیوں نہ ہو) پہلوی Viravistyn = fidesecta سے بنا ہی۔ (ح) بر پروشاں کسی طرح برساں کی ایک شکل نہیں ہو سکتا۔ یہ کوئی قاعدہ نہیں کہ ضرورت شعر سے تین تین حرف بڑھائے جائیں۔

(۴۵) "مارساں بکسر ثالث .. بمعنی مارستان کہ بیمارستان .. باشد" برہان "اگر مخفف بیمارستان میگفت، می پرسیدم کہ شارساں مخفف شارستان دیدہ ام، در بیمارستان اگر حکم تخفیف روان کنیم، بیمارساں میماند و باز چوں بیمارساں را مخفف گردانیم مارساں صورت می پذیرد، اما بعد دو استحالہ۔ ہر آئینہ تا در کلام یکی از سترگان پارس نہ بینیم چساں باور داریم؟ اینہا کہ گفتہ ایم ہمہ سہل است؛ بیمارساں (مارساں چاہیے) بکسر ثالث .. در کدام فرہنگ دیدہ است؟ اشعار سند فرو گذاشتن ہم از زیردست کہ خواجہ نگارش لغات مطابق قیاس خویش دوست دارد، لاجرم، سند از کجا آرد؟" دک ص۱۰۵ بیمارستان فارسی میں بہت ملتا ہی۔ فردوسی کہتا ہی:

'بسی شارساں گشت بیمارساں ۔ بسی بوستاں نیز شد خارساں'

شس ا ص۲۲۷

شارساں، خارساں اور بیمارساں کا ساں اگر ستاں پڑھا جائے، بہ شرطیکہ رائے ماقبل س ساکن ہو تو عروضیوں کو اس میں کچھ قباحت نظر نہ آئے گی، اور ش خ میں ایسے اشعار جن میں یہ الفاظ آئے ہیں، شاہ نامہ کے نسخۂ مطبوعہ کے برخلاف، ت کے ساتھ لکھے ہوئے ہیں۔ شارساں (بغیر ت) کے وجود کے غالب مقر ہیں، چناں چہ ک ن ص۳۵ میں انھوں نے اسے مخفف شارستان بتایا ہی اور اسے نظم بھی کیا ہی: زین شش در شارساں (کذا) نگویم، کلیات ص۲۲۵ وحید دستگردی کے چکامۂ شمشیر

میں جس کا ایک شعر ذیل میں بحث میں نقل ہوا ہے کارساں اور بیمارساں قوافی آئے ہیں، مع ۶ ص۲۷۵ و ص۲۷ - غالب بیمارساں) پر معترض نہیں، مارساں کی سند طلب کرتے ہیں - اس کا انھیں حق ہے لیکن جب ان کے نزدیک برساں برپروشاں ہو سکتا ہے، تو بیمارستاں کے مارساں ہو جانے میں کیا خرابی ہے؟ مارساں و مارستاں میں وہی فرق ہے جو بیمارساں و بیمارستاں میں ہے، اس لیے مارستاں کی سند کو مارساں کی سند سمجھنے میں تامل نہ ہونا چاہیے - جہاں میں مار = بیمار اور مارساں = بیمارستاں لکھا ہے، اور بغیر یہ بتائے ہوئے کہ بیمار مار کس طرح ہو گیا، سند میں شعر ذیل دیا ہے جس کا انتساب جامی کی طرف ہے:

بردش از قصر چوں نگارستاں ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ہمچو دیوانگاں بہ مارستاں

سامی میں المارستان کے معنی بیمارستاں درج ہیں ص۲۰۰، اور صراح میں اسے صراحتہً بیمارستاں کا معرب لکھا ہے - میرا خیال ہے کہ یہی صحیح ہے اور فارسی میں مار = بیمار نہیں، کم از کم میری نظر سے اس کی کوئی ایسی سند جو قابلِ قبول ہو نہیں گزری - عربی میں مارستان اور اس کی جمع مارستانات کے استعمال کی مثال ملاحظہ ہو: "وبین الشارع و محلۃ باب البصرۃ سوق المارستان وہی مدینۃ صغیرۃ فیہا المارستان الشہیر ببغداد وہو علے دجلۃ وتتفقدہ الاطباء کل یوم اثنین وخمسین ویطالعون احوال المرضیٰ بہ" رحلت ابن جبیر (گب) ص۲۲۵ +، مارستانات ص۲۳۶ + - فارسی کی ایک مجہول المصنف کتاب سیرت فیروز شاہی م ص۵۴۷ میں بھی مارستان آیا ہے: "دارالشفا و مارستان ای بیمارستان" ص۱۱۹

(۴۶) برہان میں بیسادیدن اور بیسودن دو مصدر باب بای عربی کی فصل بای فارسی میں درج ہیں، اور مؤلف نے یہ نہیں بتایا کہ ب اصلی ہے یا زائد - غالب نے اس سے متعلق یہ رای ظاہر کی ہے: بیسادیدن .. زبان کوہ قاف و سکنہء آں اطراف است آری بیسودن پسودن است بہ اضافہء بای زائدہ و آوردن بای زائدہ در مصادر مسموع نیست بلکہ ممنوع است دک ص۳۹ - غالب اس کے قائل نہیں کہ بای زائدہ

مصادر کے ساتھ آتی ہے، اس لیے بپسودن کو غلط اور پسودن کو صحیح قرار دیتے ہیں، لیکن بپساویدن اور پساویدن میں اُنھوں نے یہ فرق نہیں کیا۔ بل کہ آگے چل کر بپسودان (الف بعد د) اور بپساویدن کے بارے میں لکھا ہے کہ "اکنون از . . دکنی می پرسم کہ ایں دو لغت غلط . . از کجا دریوزہ کرد"۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بپساویدن کی طرح پساویدن کو بھی غلط سمجھتے تھے، لیکن محرق میں رودکی کا شعر ذیل دیکھ کر جس میں بپساود مضارع آیا ہے، انھوں نے رسالۂ عبد الکریم ولطائف غیبی (ل ۸) میں جو کچھ تحریر کیا ہے، اس سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ پساویدن کو صحیح مانتے ہیں، مگر اسے بالکل لغو سمجھتے ہیں کہ بپساویدن میں جیسا کہ صاحب محرق نے لکھا ہے ب اصلی ہے، زائد نہیں۔ شعر رودکی جو جہاں میں ہے، لیکن دیوان رودکی مطبوعہ میں نہیں، یہ ہے:

بہ عون عدل تو صیاد عدل بپساود — سرون آہوئے نخجیر نے وسیلت دام

بپساود پساویدن کی سند ہو سکتا ہے تو فردوسی کے اشعار ذیل سے بھی جن میں پساوان (ش ۲ بساوان)، پساوند (ش خ بساوند)، اور بپساود (ت ۱) آیا ہے، اس کے وجود کا ثبوت ملتا ہے:

نگہ کرد پیکار دو پیل مست — خروشاں دو زندہ وپساواں چو دست ص۵۸

نہ روبہ شود زاز مودن دلیر — نہ گوراں پساوند چنگال شیر ص۱۶۵

بجانم کہ آزش ہماں نیز ہست — زہر سو بیارای و بپساو دست ص۱۱۳

خود پساویدن نظم میں میری نظر سے نہیں گزرا، لیکن ف امیں "بجانم الخ" کے ساتھ عبارت ذیل ہے: "پساو پساویدنست . . فردوسی"۔ پساویدن اور بپساویدن دونوں جامع میں ہیں، مگر میرے نزدیک اسے کچھ اہمیت حاصل نہیں۔

(۴۷) غالب نے قاطع میں اس سے قطعاً انکار کیا ہے کہ مصادر فارسی کے ساتھ بای زائدہ آتی ہے، اور بپساویدن وغیرہ کی بحث میں جس کی کچھ عبارت (۴۶) میں نقل ہوئی ہے، انھوں نے دریافت کیا ہے کہ "نوشتن مصدر بہ افزایش بای موحدہ از ائمۂ فن کلام کہ روا داشتہ است؟" تعجب ہے کہ غالب نے قاطع میں بای زائدہ کے مصدر

کی ساتھ نہ آنی کی متعلق لکھتی وقت یہ فراموش کر دیا کہ اس باری میں پنج آہنگ میں انھوں نی کیا تحریر کیا ہی، اور خود ان کا عمل کیا رہا ہی۔ پنج آہنگ کی عبارت ہی:
"استعمال ہر صیغہ از ماضی و مضارع و امر بہ آوردن بای زائدہ در اوّل آن رواست، لیکن مصدر ازیں حکم مستثنیٰ است، و آوردن بای زائدہ در اوّل مصدر جز بہ ضرورت شعر روا نیست" ک ن ص۲۶۔ بای زائدہ ان کی اس مصرع میں بھی ہی جو باد مخالف میں ہی: 'خیرہ بگذاشتن بداوریم' کلیات ص۹۳۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی، بای زائدہ جسی بہار بای تاکید کہنی پر مصر ہیں، نثر میں بھی آتی تھی۔ سبک ا ص۳۳۲ کی عبارت ذیل ملاحظہ ہو:

"بای تاکید کہ آنرا صاحبان فرہنگ بای زینت نامیدہ اند و بعضی از فضلا .. بای زائدہ نام دادہ اند و ما آنرا بای تاکید دانیم .. در دورۂ اوّل گاہ بر سر تمام صیغ جز اسم فاعل و اسم مصدر (یعنی حاصل مصدر) داخل می شدہ است۔ مثال آن: بکردن، بکند، بکند، بکن، بکن"

بہار نی سبک ا ص۳۳۴ میں بای تاکید کی مثال میں اسرار التوحید (باب ششم) کی عبارت ذیل نقل کی ہی: "شیخ حسن را آواز داد و گفت .. ہر شکنبہ .. کہ بیابی بباید خرید۔ حسن برفت .. و .. بخرید .. شیخ گفت این را ہم چنین بدروازہ حیرہ باید برد و پاکیزہ بشستن بداں آب .. او را (یعنی نفس خود را) قہر می باید کرد و بمالید بمالیدنی کہ تا بشکنیش دست از او نہ داری"

اب میں مصدر کی ساتھ بای زائدہ (زائدہ کہیی یا بای تاکید بہ قول بہار) کی وہ مثالیں جو اس وقت میری علم میں ہیں درج ذیل کرتا ہوں: بلعمی: "ناختن ببریدن سنت شد، ص۶۷ 'سر ببریدن، ص۲۴۶ 'از ما نتوانند بستدن، ص۲۱۸، 'و خراج بستدن گرفت، ص۵۶۹ 'دیوارہا را بیند اختن و درختہا را ببریدن، ص۴۲۶ "بفرمود کہ دو کس را بکشتن و مغز سر او را بکار بردن" ص۴۴۲ کشف المحجوب: بدانستن چلیستی آن چیز، ص۳، 'بگوارانیدن طعام، ص۲۳۳، 'پس چوں واجب آمد بماندن

اجناس واشخاص واجب آمد بماندن انواع، ص۵۵ صدر در بندہش: بخواہد کشتن و بینداختن، ص۹۷، "زن از کساں بستدن، ص۱۰۰، وبکشتن، ص۱۰۰، "ناخوردہ بگذاشتن، ص۱۰۸، "غم ببردن، ص۱۱۶، "آفرینگاں بگفتن، ص۱۲۴، "بداں طریق برفتن، ص۱۳۸، "دلبشکستن و بشگوفتن، ص۱۴۴، "بنگریدن، ص۱۶۵، بلخی: "حصار تواں کردن و بستدن اما بتاختن وزودی نتواں ستدن، ص۱۵۸ راوندی: "بگوشہ ای باید رفتن و بنشستن، ص۳۰۸ ذخیرۂ خوارزمی م: "بگواریدن، ۷، صدر: "بگماشتن، ص۱۷، " باید گفتن و توبت بکردن و گفتن، ص۵۹، بخفتن، ص۵۵، "ہیزمش بدادن، ص۶۳، غزالی: "باپائی در پیوستن آساں باشد اما بگسستن (کذا) مشکل بود، ص۲۷۔ نفحات: "خود را از چشمہا بیفکندن، ص۱۰۸۔ قابوس: بنمودن ص۱۵، بیارامیدن ۵۱۔

زوزنی، بستی اور بیہقی میں عربی مصادر کے ہم معنیٰ فارسی مصادر بائے زائدہ کے ساتھ بہ کثرت ملتے ہیں؛ اور یہ لوگ اس معاملے میں کسی قاعدے کے پابند نہیں معلوم ہوتے۔ ذیل میں ان تینوں کے ابتدائی دس اوراق میں جو مصادر بائے زائدہ کے ساتھ موجود ہیں، وہ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ یہ فہرست مکمل نہیں، کچھ مصادر نقل کرنے میں چھوٹ بھی گئے ہیں۔

زوزنی: بستدن، بگشتن، برفتن، بخواندن، بکندن، برستن، ببردن، بکشتن، بمردن، بتراشیدن، بگرفتن، بسوختن، بخائیدن، بتافتن، بیارامیدن، بدوشیدن، بشکافتن، بشتافتن، بفشاندن، برسیدن، بماندن، بکشیدن، بداشتن، بیفتادن، برسانیدن، بشدن، بیامدن، بدانستن، بمالیدن ــ بستی: ببریدن، بستدن، برنجانیدن، بینداختن، برفتن، بگزیدن، بشناختن، بشدن، ببردن، بگرفتن، بگشتن، بنالیدن، بتراشیدن، ببستن ــ بیہقی: بگریختن، بکندن، بگشتن، بستدن، بکشتن، بشدن، برفتن، بگرفتن، بگذاشتن، بتافتن، بیارامیدن، براندن، بشکافتن، باندودن (کذا) بشتافتن، بیفتادن، ببریدن، برسانیدن، بپوشانیدن، برستن۔

(۴۸) برہان نے تومن کی جمع تومنات بتانے کے بعد لکھا ہے "وبعضی گویند ترکیست"۔ غالب فرماتے ہیں: "بعضی گویند ترکیست، مگر در گمان جامع عربیست کہ جمع آں تومنات آورد۔ نے نے، بیچارہ ایں لغت را از سومنات آورد" دک ص۵۶۔ تومنات کا الف اور ت بے شک عربی ہے، لیکن غالب کا یہ خیال کہ اگر عربی ات (جمع) کسی لفظ کے آخر میں ہو تو وہ لازماً عربی ہے، قطعاً نادرست ہے۔ مستند ایرانیوں کے یہاں فارسی، ترکی اور مغلی الفاظ کی جمع ات کے ساتھ آئی ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ جس لفظ کے آخر میں ہائے مختفی ہو، اس کی جمع عموماً حذف ہ کے بعد جات لگانے سے بنتی ہے:

وصاف: بلوک ص۱۵۷، جاگیات ص۱۹۳، باغ ص۳۸۵، یام ص۳۸۷، مراسم طویات ص۳۹۹، جامات مروّق از شراب ص۳۹۹، فرانکینیات ص۴۵۰، تغار ص۱۱۴، تنسقات ص۱۸۱ تنسوقات ص۴۷۷، قلانات ص۵۶۰، خانات ص۱۵۷، تومانات عراق و شیراز ص۱۲۶، خواتین و کنات ص۱۰۷۔ ابن بی بی: جاگی ص۲۷۶، طبر: سیورغال ص۸۹۔ یزدی ا: امرائے تومانات و ہزارجات ص۲۱۹، مجلکات ص۵۱۴، گیلانات ص۴۰۹، تومانات و صدجات و ہزارجات ص۴۹۲، قوشون ص۵۳۴، یزدی ۲: سیورغال ص۱، بیلاکات و تنسوقات ص۳۶، تنکجات ص۲۳۶، باغ گرم سیر ص۱۷۹، طہماسپ: ادیاق ص۱۸، اولوسات و ایاقات ص۲۷، سقناق ص۲۷۔ تذکرۃ الملوک: اجناس ہمہ سالجات ص۱۵، روزنامجات ص۱۷، قورق ص۲۴، کارخانجات ص۱۷، سیورغال ص۲۷، نوشتجات ص۲۸، سرکار ص۲۹، بروانجات ص۴۲، صاحب جمع غانات ص۵۰، ایلات و ادیاقات ص۷۰، دِہ ص۷۹، بلوک ص۸۷، قپان ص۱۰۸، مزارع مغانات ص۱۰۹، سررشتجات ص۸۳۔ دولت —— خزانیات ص۵۸، بہاریات ص۴۹۷، پندیات ص۷۲، چرخیات ص۱۷۱۔ انشائے طاہر وحید: سفارش ص۴۷، نوازش ص۵۶، ایلاق ص۵۹، ایماق ص۲۲۔ تاریخ طاہر وحید: نوازش ۹، نوشتجات ۳۱، ادیاق ۱۰۱۔ عالم: ییلاق ص۲۶، نوازش ص۲۸، تیول ص۵، بیلاک ص۸۶، گرجستانات ص۶۳، ادیماق ص۹۲ نوشتجات

ص۱۱۸، سیورغال ص۱۳۱، بلوک ص۲۱۵، تنسوق ص۲۱۲، خانات ص۲۲۶، لوند ص۵۵۴، کلیات حزین مطبوعہ: سیورسات ص۱۰۴، گرم سیر ص۴۲، سردسیر ص۴۵، سیورغال ص۶۷، الوس ص۸۹، دِہ ص۹۰۔ غازانی: گرم سیر ص۲۶۵، قلان ص۳۰۲۔ روضہ ۱: ییلاک ص۲۸، باغ ص۳۵، گذارش ص۱۸۸۔ روضہ ۵: تنسوق ص۴۱ روضہ ۶: بلوک ص۲۴۱۔ روضہ ۷: ایماق ص۸۸، سیورغال ص۹۱۔ نگار: ییلاک ص۲۰۲، تنسوق ص۲۶۳، تنکجات ص۲۹۷، ییلکات ص۴۶۳۔ جہاں گشای نادری: ایل ص۳، قلاع وستقاقات ص۵۳، ادیاق ص۲۲۶، سیورسات ص۴۷، ییلاق ص۲۵۴، کوہستان ص۲، کارخانجات ص۴۰، نوشتجات ص۴۷، نوازش ص۹۷، پیغام ص۹۹، ہزارجات ص۱۷۸، دِہ ص۱۵۹، سفارش ص۱۸۹، پرگنات ص۲۲۵ مطلع ۱: ییلاک ص۱۱۳، تنسوق ص۱۰۸، تومان ص۲۱۹، سیورغال ص۱۵۱، قشون ص۲۵۰ مطلع ۲: بلوک ص۱۲۵۔ گنج: ایل ص۱۸۹، ناجات ص۳۵۳، کلیم: وطن باپرگنات دیگر کشش داد ص۴۸، فتح کانگڑہ مصنفہ جلالا: پرگنات ص۱۰۳۔ فرشتہ ۱: پرگنات ص۵۲، کوہستان ص۱۱۵، تنسوق ص۱۲۶، تھانجات (تھانہ لفظ ہندی)، تنکجات ص۳۸۔ آتش: بلوک ص۲۴۵، نوازش ص۱۸۷ عارف: فرمایش ص۱۴۳، ییلاق ص۱۳۲، باغ ص۶۷، بلوک ص۳۷، دِہ ص۴۷، گذارش ص۸۸۔ رموز: نوازش ص۵۶، شیرینیات ص۵۵۶، سفارش ص۵۳۷، کارخانجات ص۵۶۸۔ میخانہ: نوشتجات: ص۳۳۴۔ ناصرالدین: ایل ص۵، باغ، نوشتجات ص۷، کارخانجات ص۱۸، میوجات ص۸۲، دستجات ص۲۰، سیورسات ص۱۱۱، ییلاق ص۱۳۲، بلوک ص۱۶۶ اسلمان ساوجی از رشید یاسمی: تحویل ص۴۴، بلوک ص۷۸۔ مغ ۵: نگارش ص۱۷۷۔ قابوس: نمودار ص۱۰۶

(مگر یہ نجوم کی اصطلاع ہے جو غالباً عربی میں بھی مستعمل ہے۔)

(۴۹) "حضرت مولوی صاحب.. شکم واشکم وسپید واسپید.. کی حقیقت ایک بتاتے ہیں.. اشکم واسپید.. کو.. دری بتاتے ہیں، شکم اور سپید.. کو حق میں خدا جانے کیا فرماتے ہیں اصل.. یہ ہے کہ سپید و شکم دو لغت جامد ہیں، ان پر

الف وصل لاتے ہیں، چاہو عکس یعنی اشکم و اسپید کو لغت اصلی اور شکم و سپید کو مخفف کہو۔" تیغ ص۸ یعنی یہ کہ اگر کوئی لفظ الف کے ساتھ ملے اور اس کے بغیر بھی، تو تمھیں حق ہے کہ خواہ یہ سمجھو کہ اصلاً بغیرِ الف ہے یا یہ کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہ محض فضول بات ہے اور احمد اور غالب کے درمیان مابہ النزاع بھی نہ تھی۔ اصل یہ ہے کہ ہر لفظ کا معاملہ جداگانہ ہے۔ شکم جو مروجہ فارسی ہے، پہلوی میں اشکمب تھا۔ سپید پہلوی میں بھی بغیر الف تھا، مگر اس میں س ساکن تھا جو اس زبان میں فارسی کے برخلاف، روا ہے۔ مجھے یاد آتا ہے کہ غالب نے کہیں یہ بھی لکھا ہے کہ اشکم میں الف وصل ہے مگر اس وقت یہ بتانے سے قاصر ہوں کہ یہ ان کی کس کتاب میں ملے گا۔

(۵۰) "فرجد بوزن ابجد پدر جد.. خواہ مادری.. خواہ پدری"۔ برہان "سبحان اللہ فر فارسی و جد عربی۔ فر بمعنی بزرگ اندیشیدن و جد بمعنی پدر پدر فہمیدن چہ قدر بر خویش خندیدنست.. شارحان قران السعدین مصرع امیر خسرو را بہ استشہاد آوردہ اند و فرجد را بمعنی پدر سوم گمان کردہ اند. مصرع: "از جدانہ فرجد خود یافتہ" گوئی ممدوح امیر خسرو سلطنت جد خود از پدر جد خود یافتہ بود، حال آں کہ ایں گمان غلطست.. آں بادشاہ سلطنت جد خود از پدر خود گرفتہ بود.. فرجود لغتیست پہلوی بمعنی کرامت و فرجد بضم جیم مخفف آں و درین مصرع ہماں فرجُد است بضم جیم نہ فرجَد بجیم مفتوح۔ معنی مصرع اینکہ ممدوح من فرجد یعنی سلطنت جد از کرامت و یاوری اقبال یافت۔ چوں فرجُد را نمیدانستند، پردادا ترجمۂ آں شناختند و بہ سوی ایں امر قوی کہ فلانی برادر تنگ جہانبانی بجای جد خود کہ آنرا دادا گویند نہ بجای جد پدر خود کہ.. آں پردادا باشد، نظر نہ کردند و قیاس را کار فرمودند۔ نازم بدیں دکنی کہ فرجود.. بہ معنی معجزہ.. مینویسد و فرجد را مخفف آں نمیداند و بہ تبعیت شارح قران السعدین فرجد بمعنی پدر جد می نویسد، حال آں کہ در عربی و فارسی از بہر پدر جد اسمی خاص معین نیست"۔ قاطع ۹۲

" اور یہ جو منشی جی لکھتے ہیں آں بادشاہ سلطنت جد خود از پدر خود گرفتہ بود

یہ سراسر خلاف قرآن السعدین ہے۔ خسرو کا ممدوح تخت.. دہلی پر اپنے دادا کی جگہ بیٹھا تھا اور اس کا باپ بلاد شرقیہ میں جداگانہ سلطنت کرتا تھا۔ اور یہ جو منشی جی لکھتے ہیں کہ فرہنگ رشیدی والے نے بمعنی جدا علی لکھا ہے، ہم کہتے ہیں کہ یہ صفت ہے جلک جیسے والد ماجد، خیر فارسی میں جدامجد کی جگہ فرجد لکھا، حاشا کہ فرجد سے پر دادا مراد ہو.. اور منشی جی جو امیر خسرو کا دوسرا شعر.. لکھتے ہیں گر جد والاش زبہر کرم الخ یہاں بھی والا.. صفت ہے نہ نبیرہ اور اگر صفت افادۂ معنی تثنیہ کرتی ہو تو منشی جی کو از روے والد ماجد ایک اور باپ والد حقیقی سے بڑا ابہم پہنچانا ہوگا۔ اور یہ جو منشی جی سنائی کا شعر۔ لکھ کر کہتے ہیں کہ غالب یہاں بھی فرجد کی معنی کرامت کہے گا میں کہتا ہوں فرجد بہ جیم مضموم.. مخفف فرجود بمعنی کرامت ہے بے شبہہ و شک، اگرچہ فقیر بہ سبب منشی جی کی غلط نویسی کے شعر کو درست نہیں پڑھ سکتا، نقل کیے دیتا ہوں:

داشتہ فرجدش دہی روزی   در سرایں فضول دہقانی

پس اس شعر کے پیش مصرع میں اگر منشی جی فرجد بہ جیم مضموم پڑھتے ہیں تو معارض کو ایک اور دلیل ان کی حمق پر ہاتھ آئی اور اگر فرجد کہتے ہیں تو وہی جدامجد یعنی دادا نہ پردادا۔" ل ۱۲۔

(الف) غالب نے ممدوح خسرو سے متعلق قاطع کی اشاعت اہیں جو کچھ حوالۂ قلم کیا تھا وہ بجنسہ اشاعت ۲ میں بھی موجود ہے، یعنی ایک جگہ یہ کہ اسے اپنے باپ کے سلطنت ملی، اور دوسری جگہ یہ کہ وہ اپنے دادا کی جگہ تخت پر بیٹھا تھا۔ حقیقت وہی ہے جو غالب نے نمبر ۳ سے سن کر ل ۱۲ میں لکھی ہے، لیکن قاطع میں جو تضاد صریح موجود ہے، اسے دیکھتے ہوئے غالب کو صاحب محرق پر غلط بیانی کے لیے اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔ اس نے وہی کہا ہے جو ایک جگہ خود غالب کے قلم سے نکلا ہے۔ (ب) فرجود خرق عادت کے معنی میں دساتیری لفظ ہے، فارسی اس سے بالکل ناآشنا ہے، دساتیر کے ماننے والوں میں کسی نے دساتیر کی اشاعت کے بعد استعمال کیا ہو، تو یہ خارج از بحث ہے۔ فرجود یا فرجوت پہلوی میں آیا ہے، مگر بالکل مختلف معنی میں۔ فرجود اس زبان میں ان

خداپرستوں کو کہتی ہیں جو زردشت سی پہلی گزری ہیں۔ سبک ا ص۱۲۴ (ج) یہ عام طور پر
تسلیم کیا جاتا ہی کہ ان خاص فرہنگوں سی جن ہیں دساتیری الفاظ جمع ہوئی ہوں،
قطع نظر برہان پہلی فرہنگ ہی جس میں یہ الفاظ آئی ہیں۔ اگر فرجاد بہ فتح ج کی جگہ
فرجد بہ ضم ج اس میں نہیں، تو مؤلف بالکل حق بہ جانب ہی غالب خود اسا کی
بحث میں (دیکھیے بحث ملیدہ) لکھ چکی ہیں کہ کسی لفظ کی مخفف ہونی کا مدار قیاس
پر نہیں، سماعت پر ہی۔ اس صورت میں برہان پر معترض ہونی سی پہلی انھیں
یہ ثابت کرنا تھا کہ فرجد مخفف فرجود دساتیر یا کسی اور کتاب میں آیا ہی اور یہ ممکن
نہ تھا۔ (د) غالب نی خسرو کا مصرع اس طرح پیش کیا ہی کہ گویا برہان میں موجود
ہی، حال آں کہ برہان نی اسی نقل کرنا کیا معنی اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا۔
فرجد بہ معنی پدر جد جہاں میں جو برہان کی ماخذوں میں ہی، موجود ہی، اور برہان کو
اس کی لیی شارحین قران السعدین کی طرف رجوع کی ضرورت نہ تھی۔ غالب یہ بھی
نہیں بتاتی کہ شارح کون ہیں اور کس زمانی میں تھی۔ (ہ) یہ عجیب بات غالب
نی لکھی ہی کہ شارحین قران السعدین نی اپنی اس دعوی کی ثبوت میں کہ فرجد پردادا
کی معنی میں ہی خود اسی مثنوی کا ایک مصرع بہ طور سند پیش کیا ہی، اور یقین ہی کہ
یہ خلاف واقعہ ہو۔ شارحین یہ تو سمجھ سکتی ہیں کہ فرجد بہ معنی پدر جد ہی، لیکن،
جس مصرع کی وہ شرح لکھ رہی ہیں، اسی سی استشہاد ایک لغو بات ہی (و) شرح
قرآن السعدین (ظاہرا مصنفہ نور الحق جس کا ذکر مؤید کی ص۳۰۱ میں ہی) کی
عبارت ذیل سی جو مؤید ص۲۱۲ میں نقل ہوئی ہی، یہ بھی ثابت نہیں کہ شارح کو
اس پر اصرار ہی کہ مصرع خسرو میں فرجد پردادا کی معنی میں مستعمل ہوا ہی: جد بفتح
بمعنی پدر کلاں وفر۔۔ دولت وجد کہ متصل آنست بمعنی پدر کلانست ونیز میتواند کہ
بمعنی بخت باشد وہمیں اگر بواد عطف باشد چنانچہ دربعض نسخ است وفرجد ثانی۔۔
بمعنی جد کلاں۔۔ معنی اینکہ نور بخت از جبہۂ او لامع گشتہ و دولت جد از جد کلاں
بوی رسیدہ ای دولت را اباً عن جد یافتہ وفرجد بمعنی طالع نیز نوشتہ اند (ز) مصرع

خسرو میں فرجد بہ ضم ج ہو یہ قطعاً ممکن نہیں؛ اور فرجد بہ معنی خرق عادت کا محل بھی نہیں؛ اگر فرجد بہ معنی طالع ثابت ہو جائے، تو یہ سب سے زیادہ موزوں ہے، مگر اس کے لیے سند درکار ہے۔ اس سے قطع نظر کہ فرجد مصرع زیر بحث میں بہ معنی پدر جد ہے یا نہیں، یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ خسرو نے دوسری جگہ فرجد بہ معنی نیا استعمال کیا ہے اور عفیف (یعنی تاریخ مصنفۂ شمس سراج عفیف ملک) سے جس کا مصنف وفات خسرو کے کچھ ہی بعد پیدا ہوا ہے، اور خسرو کی طرح دربار دہلی سے وابستہ تھا، ثابت ہے کہ اس کے معنی پدر جد ہیں۔ قریب بہ یقین ہے کہ خود خسرو نے بھی پر دادا کے لیے استعمال کیا ہے۔ عبارت اعجاز ۲ ص ۱۶۳: "جد فلاں کلاں ہنوز سیہ ریش است .. فلاں کس فرجد را جد میگوید، واللہ فر الجد منہ"؛ عفیف اس مقام پر جہاں فیروز شاہ کے باپ کی شادی کا ذکر ہے لکھتا ہے: "دراں ایام فرجد ایں مؤرخ اعنی ملک سعد الدین شہاب عفیف عہدہ داری ولایت ابوہر داشت" ص ۳۷؛ "رانہ مل (جد مادری فیروز شاہ) ایں راز را بر فرجد ایں مورخ گشاد" ص ۳۹۔ فیروز شاہ اور جد عفیف ایک ہی دن پیدا ہوئے تھے اور فیروز شاہ نے فرجدۂ عفیف کا دودھ پیا تھا چناں چہ عفیف کے باپ اور چچا سے کہا کرتا تھا: 'من شیر جدۂ ایشاں خوردہ ام' ص ۳۹ (خ) غالب نے یہ مہمل اعتراض کہ فرجد کا ایک جز فارسی اور ایک عربی، اشاعت ۲ میں علیٰ حالہٖ رہنے دیا ہے لیکن ل میں اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا، بل کہ اسے تسلیم کر لیا ہے کہ جس طرح جد امجد استعمال میں ہے فرجد بھی ہو سکتا ہے، مگر وہ اس خیال پر کہ یہ پردادا کے معنی میں نہیں، بہ دستور قائم رہے۔ ہندوستانیوں کی لکھی ہوئی فرہنگوں، مؤید الفضلا، کشف اللغات اور مدار الافاضل میں بہ معنی پدر جد ہے، جہاں میں بھی یہی ہے اور اس میں شعر خسرو کے علاوہ سوزنی کا شعر ذیل سند میں دیا ہے:

جد بہ جد تو در بر ملک داراں داشتند ۔۔۔ کاندریں دولت چنیں بافرخی فرجدی

سروری میں اس کے معنی جد اعلیٰ لکھے ہیں اور سند میں خسرو کا شعر اور سنائی کا شعر جو ل ۱۲ میں محرق سے نقل ہوا ہے درج ہے۔ زمانہ، حال کے ایک شاعر

مرزا نصراللہ خاں صبوری (مخ جلد ۱۲) کی یہاں نیاگان فرجدی آیا ہی:

من پاس دارِ جشن سدہ زاں شدم کہ بود ... دارای رسم نیک نیاگان فرجدیست ص ۵۰۵

(ط) سنائی کا شعر اس کی دیوان کی کسی نسخہ میں جو میری نظر سی گزرا ہی موجود نہیں، اور جہاں میں جس طرح ہی اس سی بالکل پتا نہیں چلتا کہ فرجد کی معنی کیا ہیں۔ سوزنی اور صبوری کا شعر یہ ثابت کرنی کی لیی ناکافی ہی کہ فرجد پردادا کی معنی میں ہی۔

(۵۱) استر بروزن کفتر از دواب مشہور، برہاں " حاشا کہ ۔ ۔ بفتحتین باشد، آں اُستُر است بہردو ضمہ بروزن پُردُر ستر مخفف آں وستور مزید علیہ چنانکہ سعدی راست:

قطعہ: آں شنیدستی کہ وقتی تاجری ... در بیابانی بیفتاد از ستور
گفت چشم تنگ دنیادار را ... یا قناعت پرکند یا خاک گور"
دک ص ۳۰

برہاں نی استر کو بہ فتحتیں نہیں کہا، بروزن کفتر کہہ کی یہ بتایا ہی کہ حرف اوّل و سوم مفتوح ہیں۔ بہ فتحتیں کہنا اس وقت روا ہوتا جب حرف ا و ۲ مفتوح ہوتی۔ استر بالاتفاق بروزن کفتر ہی اور غالب کی سوا میری علم میں کوئی شخص اس کا مدعی نہیں کہ اس کا الف اور ت مضموم ہی۔ الف استر کی حرکت داخل قافیہ نہیں، مگر اس کی مخفف است کی الف کی حرکت قافیی میں داخل ہی اور یہ ایک شعر میں پیوست کا قافیہ نظم ہوا ہی، جسی فتحۂ الف استر کا بھی ثبوت سمجھنا چاہیی۔ شعر ذیل جہاں میں عسجدی کی نام درج ہی، لیکن بعض دوسری کتابوں میں طیان مرغزی کی طرف منسوب ہی:

آں خسیس حرامزادہ چو است ... ہمچو خرخر خری کند پیوست

فتحۂ تا کی ذی شمار اسناد میں سی چند درج ذیل ہیں: 'بجای موکب گوہر نہاد بر استر' عنصری ص ۹۶+، 'بہ سبک داشتن پای بر اسپ و استر' فرخی ص ۱۵۱+،

'تو از گوہر ہمی مانی بہ استر'، دیں درائیں ص۱۳۱، 'بار عصیان ترا بر اشتر و استر برند'،
قصائد سنائی، ص۲۰ +، 'درپی اشتر سپرد و در سم استر شکست'، انوری م۲۲۴، 'ز قفل
زر از تو فرج استر'، تحفۃ العراقین ص۸۵، 'بہ زیر استر و شی امانہ استر'، حیرتی ص۳۸۔
شعر ذیل ف ایس ہی:

'ای سند چو استر چہ نشینی تو بر استر چوں خویشتنش را بکند مرد مسخر منجیک

(۵۲) غالب نے ستر مخفف استر کا نہ ہم وزن دیا ہے اور نہ صراحتہً س دت
کی حرکات بتائی ہیں، لیکن، اس سے قطع نظر کہ کاتب نے دونوں حرفوں پر پیش دیا
ہے، یہ ناگزیر ہے کہ غالب جو استر کے الف اور ت کو مضموم سمجھتے ہیں ستر کے س اور ت
کو بھی مضموم قرار دیں اس کے حرف اکی حرکت داخل قافیہ نہیں، لیکن سروری
نے اسے بالفتح لکھا ہے اور پور بہائے جامی کے قطعۂ ذیل سے جو اسی فرہنگ میں ہے فتحۂ
تا ثابت ہے:

نہ عالم نہ زاہد نہ جاہل نہ رند نہ انثیٰ نہ خنثیٰ نہ مادہ نہ نر
چو خر لاشہ و در حماقت چو گاو زبوں ہم چو اشتر حرون چوں ستر

(۵۳) غالب نے ستور کو ستر مخفف استر کا مزید علیہ کہا ہے، مگر اس دعوے کا
ثبوت پیش نہیں کیا، اور نہ وہ چاہتے تو پیش کر سکتے۔ اوستائی زبان میں اوَمیہ
چارپایاں خرد مثل میش و بز کے لیے اور سَتَوَرَ (س ساکن، ت مفتوح، ہمزہ بہ ضمۂ
کوتاہ، ر مفتوح) چارپایان بزرگ مثل شتر و استر و اسپ و گاو و خر کے لیے آتا ہے
(یشتہا ص۳۷۲) یہ لفظ فارسی میں ستور اور استور ہو گیا ہے ـــــــ زیادہ
اور دوسرا کم مستعمل ہے، اسناد استور: 'یکی استور مردم را ہمانا دیں درائیں ص۵۳۔
استور زوزنی ص۶، ص۱۶۔ رومی ص۴۳۔ اب یہ دیکھیے کہ ستور فارسی میں کس کس طرح
استعمال ہوا ہے: 'چو بر اسپی ستوری بر ستوری'، انوری م۲۴۷۔ یہ بالکل ظاہر ہے کہ اس
مصرع میں ستور سے اسپ و خر و استر وغیرہ میں سے کوئی خاص چارپایہ مراد نہیں،
انوری نے ایک انسان کی ہجو کی ہے اور یہ کہا ہے کہ گھوڑے پر چڑھتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ

ایک جانور دوسری پر بیٹھا ہی۔ عنصری کی ذیل میں ایسی جانور کی لیے آیا ہی جس سی سواری و بار برداری دونوں کا کام لیا جاتا ہی: "ستور زینی زین دستور باری بار" ص۱۴۳ عنصری کی شعر ذیل سی اسپ و خر دونوں پر ستور کا اطلاق ثابت ہی، مگر اس سی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ استر وغیرہ کی لیے استعمال ہو سکتا ہی یا نہیں:

اگر بجنس ستوری یکی بود خر و اسپ　　　باسپ تازی ہرگز چگونہ ماند خر　ص۱۶۱

فردوسی کی شعر ذیل میں جو داستان رستم و سہراب سی ماخوذ ہی، ستور آیا ہی، مگر صاف ظاہر ہی کہ شاعر کی مراد استر سی نہیں۔ مادۂ استر کی بچہ نہ ہونا مسلمات شعرا سی ہی، اور اس لیے بانجھ کو ستروَن کہتی ہیں:

"ہمی بچہ را باز داند ستور　　　چہ ماہی بدریا چہ در دشت گور"

ش۱ ص۲۰۱

ش خ کی اس شعر میں ستور و گاو دونوں ہیں، جس سی یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہی کہ گاو ستور میں شامل نہیں:

میان بز و میش و گاو و ستور　　　شمر دم شب و روز گردندہ ہور　ص۹۶

ذیل کی دو شعروں میں ستور سی صرف استر کسی طرح مراد نہیں:

"ز سم ستوران دران پہن دشت　　　زمین شش شد و آسمان گشت ہشت"

ش۱ ص۱۳۶

"چنیں داد پاسخ کہ اید ستور　　　نیابد مگر چشمہ آب شور" ش۲ ص۴۲

برزو نامہ کی شعر ذیل میں ستور سی رخش رستم کی طرف اشارہ ہی، رخش کا ذکر اس سی پہلی آ گیا ہی:

"بدو گفت کایں مایۂ جنگ و سور　　　چہ تازی بریں دشت ہرزہ ستور"

ص۲۸۲

زین الاخبار میں ستور اسپ کی لیے آیا ہی، مگر یہ لفظ اس طرح بھی استعمال ہوا ہی کہ اسپ داشتہ گویا ستور میں شامل نہیں: حرب ہمیکردند تا ستور شش طاقت

داشت وچوں اسپش بیفتاد او پیادہ شد ص۲۹" بستورگاہ رفتند اسپاں بگشادند" ص۹۴۲، "گوسفند وشتر واسپ وستوراں،" ص۲۹ ایک شاعر شرف شفروہ نے بہ قول سروری ستور کو اس طرح بھی استعمال کیا ہے کہ صرف استر پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے:

خدایا چہ بودی اگر مادرش ازیں خرستروں شدی چوں ستور

لیکن حقیقت وہی ہے جو تیشتہا میں درج ہے۔ خود غالب نے بھی ایک جگہ ستور کو "اسپ" کے لیے استعمال کیا ہے (دیکھیے بحث کرہ)۔ رہا ستور کا مزید علیہ ستر ہونا، تو یہ بالکل درست نہیں؛ اس سے کہیں زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ خود استر (بعد تبدیل ضمہ بہ فتحہ وحذف واو) ستور کی ایک شکل ہے، جو کسی وجہ سے جس کا ہمیں علم نہیں، ایک خاص جانور خچر کے لیے مخصوص ہو گئی ہے، مگر اس وقت اس باب میں قطعی طور پر کچھ کہنے سے قاصر ہوں۔

(۵۴) برہان میں "آواز گشتن بہ معنی... مشہور گردیدن" ہے، غالب فرماتے ہیں کہ "بلند آواز گشتن بہ معنی شہرت مسلّم، تنہا آواز یا آوازہ گشتن بہ معنی شہرت شہرت ندارد، نہ من شنیدہ ام ونہ کس شنیدہ باشد،" قاطع کی اشاعت اول میں اسی قدر تھا، لیکن محرق میں فخر گرگانی کا شعر ذیل جو اس نے جہاں سے لیا تھا، غالب کی نظر سے گزرا تو انھوں نے اشاعت ۲ میں یہ اضافہ کیا: "اگر گفتہ آید کہ فخر گرگانی میفرماید:

"اگر نومیدزیں درباز گردم بہ زشتی درجہاں آواز گردم"

گوئیم ایں نادر است و بر نادر حکم نتواں کرد۔۔ کلامیکہ ہمیں دریکجا مذکور باشد وآں نیز خلاف عقیدۂ جمہور باشد، پذیرفتن آں کدام دستور باشد؟ نہ در گفتار معاصرین فخر ازیں ترکیب نشاں ونہ آناں را کہ بعد ازوی در فن سخن کوس 'انا ولا غیری' بلند آوازہ ساختہ اند ایں کلمۂ غریب برزباں" ص۲۴ جب غالب سے کسی لفظ کی جو کسی ایک ایرانی شاعر کے یہاں آیا ہے، سند مانگی جاتی ہے، تو وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اہل زبان پر اعتراض ہے، لیکن جب خود کسی لفظ پر

معترض ہوتے ہیں تو، ایک شاعر کی سند خواہ وہ فخر گرگانی ہی کیوں نہ ہو، ناکافی سمجھتے ہیں۔
'یک بام و دو ہوا' اسی کو کہتے ہیں۔ غالب اس کے روادار نہیں کہ کوئی لغت غریب
فرہنگوں میں جگہ پائے حالانکہ فرہنگوں میں مانوس و غیر مانوس ہر قسم کے لغات کا شمول لازم ہے، لیکن کم ان کہ
خود بے تکلف اپنے نظم و نثر میں ایسے لغات لاتے ہیں، جن کی غرابت یقینی ہے کہ خود
ان کے نزدیک مسلّم ہو۔ دساتیری الفاظ غالب کے عقیدے کے مطابق تسلّط عرب
سے پہلے کی فارسی کے ہیں، لیکن دساتیر یوں یا فریب خوردگانِ دساتیر کے علاوہ
کسی کے یہاں نہیں ملتے مگر دستنبو ان سے بھری ہے اور بعض دساتیری الفاظ دوسری جگہ
بھی استعمال کیے ہیں۔ 'آرنگ' برہان میں ایک لغت ہے جس کے ایک معنی پنداری
بھی دیے ہیں، غالب قاطع کی اشاعت اول میں اس کی سند کے طالب تھے، لیکن
رودکی کا شعر ذیل محرق میں دیکھا تو اشاعت ۲ میں یہ کہنے لگے کہ 'آرنگ'، 'پنداری'،
نہیں، 'ہرگز' و 'زنہار' کے معنی میں ہے:

'ہرگز نہ کند سوی من خستہ نگاہے آرنگ نخواہد کہ شود شاد دل من' صـ۱۷

اس شعر میں غالب و برہان دونوں کے بیان کردہ معنی ممکن ہیں، مگر غالب
نے اس امکان کو نظر انداز کر کے کہ وہ غلطی کر سکتے ہیں، آرنگ کو قاطع کی اشاعت
۲ میں بہ معنی ہرگز استعمال بھی کر دیا: 'آرنگ نباید کہ ایں راز ترید ن۔ نام نہند'
صـ۱۹ اس سے بحث نہیں کہ غالب کا قول صحیح ہے یا غلط، کہنا یہ ہے کہ آرنگ دونوں
میں سے کسی معنی میں رودکی کے شعر مرقومۂ بالا کے سوا کہیں اور مستعمل نہیں ہوا اور غالب
نے آواز گشتن کے نادر ہونے کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا لفظ لفظ اس پر صادق ہے۔
برہان نے اگر دوسرے فرہنگ نگاروں کی تقلید میں آواز گشتن کو اپنی فرہنگ
میں شامل کیا تو غالب کو اس پر اعتراض کا حق نہیں۔ آواز آوازہ کی جگہ بھی
مستعمل ہوا ہے:

'ہمانا شنیدستی آوای سام بند در زمانہ چنو نیکنام'
شش ۳ صـ۶۳

شنیدی ہمہ نام و آوازِ شاں، ش ۱ ص۵۲ ہمانا میں آوازی = آوازہ ہے۔ فارسی میں 'شہرہ شدن' بجای 'مشہور شدن' آیا ہے اور شہرہ بطور صفت بھی ملتا ہے: دگر من شوم در جہاں شہرہ، ش ۳ ص۱۶۴۰: بدو گفت برزو کہ آں شہرہ زن، برزو ص۲۸۲۔ آواز گردم بہ معنی مشہور شوم ویس ورامین میں ایک جگہ اور آیا ہے:

گہی گفتی ہم اکنوں باز گردم بہل تا در جہاں آواز گردم

احمد کا خیال ہے کہ خاقانی کی ایک شعر میں جو آوازہ شد آیا ہے اس کی معنی بھی مشہور شد ہیں۔ مؤید ص۷۸۔ اشعار ذیل تحفۃ العراقین ص۷۸ میں ہیں:

چترش فلک المحیط خوانند تختش بہ محل عرش دانند
آوازہ شد اندریں کہن فرش کالسلطان استوی علی العرش

(۵۵) "فارسی میں سرشار صفت ہے پیالے کی معنی لفظی اس کی لب ریز، پس شارب کو لب ریز کیوں کر کہیں گے؟ اور یہ جو اردو میں مست و سرشار مترادف المعنی استعمال میں آتے ہیں، امر جداگانہ ہے، فارسی میں تتبع اردو کا ناجائز ہے"۔ عود ص۱۵۵۔ فارسی میں سرشار کس کس طرح آتا ہے ذیل کی مثالوں سے واضح ہوگا:

آدم دو از مستی از ہوای دانہ ناگہ اندر دام آورد آں بت سرشار مست ص۱۴۹

یہ شعر رومی کے دیوان مطبوعہ میں ہے، لیکن عجب نہیں کہ اس میں تصرف ہوا ہو۔ اگر معتبر قلمی نسخوں میں بھی سرشار نکلے تو یہ شعر اس لفظ کے استعمال کی قدیم ترین سند ہے۔ حوض سرشار، تاریخ طاہر وحید ۴۶، سرشاری جرأت ص۹۵، دیوان ظہوری میں یہ لفظ عیش ص۱۹۰، لطف ص۲۰۶، مستی ص۵۶ وغیرہ کا قافیہ آیا ہے۔ جلال اسیر کے یہاں سرشار اسمای ذیل کی صفت: عشق ص۱۲۶، احسان ہای ص۲۳، استغنا ص۴۵، چشم ص۵۰، الفت ص۲۲۸، ہمت ص۲۶۳، حیرانی ص۳۸۰، تغافل ص۱۴۴، عزت ص۱۷۵، اشک خجالت ص۱۹۸،

"اضطرابم دگر از بادۂ تمکیں شار" ص۲۰۷، "جلوۂ سرشار مستیہای صبح" ص۲۴۱، "خار خشک
از گریہ ام سرشار" ص۲۵۳، "وفا سرشار و سرمست ساقی گران او" ص۲۷۴ "سرشار محبت"
ص۲۸، اشک ص۴۶۸ ——— سرشاری توفیق ص۳۲۳، "برنگی خویش را در یکدلی سرشار
میدانم" ط۳۲۹، "ہنوز از بید ماغی خویش را سرشار میدانم" ص۸۷۔ مصرع فیاض:
"سرشار ملامتم چہ سازم" ص۲۵۶، حزیں: "آنقدر می بقدح ریز کہ سرشار شویم" ص۵۸۹،
"ای جنون من سرشار بہار است بہار" ص۵۰۷، "کفش در رقص چوں مستاں سرشار"
ص۸۳۵، "سرشار جنونم رہ سرشار کدا مست" طالب ص۳، "مخمور را نگاہ تو سرشار
میکند" صائب ص۴۵۴، "کی کند دیوانہ سرشار تمکیں سنگ را" ص۶۰ "گردی..
ازیں بادہ .. سرشار" انشای طاہر وحید ص۵۱، "کی بود دل زمی وصل تو سرشار کمم"
فیاض ص۱۵۱، "ہر کہ خواہد تا شود سرشار عشق" عندلیب کاشانی ص۱۹۱ "سرشار
زنعمت ہمہ خرد و بزرگ" ص۱۷۶، "آں دانہ یاقوت (یعنی) کز رنگ سرشار آمدہ"
طغرا ص۳۳۹، "تا دامن دریا تری زاں حسن سرشار آمدہ" ص۳۳۹، "مطرب زتر دستاں
بود از فیض سرشار آمدہ" ص۳۳۷ یوسف زلیخا کہ الحال اشتہار سرشاری دارد "میخانہ
ص۹۵، "آبلہ سرشاری برآورد" ص۱۷۶، "بادۂ سرشار و الہ" ص۵۸، "نظارۂ سرشار"
ص۱۳۷، "طالع سرشار" ص۱۰۹، "نگاہ سرشار" ص۱۵۹

سرود گل بلبل و تندرو بباغ   از می حسن و عشق او سرشار علوی ص۶۶

"نازم بجوع بلبی سرشار ایں سگاں بچی" ص۲۴، "غیر ازیں ساغر کہ از حد رفت سرشار
او فتاد" طالب ص۱۲۵ "لب بحر از خندہ سرشار شد" قدسی ص۲۶، "شب کہ از جام
حریفاں مست من سرشار بود" عوض خاں تذکرۂ حزیں، کلیات ص۹۹۶ "زیں
ساغر مرد افکن سرشار نباید شد" حزیں ص۴۰ "حسین علی خاں از جام نشاط سرشار
بود" ہما ص۶۸ "بہ پابوس تو گل چوں بیخود سرشار (کذا) می افتد" مخفی ص۲۷، "ترا سرشار
لطف ای یار کردم" فوقی ص۵۴۔ دماغ سرشاری دارم رموز ص۶۴۶، "قلندر سرشار کہ"
ص۱۳۱ (۵۶)، "فسوس بکسر اول و ثانی بواو مجہول رسیدہ بمعنی بازی و ظرافت و

سخر و لاغ و دریغ و حسرت واز راه برون شدن نوشت ... رہروان را آگہی باد کہ غول وادی گفتار طرفہ بانگی زدہ است، تازی و پہلوی را باہم پیوست دیدہ گذار نظارہ شنگرف نقشی بست ۔ من ایں را نمیگذارم و پردہ از روی کارش برمیدارم۔ افسوس بالف مفتوح و واو مجہول لفظ تازیست بمعنی دریغ ۔ چنانکہ تاسف و متاسف و وااسفاہ ہمہ مستخرج از افسوس است؛ و فسوس بہر دو ضمہ و واو معروف لغتی است فارسی ترجمہ، استہزا۔ ایں بیخرد افسوس و فسوس را یکی دانستہ و بہر گونہ معانی کہ در عربی بہر افسوس و در فارسی برای فسوس بود پارہ پارہ بہم دوخت" (دک ص۹۳)

(الف) یہ خیال کہ افسوس و فسوس کی اصل اور معانی مختلف ہیں بالکل بے بنیاد ہے۔ پہلوی لفظ افسوس ہے جو استہزا اور مماثل معانی کے لیے آتا ہے۔ بندہای آذر باد مارسپنداں کی عبارت ذیل جو سبک جلد اسے مع ترجمہ ماخوذ ہے ملاحظہ ہو:

پَت مَس داذ تر بر، افسوس مہ کن، چیہ توژ ایبر مَسدات تر بویہ = بہ مسن تر از خود استہزا مکن چہ تو نیز زمانی مسن شوی ص۱۲۱

حذف الف سے فارسی میں فسوس پیدا ہوا، اور افسوس و فسوس دونوں نئے معانی میں بھی مستعمل ہونے لگے، مگر ان دونوں میں کبھی امتیاز نہیں کیا گیا۔ ان دونوں کے وہ معانی جن پر غالب معترض ہیں، مثالوں سے ثابت ہیں جو اس بحث کے آخر میں ملیں گی۔ واضح رہے کہ قدیم نظم و نثر سے ایسی معانی کے اسناد بھی دیے جائیں گے جن سے غالب کو اختلاف نہیں، اور مثالوں سے بعض ایسی معانی کا پتا بھی ملے گا جن کا برہان نے ذکر نہیں کیا۔ (ب) غالب جمہور کے خلاف عربی میں واو مجہول کے وجود کے قائل ہیں اور مدہوش کی بحث میں جو انھوں نے یہ لکھا ہے کہ "ہیچ صیغہ، مفعول در عربی بواو مجہول نیست" (دک ص۱۰۱) یہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک عربی میں واو مجہول ہے، گو اسم مفعول اس کے ساتھ نہیں آتا۔

(ج) فعلول عربی میں مصدر کا وزن نہیں، اسم جامد کے اوزان سے ہے، اس صورت میں کسی دوسرے لفظ کا افسوس سے مستخرج ہونا کیا معنی؟ مزید یہ کہ داا اسفاہ میں ایک سے زیادہ کلمات ہیں، اس کا کسی ایک کلمے سے نکلنا کسی طرح ممکن نہیں۔ فعلول عربی میں بالضم ہے، اور عصفور، جمہور، صندوق وغیرہ جو زبانوں پر بالفتح ہیں، دراصل بہ ضم اول ہیں۔ افسوس اگر عربی ہوتا تو عصفور وغیرہ کی طرح مضموم الاول ہوتا اور بہ طریق شاذ مفتوح الاول ہے تو یہ امر قابلِ ذکر تھا (د) افسوس اگر غالب کے نزدیک ثلاثی مزید ہے تو اس کا مادّہ افس ہے، اسف تو تاسف کا مادہ ہے، عمل تقلیب ہی سے پیدا ہو سکتا ہے، مگر غالب اس کے متعلق خاموش ہیں، حال آں کہ ایسی باتوں کے قلم انداز کرنے پر انھوں نے برہان کو سخت ملامت کی ہے۔

افسوس کو عربی اور تاسف وغیرہ کو اس سے مستخرج کہنا بڑی فاحش غلطی تھی اور صاحب محرق نے اس کے لیے غالب کی خوب تضحیک بھی کی تھی، لیکن اعترافِ خطا کے سوا چارہ بھی نہ تھا۔ غالب نے اس کی جو صورت نکالی، دیدنی ہے۔ ل ۵ میں سیاح کی زبان سے فرماتے ہیں:

" انسان جائز الخطا ہے خصوصاً ستر برس کا آدمی۔ فقیر سیاح تو یہ کہتا ہے کہ حضرت غالب کے حسن تحریر پر ان کے ہم نشینوں میں سے کسی کی نظر لگی۔ چلو، اچھا ہوا کہ ایسے ہمہ دان عدیم النظیر سے بہ سبب سہو و غفلت کے ہزار بات میں دو۔ ایسی بھی ہوئیں کہ جس سے منشی جی کا دل خوش ہوا اور یقین ہے کہ . . دکنی کی بھی روح خوش ہوئی ہوگی۔ دوسرا مغالطہ جو اس محقق اکمل کو واقع ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اسف کے مشتقات کو افسوس کے مشتقات میں سے لکھا ہے، یہ سہو طبیعت ہے، قصور فہم نہیں ہے۔ اکابر ملت کو مسائل فقہ اور مناظرہ، فن کلام میں ایسے سہو واقع ہوئے ہیں۔ علامۂ تفتازانی کو سید جرجانی سے مقولۂ علم میں تا دیر سکوت رہا ہے، اور صاحب متن کیدانی کو ایسا ناہموار مغلطہ پیش آیا ہے کہ اس نے اشارۂ سبابہ فی التحیات کو باآنکہ مسنون ہے محرمات صلوٰۃ میں لکھا ہے۔ نہ اس سکوت سے علامۂ تفتازانی کی تجہیل لازم

آتی ہے نہ اس بیان سے صاحب متن کیدانی کی تکفیر ہو سکتی ہے۔ شعرا کے اشعار میں اور بلغا
کی عبارات میں۔۔ بہت ایسے سہو و خلل پائے جائیں گے۔ حضرت سعدی۔۔:
ہمہ اگر شتاب کند ہمرہ تو نیست   دل در کسی مبند کہ دل بستۂ تو نیست
۔۔جامی۔۔ ''برو ایں دام بر مرغ دگر نہ   کہ عنقا را بلند است آشیانہ''
ان دونوں شعروں میں ہائے اصلی و ہائے مختفی کا قافیہ۔۔ حافظ۔۔:
صلاح کار کجا و من خراب کجا   ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا
اس شعر میں روی متحرک قافیہ نصیب اعدا۔۔ یہ جو مولانا غالب کو
دو سہو واقع ہوئے ہیں، اسی قبیل سے ہیں جیسے ان بزرگوں کو عارض ہوئے ہیں،
اور یہ ماہرین فن کے نزدیک سہو طبیعت ہے۔ یہ بات جواز الزام کے لیے حجت
نہیں ہو سکتی۔ مع ہذا غالب کا بیان ہے کہ۔۔ برہان۔۔ نے افسوس۔۔ اور فسوس
بروزن عروس کو لغت واحد سمجھا ہے اور یہ خطا ہے اور فسوس بمعنی ستہزا جداگانہ لغت ہے اور یہ جو تو آ
صاحب افسوس کو لغت عربی کہہ گئے ہیں سہو طبیعت ہے، عربی نہ سہی فارسی سہی لیکن دکنی کا
حمق یہ دستور ثابت رہا کہ اس نے افسوس و فسوس کا تفرقہ ملحوظ نہ رکھا''

(الف) قاطع کا آغاز جس وقت ہوا ہے غالب کی عمر ۶۲ برس سے زیادہ کی نہ تھی، سنہ اس لیے
لکھی گئی کہ سہو تقاضائے عمر سمجھا جائے۔ سہو طبیعت یہ ہے کہ کوئی بات معلوم ہو، لیکن
وقتی طور پر انسان اسے بھول جائے یا لکھنا کچھ چاہتا ہو۔ ناو انستہ قلم سے کچھ
نکل جائے۔ غالب کی غلطی سہو طبیعت نہیں، ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ تفتازانی
وغیرہ کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ غلط فاحش کی وجہ سے غالب کے مرتبۂ علمی میں کمی
نہ آنے پائے۔ قریب بہ یقین ہے کہ تفتازانی اور صاحب متن کیدانی کی نسبت
ل ۵ میں جو کچھ مرقوم ہے وہ غالب کو علائی سے معلوم ہوا تھا۔ جس وقت لطائف
غیبی لکھی جا رہی تھی، غالب نے علائی سے مدد مانگی تھی (خطوط ص۳۵۸) (ب)
سعدی ہمرہ اور ابلہ (ہائے مختفی اور ہائے مظہرہ) کا قافیہ فرخی وغیرہ کی تقلید
میں لائے ہیں، اور رومی، معاصر سعدی کے یہاں بھی ایسے قوافی ملتے ہیں: فرخی:

ابلہ وحملہ وچلہ ص۲۶۹، منوچہری کے سہ دمتوجہ۔ حدیقہ: مرچہ ص۲۹۔ رومی: 'عشق آں یک کہ پارہ پارہ نیست'، ص۱۹۰، قوافی آگہہ، شہنشہ وغیرہ۔ (ج) 'بروایں دام الخ' کے مصنف جامی نہیں، حافظ ہیں، اور یہ بیت مصرّع نہیں، اس لیے قافیے میں غلطی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (د) 'صلاح کار الخ' کے بارے میں خود غالب دوسری جگہ لکھ چکے ہیں کہ حافظ مصرع ثانی میں غلطی کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اس لیے غلطی غلطی نہیں رہی (عود ص۶۶) (ھ) عروس ظاہرا غالب کی رائے میں بہ ضمتین ہے، لیکن اہل اردو کے تلفظ سے قطع نظر، بہ فتحۂ اول وضمۂ ثانی ہے۔ (و) برہان نے اگر افسوس وفسوس کی بحث میں غلطی بھی کی ہے تو اس معاملے میں خود غالب سے جو خطا سرزد ہوئی ہے وہ اس سے کم فاحش نہیں، اس لیے غالب اگر اس کی بنا پر برہان کا حمق ثابت کرنے کی کوشش نہ کرتے تو بہتر تھا۔

غالب نے قاطع کی اشاعت ۲ میں اشاعت ا کی ساری عبارت بجنسہٖ رہنے دی ہے اور اس کے بعد یہ اضافہ کیا ہے: "افسوس بالفتح اگر عربی نباشد گو مباش، در فارسی بہ معنی حسرت وحیف ومرادف دریغ است، بہ کسرۂ ہمزہ غلط وبحذف الف لغو ونامستعمل وبمعنی بازی وظرافت وسخر ولاغ ودروغ۔ فسوس بہ ضمتین . . بمعنی استہزا است۔ ازفسوس حسرت وافسوس مراد داشتن، وکذا بالعکس گمراہیست . . افسوس بہ الف مفتوح وفسوس بروزن عروس یکے نیست، ہر یک مفہوم جداگانہ دارد۔ افسوس را اگر من لغت عربی گفتم غلط گفتم وآں سہو طبعی بود۔ امید کہ معتقدان صاحب برہان قاطع . . جامع . . را اگر ہیچ نگویند چنانکہ مرا گفتہ باشند کہ عربی نمیداند دربارۂ وے گویند کہ فارسی نمی دانست۔ آرے، انصاف ہمی خواہد وہر چہ ازیں بگذرد حیف ومیل است وبس۔" (الف) غالب نے اشاعت ۲ کے دیباچۂ نو میں صراحتہً لکھا ہے کہ میں نے ایک جگہ بھی اپنی سابق رائے میں ترمیم نہیں کی ہے۔ غالب کی روش سے جو لوگ واقف نہیں اور اشاعت ا جن کی نظر سے نہیں گزری، انھیں اس اضافے کو دیکھ کر سخت حیرت ہوگی کہ افسوس عربی نہیں، تو ابتدا میں

اس پر اصرار کیوں تھا۔ غالب کو اگر اشاعت اکی وہ عبارت جو افسوس کی عربی ہونی سے متعلق ہی، نکالنی منظور نہ تھی، تو صاف صاف لکھنا تھا کہ اس معاملی میں مجھ سی غلطی ہوئی تھی، اب میں اعتراف کرتا ہوں کہ افسوس فارسی ہی (ب)، غالب نی کسی موقع پر اپنی اس دعوی کا کہ افسوس و فسوس مختلف المعانی ہیں، ثبوت نہیں دیا، مگر اس کی باوجود متوقع ہیں کہ لوگ اسی تسلیم کریں اور برہان کی فارسی مدانی کا اقرار کریں۔

افسوس کی مثالیں: 'آں قوم بر وی خندیدہ و افسوس کردند' بلعمی ص<u>۱۴۱</u>، صفحات ۱۱۳، ۲۰۸ + میں بھی بہ معنی طنز و استہزا اگر عبارات ذیل میں یہ معنی نہیں: 'او بہ تو افسوس داشت و من تحمل نکنم کہ روز تو بہ شب رسد' ص<u>۲۴۵</u>۔ چندیں ملک را قہر کردہ است و چندیں مملکتہا گشادہ است، از تو بہ افسوس باز نہ گردد' ص<u>۶۹۸</u>

'باد و ابر است ایں جہاں افسوس   بادہ پیش آر ہر چہ بادا باد'

رودکی لباب<u>۲</u>

'بخندید و آنگہ بافسوس گفت   کہ ترکاں ز ایراں نیابند جفت'

شش ا ص<u>۱۸۹</u>

'بہ الیاس قیصر یکی نامہ کرد   تو گفتی کہ خوں بر سر خامہ کرد'

شش ۲ ص<u>۲۱۴</u>

'کہ چندی بہ افسوس خوردی خزر   کنوں روز شادیت آمد بسر'

ذیل کی دو شعروں میں افسوس و فسوس کی معنی وہ نہیں جو برہان میں ہیں۔ فسوس والا شعر یہاں پر اس لیی دیا گیا کہ اس سی یہ پتا چلتا ہی کہ 'برفت الخ' میں افسوس کی کیا معنی ہیں، مگر یہ واضح رہی کہ ش ا ص<u>۳۵</u> میں 'بہ افسون بہ بست' ہی:

'برفت اہرمن را بافسوس لبست   چو بر تیز رو بارگی بر نشست'

شش خ س<u>۹۰</u>

'بر آمد ز ہر دو سپہ بوق و کوس   نماند ایچ راہ فسون و فسوس' <u>۱۳۲</u>

'بر وعدۂ ہر کس مگر افسوس کند بس   و افسوس کند وعدۂ خسرو بجگر بر'

عنصری ص<u>۶۵</u>

"آنکه در علم طب اکنہ افسوس — بحکیم بزرگ جالینوس" مسعود

"بخندید زو سام فرخنده رای — به افسوس گفت اینچه غفلت ورای"

سام ص۳۰

"وراں چاه زندانش محبوس کرد — فلک بین که با او چه افسوس کرد" ص۱۱۲

"موش سوراخ غور کینہ او — کرده افسوس بر چه بیژن" رومی ص۱۰۲

"وگر کنم طلب نیم بوسه صد افسوس — زحقهٔ دهنش چوں شکر فرو ریزد"

حافظ ص۷۵

"هنر زیر افسوس پنہاں بود — همه دشمن از دور خنداں بود"

شش خ ص۲۱۱

"در حلقهٔ ما ز راه افسوس — گه رقص کند گهی زمیں بوس"

لیلی، نظامی ص۱۳۱

"میداوند دستی ز افسوس — بر چشم سیاه آهواں بوس" ص۳۵

"میاور به افسوس عمری بسر — که افسوس باشد به افسوس گر"

سکندر بحری ص۱۴۳

"سوسن زباں برون کند افسوس میکند — گوید سمن فسوس مکن بر کس ای لعین"

رومی ص۶۷۳

"افسوس که بگذشت به افسوس همه عمر — بخت آرزوی دل بکنارم نرسانید"

خسرو ص۱۷۴

"اگر شوخ چشمی وسالوس کرد — الا تا نه پنداری افسوس کرد"

بوستاں ص۲۵۰

"به پیرامون او چرخ پر افسوس — بود پروانه بیرون فانوس"

سلیم ص۳۰

"به افسوسخواراں گذار د فسوس" آئینهٔ سکندری ص۱۲۵ "بی هنر و بر هنر افسوس

گر مخزن الاسرار صـ۳۲ "چون سخن شاعران دو لتش افسو سخوار خاقانی صـ۹۱۵۔
وافسوس کردنتوان بر شیر مرغزاری" منوچہری ک، "ولیکردی جہان افسوس و بازی" و ویس و رامین صـ۳۴۸ "دہد بید افسوس بر نجر دان" اسدی صـ۶۱۸، "طنز وافسوس بود ہر وعدہ" تحفتی" لباب ۲ صـ۱۴۹، "زرہا کر بشمار بافسوس می برد" انوری صـ۲۱۶، "بصد افسوس و بلعب و نظارہ" اسرار نامہ صـ۱۴ "دو روئی و منافقی دروغ گفتن وافسوس کردن" جاماسپی باب ۳ "دریا و کبر او زر قست وافسوس" نزہت الارواح م ۵۹۸ "وافسوس" تمسخر نسیم الربیع م ۳۹ "خود را رایگان و بہ افسوس بدست ایں کرد... بسپاریم" تاریخ نامہ ہرات صـ۲۶۹ "استہزا افسوس" پریشان صـ۳۷ "الکنواں بر افسوس تیخورند و روئی از بہر مانمی برند" بندہشن صدور صـ۹۴، "افسوس ...... و خندہ" صـ۱۳۷ "ہرگز افسوس کردن بر عجزہ از ... اطلاق ... شما معہود نبودہ" وصاف صـ۱۳۷ "بر پادشاہ افسوس کردہ باشد و با اینہمہ... چشم... انعام میدارد" ذخیرۃ الملوک سید علی ہمدانی م ۷۸۴ صـ۳۳ "لو لب را بہ افسوس خنداں مکن" ابن حسام صـ۱۷ "تا بہ کی عمر بہ افسوس و جہالت برود" عرفی صـ۶۹ "پشتہ زشت را برادافسوس" یغما صـ۳۲۱ "بر خریدار فنون سخرہ وافسوس کنند" نام صـ۹۹ "دگر زینخانہ بیرونی پر از افسوس و ترفندی" صـ۴۹۴ "بر سبیل سخرہ وافسوس" غازانی صـ۹۲ "من بر دنیا افسوس میدارم نان اینجہاں میخورم و کار آں جہاں میکنم" گزیدہ صـ۷۶۲ "تا افسوس (طنز) فرنگال بہ ایشاں باز نگشت" صـ۳۱۹ "بہ افسوس مبارز خواست" صـ۳۳ "بر من افسوس میداری گفت افسوس نمیدارم و راست میگویم" نفحات صـ۲۶ "مال مرداں بافسوس میخواری" تذکرۂ عطار صـ۱۷۴ "خندہ وافسوس" نام صـ۴۲ "تخم دغل میکاشتی افسوسہا میداشتی" رومی صـ۶۱۰۔
کتب ذیل سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ افسوس (بہ الف) کے معنی استہزا، طنز یا اس سے مشابہ ہیں۔ فسوس (بلا الف) ان کتابوں میں مطلقاً موجود نہیں:

زور فی ، الالقس افسوس داشتن ، ، عیب کردن ۷۶ ، والاستسخار افسوس داشتن ۵۷ ل، ۵۹ ، بیستی ، الاستہزا افسوس کردن ، نشل ، مہذب الاسما ۶۷ ل، پسامی ۵۲ نطنزی ۴، شتی ۱۴۲ ل، بیہقی ۱۰۴ ل۔

فسوس کی مثالیں : بس نبود کہ ما را الفسوس فراز کردی تا فرزندان ایں مردم را کشتیم ، بلعمی ص۵۶۔ بلعمی میں فسوس طنز و استہزا کے معنی میں ص۵۵، ص۵۹، ص۱۳۳۔ ذیل کے تین اشعار میں سے پہلا سروری سے ماخوذ ہے اور دوسرا اور تیسرا ف اکے ص۴۲ میں ہے۔ دوسرے میں وہ معانی جو برہان میں درج ہیں ، ٹھیک نہیں آتے :

"دیو بگرفت مر ترا بفسوس   تو خوری بر زیان مال فسوس" بو شکور
"مکن خویشتن سہمگن چاپلوس   کہ بستہ شود چاپلوس از فسوس" بو شکور
"بجز بر آں صنم عاشقی فسوس آید   کہ جز بر آں رخ او عاشقی کی ہوس آید" دقیقی

"مکن ایمنی بر سرای فسوس   کہ گہہ سندروس است و گہہ آبنوس"
شش ا ص۳۰۳

"دلیران ایران بماتم شدند   پر از غم بدرگاہ رستم شدند"
شش ا ص۳۳۱

"بہ و زش کہ ایں ایزدی کار بود   کرا بود آہنگ جنگ فرود
بدانگہ کجا کشتہ شد پور طوس   سر سرکشاں تیرہ شد از فسوس"
"وبہ لشکر چنیں گفت بیدار طوس   کہ ہم با ہراسیم و ہم با فسوس"
شش ۲ ص۲۲

"بدانید کیں شیر دل رستم است   بدیں رزمگاہ اژدر ماتم است"
شش ۲ ص۳۷

"بزرگان و شیران زابلستان   ہماں نامداران کابلستاں
چو گودرز کشواد و چوں گیو و طوس   بناکام رزمی بود با فسوس"

ہمی گفت ہر کس کہ اینت فسوس　　　کہ او رفت با لشکر و بوق و کوس،

شش ۲ ص ۱۵۴۷

شب تیرہ از دست آزادگان　　　بشد نامداری چنین رایگان

کجا کوس بگیو و گودرز و طوس،　　　شہ نامور ہم زتخم پر فسوس

شش ۳ ص ۶۴۷

دپس پردہ گشتی چنین پر فسوس　　　من آگہ نہ از کار و تو نو عروس،

اسدی ص ۳۹

وگرچہ بسیار چارہ ہی کردند　　　بہ نمی شد فسوس میخورند،

ہفت پیکر ص ۹۶

وچہ سرایم بجز نوای فسوس　　　کہ ہیں ماند و بر حکایت رفت،

نوعی ص ۳۵

یک شب کہ چشم فتنہ بخوابست زینہار　　　بیدار باش تا نرود عمر بہ فسوس،

سعدی ص ۶۴

پرہای نرمتر چو حریر خطا فسوس　　　پرہای گرم و تازہ چو دیبای چیں دریغ،

خسرو ص ۳۱

دریخت صد خوں بیدلاں بہ ہوس　　　کہ فسوسی نیامدہ بر کس،

ہشت بہشت ص ۱۱۸

فسوس زیر رکاب شما کمیت و سمند　　　دریغ بر سر و فرق شما قبا و کلاہ،

لباب ۱ ص ۳۰۰

یہ شعر حمید الدین کا ہے۔ ای فسوسا کجا توانند رفتن ص ۳۹ اس مصرع کے مصنف کا نام حدائق السحر میں درج نہیں ہے۔ آسمان ہر ساعتی گوید کہ آوخ اے فسوس، انوری لباب ۲ ص ۱۳۴، دگفت فسوس از من خاکی فسوس، وحشی ص ۲۲۷، وفسوسا ازان طبع صاف درست، عاشق ص ۲۳۱، ای فسوسا عزیز چوں شد

خوارہ ہدایت، مجمع ۲ ص ٦٠٥ : درد ریغ اے روز بگذشتن فسوس از بخت برگشتہ سپہر
مجمع ۲ ص ٥٧١ : کارم بود تا سفت و دردم بود فسوس، صباحی آتش ص ٥١١ : خلعت
افسوں فسوس و کسوت دیبا دریغ، لغات ص ٢٨٥ : دامن صحبت کشیدہ از چنگ
اہل دل فسوس، ہاتف ص ٩١ : عمرم بسر رسیدہ زغم اے فسوس و درد، دیوان مطبوعہ
عبدالوہاب، گلشن ص ١٠٧ : ہر کہ نغز دخورد دریغ و فسوس، حزین، بدایۃ الودیعہ
٩٠ ص ٢ : کہ کابین وشد فسوس و دریغ، تو حی، میخانہ ص ١٤٣ : ہم فسوس من زعمر
کاں بہ بیداری گذشت، کلیات غنائم خسرو ص ٤٥٧ : چرا برخوردآری فسوس و دریغ،
شہریار ص ١٥١ : دای فسوس این فقر و جہل و کوچکی و کہتری، وحید دستگردی منج ٧
ص ١٣ : بہ بندند راہ فسون و فسوس، ابن حسام ص ١٤١

(٥٧) "دوسانید، دوسانیدن، دوشد، دوسندہ، دوسیدن، دوسیدہ،
متعدی و لازمی را در ہم آمیخت . . دوسیدن بمعنی چسپیدن اگر غلط نکنم مصدر
آفریدۂ صاحب برہان قاطع است۔ تا در کلام سخنوران یا فرہنگ دیگران از
نظر نگذرد باور نتوان کرد" دک ص ٤٦ ۔ سبک ا ص ١١٤ میں ایک پہلوی رسالہ
سے نقل ہوا ہے: "بہ یک دست دوسم (حاشیہ: دوسیدن با واو مجہول بمعنی چسپیدن
و اخذ کردن)۔ ف ا ص ١٨ میں بشل و بشلانیدن کے معنی دوسانیدن درج ہیں۔
دوسیدن یا اس کے مشتقات زوزنی میں کم از کم ۱۴ جگہ آئی ہیں: ص ۲، ص ۴، ص ۳۴،
ص ۶۰، ص ۶۱، ص ۶۴، ص ۶۵، ص ۸۴، ص ۹۲، ص ۱۰۳، ص ۱۴۶، ص ۱۶۸، ص ۱۹۳، ص ۱۷۴، لبستی ص ۲۵،
ص ۷۰، بیہقی ص ۱۱۲، سامی ص ۷۲، ص ۱۸۳، نطنزی ص ۶۶، ص ۱۱۷۔ راوندی ص ۱۷ میں
ہے: "مدبرگوشش دوسید"۔

چندبار ہر کس بوسیدنت | از طمع در ہر کسی دوسیدنت،

عطار، سروری

دآب گندیدہ خاک پوسیدہ | در تو چوں نفس در رواح دوسیدہ

جام ص ٧٩

"دو سہ سیب از بجا فرو دوسد | بہ ازاں کا نچناں فرو پوسد" ص۱۰
وتن نہل تا ورا و ہمید و نند" ص۲۲۴ | "بریں حرف ازورق دو شیدہ گردد"

زلالی ص۱۴۰

(۵۸) "پاداش بمعنی جزای عمل نیک آید" ک ن ص۳۷۔ یہ بیان گمراہ کن ہے۔ پاداش کی فارسی میں دو شکلیں اور ہیں: پاداشت اور پاداشن اور آخری شکل پہلوی پات دہشن سے نسبتہً قریب تر ہے۔ پہلوی میں یہ لفظ صرف جزائے عمل نیک کے لئے آتا ہے، اور اس کے مقابل کا لفظ بادافراس ہے جو فارسی میں بادافراہ ہوگیا ہے، فارسی میں پاداش کبھی کبھی بادافراہ کے مقابل آتا ہے، جیسے: "دلو بت پاداش و بادافراہ باد" رونی ص۳۹ "تا زقتی از آماہ و پاداش از بادافراہ باز دانستم" یغما ص۵۳۔ لیکن بادافراہ کے خلاف جو جزائے عمل بد کے لئے مخصوص رہا، پاداش مطلق جزا کے لئے بھی (خواہ عمل بد کی ہو یا نیک کی) مستعمل ہے، جیسا کہ ذیل کی مثالوں سے ثابت ہے:

"ہر یکی را پاداش او بد ہد نیکی، را نیکو و بد کو را بدی" بلعمی ص۵۔ "ہر کہ فرماں نکند پاداش او را بسوزم" ص۴۸۔ "اگر ترا پاداشت نکنم بداں معاملت کہ تو با فرزنداں پیغمبر کردی من نیز بدم" ص۶۴۷ +

"نشاید کہ باشی تو اندر زمیں | جز آو یختن نیست پاداش ایں"
شش ا ص۲۲۳

"بترس از خداوند جان و رواں | کہ ہست او توانا و من ناتواں"
اسدی ا

گراید رنگیر وت فرجام کار | بگیرد بپاداش روز شمار" ص۸۰
"حاکم ہمیان خصم و آں من | پیغمبر تست روز پاداشن"
ناصر ص۳۷۷

"دگرچہ خصمت فرزد قست بہ ہجو | تو بپاداش او جریر مباش"
سنائی قصائد ص۱۵

"بدل گفتا چو ایست این بگسست — کلوخ انداز را پاداش سنگست" نظامی
"نخستین صبح کاخر در فروغست — سپید روئیش پاداش دروغست" خمسۂ خسرو ۵۲
"طبیعت روزگار پاداش دہندہ بشر است" وصاف ص ۵۲۳ "به پاداش
کار ناہنجار" طاہر وحید ۱۱۶ "پاداش این بی شرمی" مع ۱۲ ص ۲۴۱۔
"به پاہنگش بر بسته اندر پاداش" داوری مازندرانی مغ ۸ ص ۳۰۲

"ہر چند کلوخ زن در ایام — پاداش کلوخ سنگ دارد" وحید مغ ۶ ص ۹۲
"وانہمہ ظلم که بامن کردی — تا چہ یابی تو ازیں پاداشن"
جلال الملک مغ ۵ ص ۵۴

(۵۹) برہان میں بشگوفہ ہے۔ غالب فرماتے ہیں: "سبحان اللہ،
کار از افعال گذشت، در اسما نیز بائے موحدہ شامل گشت۔ شگوفہ را بشگوفہ معروف
معروف دیوانگی خویش بودنست۔ فردوسی .. میگوید ..

"فرستم ترا سوی زابلستان — ہنگام بشگوفۂ گلستان"

ہماں شگوفہ است نہ لغتی دیگر، بحسب ضرورت شعر .. یا فزایش الف
وصل اشگوفہ نوشت چوں استم و اشکم کہ ستم و شکم است۔ حاشا کہ فردوسی ..
بشگوفہ گوید۔ کاتباں غافلہ در قافلہ غلط رفتند تا در نظم فردوسی ہمچناں ماند۔"
دک ص ۵۴ فردوسی کے یہاں بشکوفہ (ایران میں کاف عربی سے لکھا جاتا ہے)
ایک جگہ اور آیا ہے:

"به ہنگام بشکوفہ گلستاں — بیاورد لشکر ز زابلستاں"
شش ۳ ص ۴۰

اور مروجہ مطبوعہ نسخوں کے علاوہ ش خ میں بھی ب کے ساتھ ہے۔ حامیان
برہان نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ب زائد ہے، اور غالب کے اس عقیدے کی کہ اسم کے
ساتھ ب زائد نہیں ہوتی، تردید کی ہے۔ ان مثالوں سے قطع نظر جو مؤید میں ہیں،
اسم کے ساتھ بائے زائد کی سند تاریخ سیستان کی یہ عبارت ہے جو سبک ا ص ۳۸۶ سے

نقل کی جاتی ہے، "افراسیاب را تبا مستند ہ جہاں بآرام کرد" ص۱۶۔ مگر بشکوفہ کی ب اصلی اور واو شکوفک پہلوی کی قائم مقام ہے۔ فارسی میں پہلوی کا واو بکثرت ب سے بدل گیا ہے پہلوی لفظ شکوفک ہے۔ بشکوفہ کی سند شاہنامۂ فردوسی اور فرہنگ نگاروں کے اقوال کے سوا موجود نہیں، لیکن منوچہری میں بشکفہ ہے: بر شاخ نار شکفہ، سرخ شاخ نار، فارسی میں بشکفہ و بشکفہ کے علاوہ اشکوفہ، شکفہ، شکوفہ، شکفہ بھی ہیں شین تح میں دونوں جگہ شکوفہ ہونا، منوچہری کے یہاں اس کے مخفف کا ملنا، اور پہلوی میں شکوفک کا پایا جانا نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ بشکوفہ آج کل متروک ہو لیکن عہد فردوسی کی فارسی میں ضرور تھا۔

(۶) ادیش بکسر ثالث۔۔ آتش۔۔ "چوں اکثر حروف فارسی بایکدگر تبدیل می یابند بنا برآں تائے آتش را بدال ابجد بدل کردہ آدیش گفتہ اند" برہان۔ "آدیش را اسم آتش قرار دادن گمراہیست۔۔۔ آدیش در زبان پہلوی قدیم لقبیست۔۔۔ بمعنی تعظیم و تکریم" دک ص۱۴۔ برہان کا مطلب یہ ہے کہ کسرۂ تا کے اشباع سے آتیش اور ت کی جگہ دال سے آدیش ہو گیا، مگر برہان وغیرہ کا یہ دعویٰ کہ آتش اصلاً بکسرۂ تا ہے، صحیح نہیں، یہ دوسری بات ہے کہ بعض شعرا کے یہاں آتیش اور آتش بکسرۂ تا ملتا ہو۔ نظامی کے یہاں عموماً آتش کی ت مفتوح ہے، لیکن سکندر نامہ کے ایک شعر میں آتش گری چاشنگری کا قافیہ بندھا ہے۔ آتیش ایک مجہول الاسم شاعر کے یہاں آیا ہے، اور عرفی کے یہاں بھی ہے، مگر مؤخرالذکر کے یہاں بطور قافیہ نہیں اور اس کا امکان ہے کہ اصل میں اس کی جگہ کوئی اور لفظ ہو۔ مجہول الاسم شاعر اور عرفی کا مصرع علی الترتیب یہ ہے، "در سینہ بجز شعلۂ آتیش ندادم" "و تازہ برخاستہ ایں شعلۂ آتیش من است" ص۲۳۔ آتیش کی بحث ضمناً آگئی، کہنا یہ ہے کہ جہاں تک میرا علم ہے آدیش پہلوی میں بہ معنی تعظیم و تکریم نہیں ہے۔ اور کچھ تعجب نہیں اگر غالب فردوسی کے مصرع "بزرگی دہ ادیش پیش من است" ش ۱ ص۱۲ میں ادیش کو آدیش پڑھ کر آدیش کے معنی تعظیم و تکریم سمجھے ہوں۔ غالب پہلوی سے مطلقاً واقف نہ تھے، اور وہ فارسی ہی کو پہلوی کہتے ہیں۔ ان کا

یہ قول بھی کہ خندق اصلاً کندہ ہے (دک ص۱۳۴) صحیح نہیں، پہلوی لفظ جس کا معرب خندق ہے، کند ہے۔ یہی کند کنہ (فارسی) میں کندہ ہو گیا ہے۔

(۱۱۶) "اگر در صد فرہنگ بینم کہ پُنْ بمعنی مصحف مجید است، باور نخواہم داشت" قرآن.. بزبان عربی نازل شدہ است، ہر آئینہ رو نباشد کہ آنرا بزبان دری نامے بودہ باشد ظہور.. دین مبین.. در عہد خسرو پرویز است، و سر آغاز زبان پارسی بدانست پارسیاں بہ آفرینش عالم توأم است، و مورخین اسلام نیز از عہد کیومرث گیرند۔ و بود اسم پیش از ستہود مسمّی چوں تواند بود؟ مگر گفتہ آید کہ پُنْ بپارسی.. گفتار خدا را گویند، گوئیم آری پارسیاں نیز دساتیر (کذا) را استا را کلام الٰہی گویند لیکن اورا نامۂ آسمانی و قرآن[۴۲] تواں نامید نہ پُنْ۔ بایں ہمہ پذیرفتیم کہ کلام الٰہی را پُنْ گویند۔ چناں کہ رسول را پیمبر گفتند قرآن را پُنْ چرا نگفتند، مگر گویند کہ اگر غالب نداند چہ زیاں و اگر ساسان پنجم در ترجمۂ دساتیر نیارد چہ باک و اگر نیا نزد خلق نباشد چہ غم؛ چوں دکنی نبشتہ است صحیح خواہد بود۔ گوئیم ایں قول فیصل است و مارا دیگر مجال گفتار نیست۔ راستی اینست کہ ایں فارسی مستحدث است۔ فارسی[۴۳] مستحدث آنست کہ چوں عرب و عجم باہم آمیختند، اہل عجم مقاصد اہل عرب را در زبان خویش نامہا نہادند، ہر آئینہ متاخرین را باید کہ چوں فرہنگ نگارند درین چنیں الفاظ بہ مستحدث بودن ایں الفاظ اشارت کنند" دک ص۱۱۴

ل ۱۱ میں پُنْ اور کراسہ کے متعلق یہ عبارت ہے: "پُنْ اور کراسہ یہ سب الفاظ سوائے نماز کے گھڑے ہوئے ہیں۔۔ خاقانی اور ناصر۔ کی نظم میں کراسہ اور پُنْ کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ بعد ان کے یہ لغات یک قلم متروک ہو گئے۔ نظامی و سعدی و جامی اور ان کے بعد مجموع ناظمین اور ناثرین نے اس طرف منہ نہ کیا۔"

(الف) غالب کے نزدیک زردشتیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دری آغاز عالم سے رائج ہے اور ان کے خیال میں مسلمان مورخین کی یہ رائے کہ اس کی ابتدا عہد کیومرث

سے ہوئی ہے، حال آں کہ استیلائے اسلام سے پہلے ایران میں جو زبانیں بولی جاتی تھیں ان کے لیے یہ لفظ مستعمل نہیں ہوا۔ دری کس زبان کو کہتے ہیں۔ اس کی حقیقت بیانِ ذیل سے معلوم ہوگی جو سبک، ۲ سے ماخوذ ہے:

"سوای این لہجہ ہا باز ہم شاخہ ہا و لہجہ ہای (کذا) دیگر از قبیل سغدی و سکزی و خوارزمی و ہراتی و آذری و فارسی و کردی وغیرہ بودہ است، کہ از موضوع بحث ما بیرون است۔ و زبانیکہ بعد از اسلام کتب نظم و نثر فارسی بداں زبان نوشتہ شدہ و ہنوز ما بہماں زبان سخن میگوئیم و آں را زبان فارسی مینامیم معروف بزبان دریست و ہنوز یقین نداریم کہ ایں زبان جزء کدام یک از شاخہ ہا یا لہجہ ہای قدیم بودہ است۔ بعضی گفتہ اند کہ اصل زبان دری ہماں زبان فارسی قدیم است، کہ بہ آں اشارہ کردیم۔ بعضی میگویند زبان دری باقیماندۂ لہجۂ سغدیست کہ در سمرقند و ماورای جیحون از قدیم بداں زبان سخن میگفتہ اند و آثار مانی کہ از تورفان کشف شدہ است نمونۂ کہنۂ آنست، و گروہی از قول ابن مقفع میگویند کہ زبان دری یعنی زبان پایتخت و ایں زبان فصیح ترین لہجہ ہای متداول عصر ساسانیاں بود و لغات شرقیہ خاصہ بلخ در آں زیاد بودہ است و وجہ تسمیہ آنست کہ پایتخت را بزبان پہلوی "در" میگفتہ اند۔ چوں بعد از اسلام مردم بخارا و سمرقند کتابہای نظم و نثر را بزبان دری نوشتہ اند و شعرای خراساں ہم بداں زبان شعر گفتہ اند و بتدریج ایں زبان از خراساں بسائر ایراں سرایت کردہ است، میتوانیم عقیدۂ اخیر را با دو عقیدۂ قبل از آں یکی شمردہ و موقن شویم کہ زبان دری ہماں زبان مردم بلخ و بخارا است و در واقع زبان سغدی و زبان اہالی بلخ و بخارا و خراساں و زبان مانی ہمہ یکیست و آں اصل زبان دریست"

(مقدمہ صفحۂ الف و ب)

(ب) برہان نے پنہ کے معنی مصحف و کلام خدا دیے ہیں، اور یہ لکھا ہے کہ کسرۂ نون اور یائے مجہول کے ساتھ ہے، اس نے اس کی قدامت کا دعویٰ نہیں کیا،

اس لیے یہ بحث کہ عہد کیومرث میں یہ لفظ نہ تھا، بے کار ہے۔ (ج) غالب پہلے تو بڑی شد و مد سے یہ کہتے ہیں کہ پنج (جس کی اور شکلیں بھی ہیں) ہرگز قرآن کے لیے نہیں آیا، دلیل یہ کہ "وجود اسم" "شہود مسمیٰ" سے پہلے ممکن نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس سے بھی انکار کرتے ہیں کہ فارسی میں پنج کلام الٰہی کے معنی میں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد پنج کو خواہ بہ معنی قرآن یا گفتار خدا تسلیم کرنے کی گنجایش نہیں رہتی، لیکن آخر کی عبارت "راستی انیست .. اشارت کنند" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالب اسے بہ معنی قرآن مانتے ہیں اور ان کا اعتراض صرف اس پر ہے کہ برہان نے اس کے مستحدث ہونے کا کیوں ذکر نہیں کیا۔ یہ عبارت "با اینہمہ .. گفتار نیست" سے میل نہیں کھاتی اور غالب پنج کے مستحدث ہونے کے قائل تھے، تو انھیں اس طنز آمیز عبارت کو جس سے وجود پنج کا انکار ٹپکتا ہے، درج کتاب نہ کرنا تھا۔ "با ایں ہمہ الخ" میں انکار کے جو وجوہ دیے ہیں وہ بھی توجہ طلب ہیں: پنج ترجمۂ دساتیر میں نہیں ملتا، زبان زد عام نہیں اور خود غالب اس سے ناواقف ہیں۔ (د) جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں، غالب کا اعتراض صرف یہ ہے کہ پنج کے مستحدث ہونے کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ یہ کہنے کے لیے غالب نے دک کا قریب قریب ایک صفحہ سیاہ کیا ہے، مگر یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ اس کی اصل کیا ہے اور جب کلام الٰہی کے معنی میں بھی قدیم نہیں تو قرآن کے معنی میں مستعمل ہونے سے پہلے اس کے کیا معنی تھے۔ برہان قاطع جس نوعیت کی فرہنگ ہے اسے دیکھتے ہوئے اس کی توقع ہی نہیں چاہیے کہ اس میں ہر لفظ کی اصل سے بحث ہوگی، اور اگر یہ لازم ہے کہ کسی لفظ کی بحث آئے اور اس کے مستحدث یا قدیم ہونے کا ذکر ہو تو چارہ و چکامہ کی بحث میں (دک ص ۱۳۲) خود غالب نے بھی یہ نہیں بتایا کہ چامہ بہ معنی غزل و چکامہ بہ معنی قصیدہ مستحدث ہے یا قدیم۔ اس سے قطع نظر کہ ایران کی قدیم زبانوں میں نظم تھی یا نہیں، خود غالب بھی یہ نہیں کہتے کہ فارسی میں غزل و قصیدہ استیلائے اسلام سے قبل بھی موجود تھا، اس لیے یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ

جہاں تک معانی مذکورہ کا تعلق ہے، یہ دونوں لفظ مستحدث ہیں۔ (۵۸) ل ایں غالب نے اسکا کوئی ثبوت دیے بغیر یہ دعویٰ کیا ہے کہ بعض دوسرے الفاظ کی طرح پنج بھی منافقین ایران کے مخترعات سے ہے مگر انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ ایک مصنوعی لفظ ہے یا منافقین نے کسی قدیم لفظ کو نئے معنی میں استعمال کیا ہے۔ یہ بالکل ظاہر ہے کہ پنج قرآن کے معنی میں قدیم نہیں ہو سکتا اور یہ جس ریشے سے ہے اس کی طرف میں نے ہرد میں اشارہ کیا ہے۔ فارسی میں اس کے استعمال کی جتنی مثالیں ملتی ہیں، سب سے یہ پتا چلتا ہے کہ یہ قرآن کا فارسی مرادف ہے۔ شہید معاصر رودکی کہتا ہے:

۵۵ بہ سخن ماند شعر شعرا — رودکی را سخنش تلو پنج است
شاعراں راخہ واحسنت مدیح — رودکی راخہ واحسنت ہج است

بلعمی کے یہاں یہ عبارات ہیں: "خدای تعالیٰ در پنج یاد کرد، ص۸۴" "خداوند عز و جل در پنج یاد کردہ است، ص۱۲۱" کمال اصفہانی جو نظامی کا معاصر لیکن عمر میں اس سے بہت کم تھا، کہتا ہے:

"با ترہات حکمت یونان ترا چہ کار — بس نیست کت نبی و پنج ہر دو مقتدا است"
مجمع ۱ ص۴۸۹

محرق میں جہاں کے حوالے سے پنج کی سند سنائی و رومی کے کلام سے پیش کی گئی تھی، اور یہ اسناد فی الواقع جہاں میں موجود ہیں، لیکن، اس کے باوجود غالب کو یہ کہنے میں تامل نہ ہوا کہ خاقانی کے بعد سے پنج یک قلم متروک ہے۔ رومی کا شعر یہ ہے:

مر ضعیفاں را تو بے خصمے مداں — از پنج اذا جاء نصر اللہ بخواں

غالب کے ایک ایرانی ہم عصر، سپہر کی براہین العجم میں بھی پنج آیا ہے:

بہ چہ رنج کہ دید از پنج نہ من بینم — نہ نیز گفت من استغفر اللہ است پنج

کراسہ جیسا کہ میں نے ہرمزد میں لکھا ہے عربی ہے اور خسرو (اعجاز ۲ ص۱۹۷) و جلالا (دیباچہ دیوان احسن۔ بہار ۲ ص۲۹۴) نے بھی اسے استعمال کیا ہے۔

(۶۲) صاحب محرق نے اس پر حیرت ظاہر کی تھی کہ لفظ تمسخر غالب نے

استعمال کیا ہے۔ غالب نے ذیل میں اس کا یہ جواب دیا ہے: "اس کو تمسخر کہوں یا مسخرہ پن ہے... اگر تمسخر کہوں تو منشی جی نے منتعب بھی نہیں پڑھی جو وہ جانیں کہ یہ باب تمفعل کا ہے۔ غایت ما فی الباب یہ کہ شاذ اور نادر ہے"

منتعب میں لفظ تمسخر کہیں موجود نہیں۔ باب تمفعل کے بارے میں اس کے مصنّف کی عبارت یہ ہے: "ان ھٰذا الباب شاذ من قبیل التغلط علیٰ توھم المیم اصلًا" (مطبع گلزار محمدی ص۱۵۱) حقیقت یہ ہے کہ یہ کوئی اصلی باب نہیں، چناں چہ، زوزنی، بیہقی، بستی کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں۔ عربی میں دو چار مصادر ایسے مشتقات سے جو میم غیر اصلی سے شروع ہوتے ہیں ضرور بنے ہیں (جیسے مسکین سے تمسکن اور مندیل سے تمندل)، مگر یہ مستحدث ہیں۔ تمسخر کا شمار ان مصادر میں بھی نہیں، اور اس سے اہلِ عرب قطعاً ناآشنا ہیں۔ فارسی میں اس کے استعمال کی قدیم ترین مثال ساتویں صدی ہجری کی طبقات ناصری میں ملتی ہے: "بر من تمسخر می کنید" ص۲۰۳ "و سخنانِ تمسخر" ص۱۲۵۔ برنی کی تاریخ میں یہ ایک جگہ آیا ہے "خواص و عوام شہر... برو تمسخر می کنند" ص۴۴۴۔ آذری نے اپنی جواہر الاسرار میں اسے دو جگہ استعمال کیا ہے: "کودکاں.. با او تمسخر کردندے" ص۱۴۲، ص۱۴۹۔ "تمسخر" نگار ص۱۶۵ اور رموز ص۱۶۹ میں بھی ملتا ہے۔ یہ لفظ مسخرہ سے بنا ہے جس کا مادّہ س خ ر ہے اور اس سے کام لیا جائے تو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا قابل اعتراض لطائف غیبی کی عبارت ہے۔ تحرمز (حرامزادہ سے) جسے شاید پہلی بار جوینی (۲ ص۲۶۶) نے استعمال کیا ہے اسی قبیل کا ایک جعلی مصدر ہے۔

(۶۴۳) برہان میں گاہنبار و گہنبار کے علاوہ کاہنبار و کہنبار بھی ہے غالب کو اس سے انکار ہے کہ یہ الفاظ کاف عربی سے ہیں دک ص۱۰۔ یہ الفاظ در اصل کاف فارسی ہی سے ہیں، لیکن کہنبار گہنبار کا معرّب ہے اور یہ اور اس کی جمع کنہبارات الآثار الباقیہ عن قرون الخالیہ مصنفہ ابو ریحان بیرونی طبع یورپ کے ص۲۱۹ میں موجود ہے۔ کاف فارسی عربی میں کاف عربی و جیم دونوں سے مبدّل ہوتا ہے:

(جیسے کرگدن سے کرکدن اور یزدگرد سے یزجرد) غالب جو دستنبو سی کتاب میں یزدجرد کی جگہ یزدجرد لاتے ہیں ص۵، برہان میں کہنبار کے شمول پر معترض نہیں ہو سکتے۔ ہاں، غالب اس پر اعتراض کر سکتے تھے کہ کہنبار کے معرب ہونے کا ذکر کیوں نہیں۔ مگر اس کا علم یقین ہے کہ انھیں خود نہ ہو۔

(۶۴) برہان میں "نعنا (نعناع) نوعی از پودنہ" لکھا ہے۔ غالب اسے تسلیم نہیں کرتے ان کا دعویٰ ہے کہ 'پودنہ اسم طائریست[۸۶] مشہور و آں ترہ را کہ عربی آں نعناعست پودینہ گویند بر وزن موٗمینہ' دک ص۱۱۱۔ وزن پودینہ کے متعلق غالب کا خیال صحیح ہے: 'بلند و فصفصہ نعنع سیست و پودینہ' عقود الجواہر منظوم مط مبنی بر رسالۂ وطواط ص۸۸، مگر ان کا یہ عقیدہ کہ نعناع کو پودنہ نہیں کہتے غلط ہے، گو یہ ممکن ہے کہ نعناع کی کسی خاص قسم کا نام ہو۔ اسناد: جبق = پودنہ نطنزی ۱۲۱۔ النعناع والنعنع پودنہ' مہذب الاسما ۱۵۷' نعناع پودنہ است و اثاث و متاع رخت' فراہی ص۲۳' سیسنبر .. دے حشیش است میان نعناع و پودنہ' اختیارات م ص۱۳۵' پودنہ' پارسی اقوی بود از مجموع پود نہا' (تحت فودنج نہری) ۱۶۲ + اختیارات مط میں بھی کئی جگہ از آں جملہ ۳' نعنع قوی تر از پودنہ تحفۃ المومنین م' پودنہ عرف فوتنج' الفاظ الادویہ مط ص۵۷' نعناع پارسی پودنہ' ریاض الادویہ مط ص۱۱۲' پودنہ' باغی' فرہنگ بہارستان (نعناع کے ساتھ) ' بجق = پودنہ' سبز بر کنارۂ کاک' خسرو م ۱۲۱' دہقاں فطیر و پودنہ' لب جوی پیش آورد' دولت ص۷۵۔

(۶۵) "در فارسی کول بکاف عربی مضموم و واو مجہول بوم را گویند کہ اُلو ہندی آنست، لاجرم مرد احمق را کول گویند۔ و کول بفتحہ، کاف عربی بر وزن ہول و قول فریب را گویند۔۔ دیگر گول بہ کاف پارسی مضموم .. در ہندی .. ترجمۂ مدد را ست .. و ایں کہ مردم ہند گول را کہ بکاف عجمی مضموم و واو مجہولست، ہم بمعنی احمق و ہم بمعنی فریب دانستہ اند از بی اعتنائیست، حاشا کہ

چنیں باشد" (دک صـ۱۳۴ و صـ۱۳۵ یہ اضافہ اشاعت ۲ میں ہوا ہی)
(الف) شرف نامہ م ۹۲، میں گول (باکاف فارسی) کے معنی چغد بھی دیے ہیں، اور آخر میں یہ اضافہ کیا ہی "وقیل باکاف تازی"۔ ظاہر ہی کہ 'قیل' سی اسکی اہمیت بہت گھٹ گئی ہی۔ سروری میں گول کے اور معانی دینے کے بعد لکھا ہی: 'ودر ادات بہ معنی کوف کہ چغد باشد نیز آمدہ وبمعنی آبگیر و چغد بکاف تازی نیز آمدہ'، کوف وکوچ ف اصـ۶ میں چغد کے لیے ہی گول بہ معنی چغد (یہ خبر نہیں کہ ادات میں یہ تصریح ہی یا نہیں کہ ک عربی ہی یا فارسی) ادات میں ہی مگر یہ کتاب ایک ہندوستانی کی لکھی ہوئی ہی، اور بہ خوبی ممکن ہی کہ یہ کوف یا کوچ کی تصحیف ہو۔ گول یا کول بہ معنی چغد کے ادبی استعمال کی کوئی مثال میری نظر میں نہیں۔ ف ا اور معیار بھی اس سی خالی ہیں۔ اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائی کہ بہ معنی چغد صحیح ہی تو یہ کسی طرح ثابت نہیں کہ کاف عربی سی ہی، بل کہ کاف فارسی کا پلہ بھاری ہی۔ (ب) بوم یا چغد فارسی میں بدوقوف کو نہیں کہتی ہندوستانیوں کا فعل اس کی سند نہیں ہو سکتا کہ ایرانی بھی یہی کرتی ہیں۔ حیات الحیوان دمیری جلد ا طبع مصر صـ۱۳۹ اور عجائب المخلوقات و غرائب الموجودات طبع یورپ صـ۴۰۵ میں اس طائر کا ذکر ہی، لیکن بدوقوفی سی اس کے تعلق کی نسبت مطلقاً اشارہ نہیں۔ اس لیے لفظ گول بہ معنی نادان کا گول یا کول بہ معنی چغد سی کسی قسم کا سروکار ہونا ثابت نہیں (ج) گول بہ معنی نادان عموماً فرہنگوں میں کاف فارسی سی آیا ہی۔ شرف ـــــ وسروری میں بھی اسی طرح ہی۔ شرف نامہ کی عبارت "قیل باکاف تازی" کا تعلق غالباً صرف گول بہ معنی چغد سی ہی اور گول بہ معنی نادان سی ہو بھی تو جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں لفظ 'قیل' اس دعوی کو کہ یہ لفظ خواہ بہ معنی چغد خواہ بہ معنی نادان کاف عربی سی بھی آیا ہی، بہت ضعیف کر دیتا ہی، ایرانیوں کی اہتمام سی جو کتابیں حال میں چھپی ہیں اور جن میں کاف عربی و فارسی میں امتیاز

کیا گیا ہے گول بہ معنی ناداں باالتزام کاف فارسی سے لکھا گیا ہے: جام جم: ص ۳۷، "ہم پدر گول و ہم پسر سادہ" ص ۱۱۶، ص ۱۵۳، ص ۱۸۴، ص ۱۹۵۔ ادبیات معاصر از رشید یاسمی: "گول دغبی" ص ۲۶۔ "ابلہان و گولہا مشتی ددان غولہا" مغ ۸ ص ۲۴۔ (د) گول بہ معنی فریب کی قدیم ترین اسناد جو اس وقت پیش نظر ہیں یہ ہیں: "گول خوردن از حریف یادکانی زود بود" شفائی ص ۱۰۵۔ "گول خوردہ بودند و او را سنی گمان بردہ بودند" مجالس المومنین (مجلس ۶)۔ گول بہ معنی فریب عارف کے یہاں بھی ملتا ہے: "گول صد مرتبہ شیطاں زدۂ بہ بہ بہ" ص ۱۹۵۔ غالب گول بہ معنی نادان و گول بہ معنی فریب کو دو بالکل مختلف لفظ سمجھتے ہیں، لیکن، یہ صحیح نہیں، گو دوسرے معنی میں غالباً مستحدث ہے۔ اس عقیدے کی تائید میں کہ گول مؤخر الذکر معنی میں فتحۂ کاف سے ہے، کوئی ضعیف سے ضعیف قول بھی نہیں پیش کیا جا سکتا۔ ضمنی کی سند عارف کی "تصنیف" (گانے کی چیز) کا یہ ٹکڑا ہے:

زعشق تو ای شوخ شنگول — شد عقلم چو سلطان معزول
چہ خوش خورد از اجنبی گول — یار مقبول عقل معزول ص ۱۸۰

(۶۶) "آب چیں" پارچۂ جامہ را گویند کہ بدن.. بدان خشک سازند" برہان غالب معترض ہیں کہ "پارچۂ جامہ.. زائد، یا 'پارچہ' بایستے گفت 'یا جامہ'" دک ص ۳۔ امین نے بجا گرفت کی ہے کہ غالب کی عبارت غلط ہے؛ کہنا وہ یہ چاہتے تھے کہ 'پارچہ' اور 'جامہ' میں سے ایک زائد ہے، لیکن قلم سے یہ نکل گیا کہ دونوں زائد۔ غالب کا اعتراض صحیح نہیں۔ پارہ بتکرار آتا ہے تو اشعار میں پارہ، آخر کی ہائے مختفی حذف بھی ہو جاتی ہے: "بکر دندناں پس و را پارہ پارش" اصا ۱۶۱۔ "چامہ کنم پارہ پار" کلیات نعیم اصفہانی شاعر حال طبع بمبئی ص ۲۸۳۔ پارگگ کی طرح پارچہ بھی پارہ کی تصغیر ہے اور مقدم الذکر کے مقابلے میں بہت زیادہ مستعمل ہے۔ شاید ہی کوئی موقع ہو جہاں پارہ استعمال ہو سکتا ہو مگر پارچہ کا استعمال روا نہ ہو۔ طمغاج خاں کا شعر ہے:

"ای روی تراز حسن بازار چہ، — در من نگر از چشم کرم پارچہ" عوفی ا ص ۴۲

'پارچۂ آب' رموز ص۱۶ "پارچۂ کاغذ" ص۲۹۷ 'دقناق فولاد را پارچہ پارچہ کردند' زرشتنامہ ص۲۵۳ 'یک پارچۂ ابر' عارف ص۱۹۹ 'ظروف چینی .. مجموعاً ششصد و شش پارچہ' عبدالرحیم خلخالی منخ ص۳۹۹ 'صد و شصت و شش پارچۂ دہ ہاست' قزوینی حاشیۂ جوینی ۳ ص۳۹۲ 'زیر ایشاں دہ بستر بود افکندہ ہمہ از پارچہ ہای دیبا و حریر' بلعمی ص۲۸۸ 'اپرا ہا و پارچہ ہای متفرقہ' (متعلق بہ موسیقی) شفق دیباچۂ دیوان عارف ص۱۳ 'چہل و چہار پارچۂ استخواں' رموز ص۶۹۸ 'پارچہ پارچہ گوشت بدن اورا میکند' ص۱۱۷ 'یک پارچۂ آتش' عالم ص۵۸۱

مرد کان پارچہ بود ای فقیر آنکہ چندین سال و چندین قرنہا
رومی ص۶۷

رفتہ زیر خاک پوسیدہ بہ بیں مہ رخان و دلبران مہ لقا

'قرطق .. پارچہ است پوشیدنی' صراح ۲ ص۱۵۱ 'خشتق .. پارچہ پارہ کہ زیر بغل باشد' ص۱۲۲ 'حذف الثوب پارچہ را بریدن' ص۵۷ 'شتون بالضم پارچہ ہای نرم' ص۳۷ 'کنار بالضم بنق کنارۃ پارۂ از پارچۂ کتان کناراست' صراح ۱ ص۳۷

'پارچہ' فارسی میں کس کس طرح آیا ہے اوپر کی مثالوں سے واضح ہے۔ اس کا کپڑے کے لیے استعمال اس سے مانع نہیں کہ یہ اپنے اصلی معنی میں ٹکڑے کے لیے مستعمل ہو۔ 'پارچۂ جامہ' سے برہان کی مراد کپڑے کا ٹکڑا ہے۔ اشرف کے دیوان میں یہ مصرع ہے: 'پارۂ جامۂ کعبہ است کہ در قرآنست' ص۴۳۔ جہاں ۲ میں پنام اور کوک کے ذیل میں 'پارچۂ جامہ' بھی موجود ہے۔ 'پرچہ' 'پارچہ' کا مخفف ہے۔ 'پرچۂ کاغذ' اعجاز ۱ ص۱۹۶ اور 'پرچۂ تحریر' ظہوری ص۲۷ میں ہے۔

(۶۷) غالب نے برہان پر اعتراض کیا ہے: "بجای مژدہ مژدگانی نوشت' گوئی مژدہ و مژدگانی را یکی پنداشت و این بداں ماند کہ مزد و مزدور .. را یکی دانند .. مژدہ خبر خوش .. و مژدگانی نقد و جنسی را گویند کہ در صلۂ مژدہ بمژدہ آورد دہند" دک ص۱۱۴ جوینی ۳ ص۱۳۹ کے حاشیے میں قزوینی نے فولرس کے حوالے سے لکھا ہے 'مژدگاں

'مژدگانی و مژدگانہ ہمہ بیک معنی'، جوینی کی جس عبارت سے متعلق یہ حاشیہ ہے، یہ ہے: 'زندگاں مژدگاں را مژدگاں می فرستند'، واضح رہے کہ مژدگاں جیسا کہ مثالوں سے ثابت ہے، واحد کے لیے بھی مستعمل ہے اور مژدگانی، مژدگاں بہ اضافۂ ی ہے:

'براین شد مرا در را مژدگاں برد' فرخی ص ۱۰۱
'حدیث آنکہ زناگاہ مژدگاں آورد' کمال ص ۳۸

'ز بخت ہمایوں ترا تا قیامت
بنو شادی دہر زماں مژدگانی'
فرخی ص ۲۹۴

'برادران و ترا جملہ مژدگانی باد
بزندگانی عیسیٰ اگر چہ مریم نیست'
نجیب ص ۲۳

'کنوں میدہد (کذا) باد بوی بہاری
بسر سبزی و میدہد مژدگانی'
سلماں ص ۱۶۲

'صبا دم بر افتادہ باغ رضواں
بدل شاد شہ می برد مژدگانی' ص ۱۰۵
'جملۂ اصحاب را آگاہ کرد
مژدگانی داد و عزم راہ کرد'
منطق ص ۳۵

'کہ آمد تہمتن ز جنا در دیار
ز کشتہ بگذشت آں نامدار
چو من آگہی یافتم بیشتر
رسیدم بہ پیش تہم زال زر
کہ تا ہدیہ بخشد مرا پہلواں
بدیں مژدگانی بہ پیش جہاں'
شہر یار ص ۱۴۴

'ساقی بمژدگانی عیش از درم درآ
تا یکدم از دلم غم دنیا بدر بری'
حافظ ص ۳۱۴

'کہ باشد انس و جاں را مژدگانی
زمین و آسماں را مژدگانی'
حیرتی ص ۱۴

'مبشر چو ایں مژدگانی رساند'
قدسی ص ۳۵
'مژدگانی کہ جنو نرا بسرم کاری ہست'
عرفی ص ۲۰۰

حناً نازم کن ودیں مژدگانی دمیدم بشنو، ص۱۷۳؛ تباشیر بکید بگر از مژدگانی دادن، زوزنی ص۱۸۱؛ چو ایں مژدگانی بمردم رسید، یزدی ۲ ص۴۱۹؛ لاز ما نزا از صحت سلطانی مژدگانی رسانیده، نگار ص۲؛ از الفاظ مژدگانی لحاظ فتح فتحاً حسنا پیدا، منشورات فطرت م۲۰۲۔

(۶۸) غالب نے دالان کے بارے میں کوئی قطعی رائے قاطع کی اشاعت ۱ میں نہیں ظاہر کی تھی، اشاعت ۲ میں انھوں نے یہ اضافہ کیا ہے: آرے دالاں . . در ہندی ترجمۂ ایوان است و بالاں . . در فارسی مرادف آستاں و دالاں مبدل منہ آں دک ص۶۹۔ والان (بالواو) اور بالان سے مجھے بحث نہیں، دالان کے ہندی ہونے کا غالب کے سوا کوئی اور شخص مدعی نہیں۔ شیکسپیر، فوربس، فیلن اور پلیٹس نے اسے فارسی ہی لکھا ہے۔ شرف نامہ میں فردوسی کا شعر ذیل سند میں درج ہے، مگر ش ۴ ص۳۳ اور ش خ ۳۷۶ میں بھی یہ شعر موجود ہے، اور لفظ دالان اس میں نہیں:

چو خواں اندر آمد بہ دالان شاہ   دواں رفت زرد ان حاجب براہ

سروری نے اس کی سند میں سراج الدین راجی کا شعر دیا ہے۔ یہ شعر دوسری اسناد کے ساتھ درج ذیل ہے:

برمیدیش دردم از تن جاں   روی مہماں چو دیدی از دالاں

'دالان لابدر نبردرہ یہ ہیچ سو   گر رہروی بجادۂ الآ در آرپا'

قیاض ۱

'در پشت دالاں زنگیر ہست ادرا مدہوش نمودہ . . یدروں رفت دالاں دیگر دید' رموز ص۱۵۵، 'دو اسپہ گامزن شد سوی دالاں' یغما ص۲۵، 'طاقہا و دالانہای قشنگ' ناصرالدین ص۵۸، ص۱۹، ص۶۷ + 'در دالان خانہ آں بگریخت'، کاشفی ۳ ص۲۳، ۲، ۱۵۷۔

(۶۹) "فراز را از اضداد می شمارد و ہم بستن درو ہم گشودن ازیں لفظ

مدعا دارد کسی نگوید کہ تنہا صاحب برہان۔۔ چنیں نمیگوید بلکہ دیگراں نیز گفتہ اند و این امر اجماعی است ما میگوئیم کہ این اجماع اہلِ شام است بر خلافت یزید۔۔ فراز ضد نشیب است، چوں ہنگام بستن تختہ ہای دراز ہر سوی مرئی میشود، وآں صورت بلندیست، ہر آئینہ بستن درا فراز کردن گویند۔۔ منشاء مغالطہ۔۔ شعر حافظ است۔۔:

حضور مجلس انس است و دوستاں جمع اند   وان یکاد بخوانید و در فراز کنید

۔۔ پیر جہاندیدہ میفرماید کہ آفت اغیار بستن در دفع کنید و بلای عین الکمال احباب را بخواندن ان یکاد یگردانید"، دیکھ صفہ ۹ (الف) غالب نے برہان کا خلاصہ اس طرح دیا ہے کہ اس سے غلط فہمی پیدا ہونے کا ڈر ہے، میں اس کے تمام مطالب سے بحث کرنی نہیں چاہتا، لیکن اس کی عبارت کا بعد حذف بعض مطالب ناظرین کے مطالعے کے لیے نقل کرنا ضروری ہے: "فراز۔۔ چند معنی دارد۔ پہن شدہ و پخش گردیدہ۔۔ بستہ و بازکردہ شدہ و بازکردن وگشودن و پوشیدن در۔۔ قریب و نزدیک، پیش و حضور۔۔ جمع و فراہم آمدہ۔۔ بمعنی بعد ازیں و ازیں باز۔۔ بمعنی عقب و پس۔۔ بمعنی باز۔۔ کہ از تکرار است۔ بمعنی زبان۔۔، بالا و نشیب و زیر و زبر را گویند۔۔ بہ معنی بلند و بلندی آمدہ۔۔ زیادہ و زائدہ باشد" (ب) "ہنگام بستن۔۔ مرئی میشود یہ بات کچھ ٹھیک نہیں، یہاں نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے ملاحظہ ہو: "دروازہ فرد کردن بمعنی بازکردن درب، مشہور، ضد در فراز کردن بمعنی بستن است و این اصطلاح مربوط بدرہائی است کہ آویختہ می شدہ است، سبک ۲ صفہ ۱۲۵۔ اسی صفحے کے حاشیے کی عبارت ہے: "دروازہ ہای قدیم را از بالا بزیر می آویختند و باجرثقیل آنرا بالا و پائیں میکردند۔۔ اینست کہ شعرای قدیم تا زمان حافظ وقتیکہ میخواہند بگویند در بستہ است میگویند در فراز است۔۔"، بہار نے اس کے بعد شعر فرخی و حافظ دیا ہے:

من و او ہر دو بہ حجرہ درو می مونس ما   بازکردہ در شادی و در حجرہ فراز

"حضور مجلس الخ" (ج) فراز = بستہ (در کے لیے) عہد سامانی میں یا اس سے بھی

پہلی استعمال ہونی لگا تھا۔ بلعمی: در منظر فراز کرد تا دہ روز کس را بار نداد ص۶۱، عبیداللہ بگو شنک اندر شد و در بروی فراز کردند ص۶۲+، ابوشکور: غلبکیں در چہ باز یا چہ فراز ف ا ص۱۰۹، خسروانی (لباب ۲):

تا باز کردم از دل زنگار آز و طمع — زی ہر دری کہ روی نہم در فراز نیست ص۲۰

(د) فراز = بستہ در کی علاوہ اور چیزوں کی لیی بھی بہت زمانی سی مستعمل ہی: بلعمی: چون دہن باز کردی گفتند موسیٰ الطبق یعنی ای موسیٰ دہن را فراز کن و اور ایک لقب موسیٰ الطبق خواندی ص۵۴۴۔ منوچہری کی مصرع ذیل میں فراز مقابل باز اور ظاہرا بہ معنی بستہ ہی: کف راد تو باز است و فراز است این ہمہ کفہا۔ کیمیای سعادت م ص۱۹۸ میں ہی: 'این چشم ظاہر فراز شود آں چشم دیگر۔۔ باز شود'، زوزنی میں تغمیض کی معنی چشم فراز کردن لکھی ہیں۔ (ه) فراز کی بعض معانی (پہن، بلند) گشادہ سی بہت قریب ہیں، اور غالباً انھیں کی وجہ سی فراز کشادہ کی لیی بھی مستعمل ہونی لگا کمال اسمٰعیل کا شعر ہی:

چو مطرح ارچہ کہ افگندہ ایم پای سپریم — بہ پشتی تو چو مسند شویم سینہ فراز

سروری وجہاں میں یہ اس کی سند میں پیش کیا گیا ہی کہ فراز کشادہ کی معنی میں بھی ہی، اور آرزو نی (بہ قول احمد مؤید ص۳۰۶) اس علم کی باوجود کہ رشیدی کو یہ تسلیم کرنی میں تامل ہی کہ یہ سند ٹھیک ہی، سروری وجہاں سی اتفاق کیا ہی، لیکن، میں بھی رشیدی کا ہم نوا ہوں:

(و) بوسۂ عاشقاں رواں پرداز — دہنش را بخندہ یا بد باز — حدیقہ م

نہ ز غنچہ دو دیدہ باز کند — نہ ز خندہ دہاں فراز کند — ص۱۱۷

عبداللطیف شارح حدیقۃ (نسخہ م) کی اس رای سی مجھی اتفاق ہی کہ شعر ۲ میں فراز بہ معنی کشادہ ہی اور یہ صحیح ہی تو یہ فراز بہ معنی کشادہ کی قدیم ترین سند ہی جو میری علم میں ہی۔ (ز) گر گنہ داری در توبہ است باز — توبہ کن دیگر نخواہد شد فراز یہ شعر قاطع القاطع ص۱۹۴ میں کشادہ کی سند میں پیش کیا گیا ہی، مگر منطق الطیر عطار

کی مطبوعہ اور بعض قلمی نسخوں (م ۰ ۵ وغیرہ) میں مصرع اس طرح ہی: تو بہ کن کہیں در نخواہد
شد فراز، مجھے یقین ہی کہ ابن نے تحریف کی ہی۔ عطار کی نظم و نثر میں فراز بمعنی بستہ
بہت آیا ہی، مگر تذکرۃ الاولیا م ۶۵۹ ۹۴ کی عبارت ذیل میں بستہ کے لیے آیا ہی
یا کشادہ کے لیے اس کا فیصلہ مشکل ہی: "شبی مادر از من آب خواست .. رفتم و آب
آوردم۔ مادر در خواب شدہ بود، کوزہ بر دست گرفتم و ایستادم و سرما بغایت سرد
بود۔ چوں مادر بیدار شد آب خواست۔ بن کوزہ با کف دست بر خاست۔ مادر
گفت چرا کوزہ بر زمین نہ نہادی۔ گفتم ترسیدم کہ تو بیدار شوی، من در خواب
شدہ باشم پس مادر گفت آں در یک نیمہ فراز کن۔ تا وقت سحر اندازہ میکردم
تا یک نیمہ راست فراز کنم تا خلاف آں نکردہ باشم۔ سحرگاہ آنچہ می جستم اندر در آمد"

(ج) اشعار ذیل میں فراز صریحاً بمعنی کشادہ نظم ہوا ہی:

چوں کشتہ بہ بینیم دو لب کردہ فراز ... دز جان تہی قالب فرسودہ بہ آز الخ

یہ رباعی ہفت اقلیم م ۳۶۰ میں رودکی کے نام ہی، لیکن، احوال رودکی ۳
ص ۱۰۴۱ میں لکھا ہی کہ رفیع الدین لنبانی کی ہی، اس نے اپنے قتل کیے جانے کے وقت کہی
تھی (بہ حوالہ آثار البلاد زکریا قزوینی)

ہمہ جمال تو بینم چو چشم باز کنم ... ہمہ شراب تو نوشم چو لب فراز کنم

رومی ص ۵۷

در غیب چوں بر کسی نیست باز ... نباید در عیب کردن فراز

ابن حسام ۱۲۲

زہر چہ ہست بپوشید چشم چوں صائب ... بروی خود در توفیق را فراز کنید صائب ۸۴

از گوہرش غبار یتیمی نمیرود ... آنرا کہ چوں صدف لب خواہش فراز شد

صائب کا پہلا شعر م ۶۰۸ ۳۱۴ میں اور دوسرا بہار ۲ ۲۳۶ میں ہی۔

دوش ہنگام فراز در رحمت بجہاں ... آمد از عالم بالا ملکی سوی زمیں

اثر ۶۹

وعمر لیست حزیں راکف امید فراز است امید کہ محروم نسازند گدارا،
حزیں ص۲۶۱

وشہرت کار این گروہ خبیث بی نیاز است از بیان وحدیث
حزیں م ۲۸۸

مدعا اینکہ روزگار دراز در صد فتنہ شد بخلق فراز،

(ط) ذیل کی سندیں غالب کے معاصرین یا ان کے بعد کے لوگوں کی نظم و نثر سے لی گئی ہیں:

'ای شاہ. بر تخت ور دولت فراز باد چوں زلف یار رشتۂ عمرت دراز باد،
قاآنی ص۳۵۷

ذیل کا شعر دیوان یغما ص۱۷۶ میں ہے، لیکن مجمع ا ص۲۳ میں منسوب بہ سلطان قاچار؛ اور اس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان کے اشعار دیوان یغما میں داخل ہو گئے ہیں:

ہستی خویش و دیگراں پاک نکند بیکراں
تا بر تخت فراز شد چشم خدای بین من

'کلبۂ . . درویشاں باز . . وچشم مہمانداری فراز، یغما ص۵۳ ذیل کے تین شعر گنج سے ماخوذ ہیں اور اس کے حاشیہ ص۸۶ میں لکھا ہے کہ فراز لغات اضداد سے ہے:

درمضاں رفت ایا شمسۂ خوبان طراز جام دردہ کہ در میکدہ کردند فراز،
سروش

ودولت زرای تست بر آسایش وطراز بر روی خلق کردہ در خرمی فراز،
شہاب

'مقیم کعبہ گرم در بروی بستہ چہ غم کہ پیر میکدہ ام در بروی کردہ فراز،
نامی

وحید کے اشعار مغ ۵-ص۱۳۱ اور رشید یاسمی کا شعر مغ ۴ ص۳۸۹ سے ماخوذ ہے:

برنامۂ ارمغاں زششم در ابواب بلا فراز کردند وحید

ہر نغمہ، شور و فتنہ و شر در چنگ زمانہ ساز کردند
'کہ در بہشت ہمسا ناز دوری معشوق بروی عاشق باشد۔ در جہیم فراز'
یاسمی

(۷۰) "در فرہنگی از نظر۔ گذشت کہ چرگر را بہ معنی رسول و مفتی خاطر نشان
.. میکند۔ .. اغلاط فرہنگ نگاراں .. خواص را نیز از راہ میبرد .. چرگر بہ جیم
فارسی مفتوح .. ترجمۂ مغنی است، اما و چر بواو مفتوح .. فتوی را گویند .. لاجرم
و چرگر ترجمۂ مفتی میتواند بود۔ حاشا ثم حاشا کہ پیمبر را و چرگر میتواں گفت چہ
جای آنکہ چرگر گویند۔ چرگر خود لفظیست کہ نسبت بہ مفتی سوی ادب است و
مفتی در بلند پایگی بہ پیمبر نہ رسد" دک صفحہ ۱۳۶
جہاں میں چرگر بالضم سے متعلق یہ عبارت ہے: "سہ معنی دارد: اول پیغمبر
.. ناصر خسرو ..:
بر بے (؟) شیر دین یزداں شو کز پس چرگر امت است بناز
دوم مفتی .. ابو الحفص سغدی بہ نظم آوردہ ..:
بوس و نظرم حلال باشد بایار ایں فتوی من گرفتم از چرگر
سوم مغنی .. شہاب الدین مہمرہ راست:
ز آوای مطرب ز دستان چرگر دل من تپاں ہمچو ماہیست در بر
اس فرہنگ میں وچرگر کو بہ فتحتین اور تینوں معانی کا حامل لکھا ہے
سروری کی روایت اول میں چرگر کے بارے میں مرقوم ہے: "بوزن سردر .. مغنی
بود در تحفہ (تحفۃ الاحباب اوبہی ہ) و اما در نسخہ ابو حفص سغدی بمعنی مفتی آمدہ
و ایں بیت را مؤید خود آوردہ: بوس و نظرم الخ"۔ (واضح رہے کہ سروری صاحب
جہاں گیری کی طرح صراحۃً یہ نہیں کہتا کہ شعر ابو الحفص کا ہے) اسی روایت میں
وچرگر کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ بہ فتحتین ہے اور نسخہ ادفائی میں اس کے معنی مفتی درج
ہیں۔ روایت ثانی میں اس کے سوا کہ جہاں کا حوالہ اور مہمرہ کا شعر بھی ہے اور کوئی

نئی بات نہیں۔ اس نسخہ میں وچرگر کے متعلق یہ عبارت ہے: "بفتح واو وجیم.. در نسخۂ وفائی مفتی باشد و ہندہ (کذا) و در فرہنگ بمعنی او (کذا) بضم واو وجیم آمدہ" رشیدی میں چرگر بالضم بہ معنی مفتی و مغنی اور اشعار ناصر خسرو و ابوالحفص و ہمرہ۔ مؤخر الذکر کے متعلق مؤلف لکھتا ہے کہ "دور نیست کہ قائل ایں بیت مفتی را بہ تصحیف مغنی خواندہ باشد و ایں بیت مطابق آں گفتہ چہ شعری دیگر بایں معنی بہ نظر نرسیدہ و بہ تکلف دریں بیت نیز بمعنی فتوی دہندہ تواں گفت یعنی از آواز مطرباں دل من میل بعشرت و بادہ نوشی میکند واز حیلہ و مکر مفتی و تقریر و سیاست (تقریر و سیاست در مؤید) او از آں باز می آید و دریں میاں است۔ و ایں لفظ مرکب می نماید شاید کہ.. چیر۔ بحکم و فتوی.. باشد" رشیدی میں صاحب جہاں کا یہ قول بھی ہے کہ بہ معنی پیمبر ہے ص۲۴۱۔ اس کتاب میں وچرگر بہ فتحتیں کے متعلق مرقوم ہے: "و در فرہنگ بضم واو وجیم آوردہ بمعنی سرود گو و صحیح چرگراست.. واو عطف را جزو کلمہ نپنداشتہ" ص۲۸۳ احمد نے سراج اللغۃ سے آرزو کا یہ قول نقل کیا ہے: "چرگر صاحب حکم دینیست و بہ پیمبر نیز اطلاق می شدہ باشد چرا کہ صاحب حکم دینیست' پس بریں تقدیر نسبت تصحیف بہ شاعر کہ استاد مسلم الثبوت و.. خسرو.. تعریف آں کردہ خطا ست' و نیز دستاں بہ معنی مکر و حیلہ دریں جا گرفتن بیجاست بلکہ بمعنی آواز باید گرفت کہ بہ از سخن و حرف باشد و مراد ازیں بیت (بیت ہمرہ) آنست کہ با آواز مطرب دل در بر من می تپد کہ خوش می آید و بحرف چرگر کہ ناصح است دل می ترسد چرا کہ نغمہ بموجب فتوی حرامست۔ دریں صورت شعر بے تکلف درست می شود۔ غالباً کسیکہ بمعنی مغنی.. نوشتہ تصحیف کردہ باشد۔ و چرگر بمعنی مغنی و سرودگوی و تحقیق ایں لفظ در چرگر گذشت و آں بمعنی فتوی دہندہ است و بمعنی مطرب خطا" ص۴۲۵

(الف) "وِچِر (کذا)، کرت دینیک کتابیست کہ در آں از مسائل مختلف دینی بحث شدہ.. وچرکرت مرکب است از دو کلمۂ اوستائی: نخست وچیر کہ بہ معنی فتوی دہندہ است' از ہمیں لغت است کلمۂ وزیر.. در فرہنگہا لغات وِچر، وِچارش،

وِجرگر بمعانی گزارہ یاگزارش (شرح وتفسیر) وفتوی ودستور و.. مفتی ضبط شدہ وباچ نیز آمدہ است، دوم گرِت کہ بہ معنی فصل است وازاں دریں جا قطعہ ای بریدہ ارادہ شد" (آقای پورداؤد، خردہ اوستا صہ)۔ اس سے ظاہر ہے کہ وِچر خود بہ معنی مفتی ہے، اور اس پر اضافۂ گر کی ضرورت نہیں، لیکن بلعمی کے یہاں وِجر (ج یا چ اس کا فیصلہ ممکن نہیں) یا جر فتوی کے معنی میں آیا ہے اور اس صورت میں اضافی پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ عبارات بلعمی: "مدت یکسال قاضی بنشست وجری میکرد" صہ۵۲، "گفت بنشیں وجری میگیر" صہ۵۲۔ واو عطف کا ہے اور یہ قرین قیاس ہے، تو بلعمی نے جبر لکھا ہے جس کا وجود فرہنگ ابوالحفص سے ثابت ہے۔ لفظ زیر بحث کی شکل اگر اس کی اصل کا لحاظ کیا جائے تو وِچر بہ کسر تین ہے اور اس کا مخفف چر بھی بالکسر ہونا چاہیے غالب کا وِچرگر اور چرگر کو بالکل مختلف الاصل سمجھنا غلط ہے (ب) وچرگر وچرگر کے معانی میں مطلق فرق نہیں، مفتی ثابت ہے؛ تو پیمبر بھی ہو سکتا ہے، اس لیے کہ پیمبر کی ایک حیثیت مفتی کی بھی ہے، لیکن ناصر خسرو کا شعر اس کی سند نہیں، اس کا مصرع ۲ دیوان مطبوعۂ ایران میں یوں ہے: 'از پس خرگز افزاسپ متاز' صہ۲۰۵ (محشی رشیدی نے بھی یہی شکل لکھی ہے) (ج) غالب نے چرگر اور وچرگر کے متعلق ل ۱۵ میں لکھا ہے: "چرگر اور وچرگر کے باب میں.. جو کچھ منشی جی نے لکھا ہے عقل سلیم اس کو قبول نہیں کرتی کہ چرگر پیمبر کو بھی کہیں اور مطرب کو بھی کہیں۔ یہ بھی مثل خاور اور باختر کے متقدمین کے کلام میں آیا، مگر متوسطین نے سوء ادب سمجھ کر ترک کیا اور متاخرین کا اتفاق اسی پر رہا.. وچر فتوی اور وچرگر مفتی بہ طریق تنزل وچرگر پیمبر کو.. کہہ لو، چرگر نہ مفتی کو کہا جائے نہ پیمبر کو، اگر کسی فرہنگ والے نے لکھا تو وہ غلط فہم، اگر کسی شاعر نے لکھا تو وہ غلط گو" اس سلسلے میں ایک بات تو یہ ہے کہ یہ صریح تبدیل رائے ہے اور غالب کا فرض تھا کہ قاطع کی اشاعت ۲ کی عبارت میں اس کے مطابق ترمیم کر دیتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تنزل کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، پیمبر کی ایک حیثیت فتوی دہندہ کی بھی ہے، مزید یہ کہ خود پیمبر اپنی اصلی شکل پیام بر میں ہر معمولی پیام لانے والے

کے لیے مستعمل ہے، اور نبی کے لیے پیمبر کے استعمال میں قباحت نہیں سمجھی جاتی۔ متوسطین کا چرگر کو بہ معنی پیمبر سوء ادب سمجھ کر استعمال نہ کرنا اور متاخرین کا اس سے اتفاق، بالکل بنائی ہوئی باتیں ہیں۔ قاجاری شعرا سے قطع نظر جو متقدمین کی تقلید میں بہت سے متروک الفاظ لاتے ہیں، اور جن کے بارے میں اس وقت میں قطعی طور پر کچھ کہنے سے قاصر ہوں، چرگر یا چرگر کی ان مثالوں کے علاوہ جو اوپر نقل ہوئی ہیں، مجھے صرف ایک مثال ملی ہے جو نفحات الانس (ترجمۂ سلطان مجد الدین طالبہ، معاصر فخر الدین رازی، ص۲۰۴) میں ہے: درویش محمد چرگر یکے از ابدال بودہ۔۔ چرگر آہے بزد۔۔ گفت چرگر شہر مسلمانان را چرا می سوزی۔ چرگر باز گشت۔۔۔ اس عبارت سے بالکل پتا نہیں چلتا کہ چرگر کے کیا معنی ہیں اور ظاہرا بطور لقب مستعمل ہوا ہے۔ (۷) چرگر بہ معنی مغنی خود غالب کی دستنبو میں آیا ہے: 'چرگر کہ ز زخمہ زخم بر چنگ زند' ص۲، مگر شعر مہرہ اور بعض فرہنگ نگاروں کے اقوال کے سوا اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ یہ اس کے لیے آ سکتا ہے۔ شعر مہرہ کے بارے میں بھی رشیدی اور آرزو کا قول ملاحظہ طلب ہے۔ د چرگر و چرگر ایک ہیں، اور اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ان دونوں کے معانی مختلف ہو جائیں۔

(۱۷) برہان ذمہ کو حرف نفی لکھا ہے، غالب فرماتے ہیں کہ "استغفر اللہ۔۔ تنہا میم حرف نفی است و جز صیغۂ امر بہ ہیچ صیغۂ دیگر ربط نیابد" (ک ص۱۱۱)۔ مہ کے بارے میں بہار کا بیان یہ ہے: "آوردن مہ علامت نہی و دعای نفی کہ متقدماں مانند فخری گرگانی و سنائی۔۔ آنرا بدون فعل در مورد دعا آوردہ اند۔ سنائی:

با چنین ظلم در ولایت تو — مہ تو و مہ سپاہ و رایت تو

اسکندر نامہ (بہار کی رائے میں زمانہ اواسط مائۂ ۵)۔۔ مکرر آوردہ است۔ مثال: 'قیدافہ پسر خود را برنجانید و زجر کرد و گفت مہ تو و مہ ملک مصر کہ پدر زن تو بود'۔ شاہ گفت مہ تو رستی و مہ ہر شش پدرا پس بفرمود تا او را گردن زدند، و امروز مہ فقط بطریق پیشاوند بر سر افعال در آید و خاص دو صیغۂ اول

شخص مفرد و جمع امر حاضر کہ دو صیغۂ نہی از آں ساختہ شو چوں مرد، مروید و صیغۂ
نفی دعا چوں باد مباد رساد مرساد..." سبک ۲ ص ۱۲۸

شارح کے اشعار یا مصرعہای ذیل سے بھی غالب کے قول کی تردید ہوتی ہے:

کہ با اہرمن جفت باشد پری — کہ مہ تاج بادت مہ انگشتری ص ۳۹
کہ مہ نام شاں باد و مہ کام شاں ص ۲۳۲ — کہ مہ کشورش باد و مہ افسرش ص ۲۷۱
کہ مہ تاج بادا مہ تخت و سپاہ — مہ گشتاسپ و جاماسپ و مہ بارگاہ ص ۲۶۹
ز بہرام مہ مغز بادا مہ پوست — مہ آں پادشہ را کہ بہرام ازوست ص ۳۱۵

مگر شاہنامۂ مطبوعہ میں مہ اسم سے پہلے ایک جگہ بھی نہیں آیا، بلکہ شارح نے [illegible] میں بھی یہ مصرع ہے: "کہ نہ تخت بنیاد بنہمت نہ بخت" ظاہرا کاتب شارح نے مصرع بغیر [illegible] کے [illegible] اس زمانے میں اس کے ارادے کو دخل ہو یا نہ ہو عہد کی زبان میں لکھ گیا ہے ورنہ فردوسی نے "نہ" نہیں، مہ ہی لکھا ہوگا، مگر احمد کا یہ قول کہ اب بھی ایسے مواقع پر نہ کی جگہ مہ ہی لکھا جاتا ہے صحیح نہیں۔ (مؤید ص ۳۵۶)

(۷۲) "بخش بخشاں بخشاند بخشانیدن بخشی بخشید بخشیدن بخشیدہ.. ہم چنیں تقدیم و تاخیر ہشت لغت در ہشت فصل بزباں رفت و سراسر یک صفحہ زیاں رفت۔ تا بہ آں کجاست کہ بہ بحث چگونگی معنی گرائیم.. تمیز چناں میخواہد کہ بخشیدن و بخشیدہ و بخش فعل لازمی باشد و بخشی از باب مضارع صیغۂ واحد حاضر باشد و بخشانیدن و بخشاند و بخشاں فعل متعدی بود، ایں بوالعجب بخشی را لباس معنی مفعولیت پوشانیدہ ہمانا چوں در ہندی.. یائے تحتانی علامت تانیث است و تانیث مفعولیت و بخشندہ بخشی را.. مفعول اندیشید و باقی لازمی و متعدی را درہم آمیخت"
دک ص ۱۱

(الف) بخش وغیرہ کے بیان نے برہان مطبوعہ کی ۲۲ سطریں لی ہیں اس کے ایک صفحے میں عموماً ۲۷ سطریں ہیں (ب) بخش بخشیدن کا امر ہے، مگر اس کا ذکر برہان میں نہیں (ج) غالب نے بخش کے معانی سے بحث نہیں کی، لیکن یہ کہہ کر کہ

یہ فعل لازمی ہے، کنایتہً ان معانی سے جو برہان میں ہیں، اور اس کی کسی دوسری حیثیت سے انکار کیا ہے۔ میں ذیل میں اس کے متعلق سروری کی عبارت نقل کرتا ہوں۔ سروری میں بھی کم و بیش وہی معانی ہیں جو برہان میں ہیں: "پژمردہ و فراہم شدہ.. از زحمتے یا از سببے دیگر.. شمس فخری گوید:

چوں جاں ندہد دشمن ایں شاہ بہ بدروز زیں ساں کہ دلش گشت ز آسیب فنا بخس

و در تحفہ بمعنی عشوہ و گداز و رنج تیز آمدہ و بمعنی مزروعے کہ آب نے حاصل آمدہ نیز باشد و پوستے کہ تپش آتش بہ آں رسد و چیں چیں شود.." معیار سے متعلق میری یادداشت میں مرقوم ہے: بخس چیزے کم قیمت و (اس کے بعد کا لفظ پڑھا نہیں جاتا) باشد از غم۔" میری یادداشت میں یہ ہے کہ ان دونوں معانی کی سند اس میں موجود ہے، لیکن میں نے سند نقل نہیں کی۔ (ج) بخسی برہان میں بہ معنی پژمردہ کہ آب حاصل آمدہ و گداختہ شدہ"۔ غالب کی طنز "ایں بوالعجب.. بختند، بالکل بے محل ہے۔ میری رائے میں بخسی کی ی زائد ہے، جیسے شگفت سے شگفتی سروری نے اس کے بارے میں لکھا ہے: "بخسی.. پژمردہ شد.. ناصر خسرو..:

تو گشتمند جہانی ز داس مرگ بترس کنوں کہ زرد شدستی چو گندم بخسی

(د) بخسان ظاہرا غالب کے نزدیک بخسانیدن کے امر کے سوا اور کچھ نہیں، یہ امر ضرور ہے، لیکن اس کی یہ حیثیت برہان میں قلم انداز کر دی گئی ہے۔ اس میں اسکے معانی جو دیے گئے ہیں ان سے (گداختن سے قطع نظر) اس کا تعلق بخسانیدن کی جگہ بخسیدن سے ثابت ہوتا ہے اور ان دونوں میں وہی نسبت ظاہر ہوتی ہے جو لرزاں و لرزیدن، افتاں و افتادن میں ہے۔ برہان کا قول چوں کہ ظاہرا سروری سے ماخوذ ہے، ذیل میں سروری کی عبارت منقول ہے: "بخساں بمعنی پژمردہ و فراہم آمدہ و رنج دیدہ۔ و دیگر بمعنی گداختن و گدازاں باشد و در نسخۂ وفائی و شمس فخری ہمیں گدازاں آوردہ و گفتہ...:

مخالف ارچہ کہ خود را چو سنگ می پنداشت ز تاب آتش قہرش چو موم شد بخساں"

یہ شعر فخری کا ہے اور معیار کی ص۹ میں مندرج ہے؛ لیکن معیار میں 'قہر ش' کی جگہ 'تیغش' ہے
(۳۷) 'واقعی سداب کا ذکر کتب طبی میں بھی ہے۔ قراب اور سداب دونوں لغت عربی الاصل صحیح ہیں'۔ (اردوی معلّیٰ ص۳۷۲)۔ سذاب (بہ ذال معجمہ) ابن بیطار کی الجامع نسخہ رم ۳۶ل میں، اور سداب (بہ دال مہملہ) اختیارات م ۱۲۷، تحفۃ المومنین، ریاض الادویہ، الفاظ الادویہ وغیرہ میں موجود ہے، لیکن ان میں سے کسی میں صراحۃً یہ نہیں لکھا کہ کس زبان کا لفظ ہے۔ ذال معجمہ کے ساتھ قاموس ا ص۸۱ میں ہے اور مؤلف نے اس کے معرّب ہونے کا ذکر نہیں کیا، لیکن جمہرۃ العرب جزء ا ص۲۵ میں مرقوم ہے کہ "البقلۃ المعروفۃ السذاب فمعربۃ ولا اعلم للسذاب اسما بالعربیۃ الاان اہل الیمن یسمونہ الختف" جلال الدین سیوطی نے بھی المزہر نسخہ رم میں صاحب جمہرہ کا یہ قول نقل کیا ہے اور اس سے اختلاف نہیں کیا۔ سداب (اس قاعدے کے مطابق جو ظہیر فاریابی ابن یمین وغیرہ نے نظم کیا ہے) پہلے فارسی میں بھی ذال معجمہ ہی کے ساتھ تھا۔ سداب شعرائے ایران کے یہاں بھی بہ کثرت ملتا ہے اور اس کے ادبی استعمال کی قدیم ترین مثال رودکی کا یہ شعر ہے جو جہانگیری جلد ا ص۲۹۲ میں مندرج ہے:

اگر سداب بکارند از تو یاد کنند سداب مردی و زتن فزوں شود زسداب

(۳۸) غالب 'بخش' کو بہ معنی برج تسلیم نہیں کرتے: "ایں نابینا (یعنی برہان) جائے دیدہ است کہ فلک را بہ دوازدہ بخش کردہ اند و ہر بخش را برج نامند گمان کرد کہ بخش برج را گویند یا چنیں دیدہ است کہ بخش بہ معنی بہرہ و برخست و برج فہمیدہ است" دک ص۳۲ سروری میں بخش بہ معنی برج بہ سند رودکی و فردوسی:

آفتاب آید زبخشش زی برہ روی گیتی سبز گردد یکسرہ، رودکی

چو پیدا شد آں چادر عاج گوں خور از بخش دو پیکر آمد بروں، فردوسی

شعر فردوسی ش ۴ ص۹ اور ش ج ۴۰۳ میں ہے اور لفظ بخش اس میں موجود ہے۔ جام جم ص۵ میں یہ مصرع ہے: 'زیر ایں طارم دوازدہ بخش'؛ صراح ا ص۱۳۸ میں برج کے معنی 'یکی از دوازدہ بخش فلک' لکھے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ بہ معنی برج مجازاً

مستقل ہی لیکن یہ درست نہیں کہ بخش برج کے لیے آیا ہی نہیں۔

(۷۵) غالب کے نزدیک برزگر بہ معنی مزارع صحیح ہے، لیکن برزیگر غلط ہے دک ص۴۳
مگر یہ برہان کے علاوہ اور فرہنگوں میں بھی ہے اور غالب کو یہ بتانا تھا کہ وہ اسے کیوں غلط سمجھتے
ہیں۔ یہ لفظ آقائے پورداؤد کے ترجمہ گاتھا ص۲۷ میں ۴ جگہ آیا ہے اور اس کے بارے میں
مترجم نے حاشیہ میں لکھا ہے: "کلماتیکہ ما بہ برزیگر و غیرہ برزیگر ترجمہ کردہ ایم ۔۔ در تفسیر
پہلوی در زینار داد و زینار شد" اسی کتاب کے مقدمہ میں ایرانِ قدیم کے طبقات سہ گانہ کی بحث
میں آقائے موصوف نے تحریر کیا ہے: "وَرِزِنَ بمعنی کار و کوشش باشکال مختلف داخل
زبان ماست۔ برز و ورز کہ بمعنی کار مزرعہ باشد ۔۔ و برزیگر کہ مرد مزرعہ کار است ۔و۔۔
ورزش و ورزیدن ۔۔ چہ از ریشہ دین ورزی باشد کہ در گاتھا بسیار استعمال شدہ
است" ختم۔ پہلوی میں ورزینار کا وجود اس پر دلالت کرتا ہے کہ برزگر سے قدیم تر
ہے۔ اسناد برزیگر:

بہ برزیگری گشت ہم داستان بکردار فرزانہ باستان برزو ص۲۸۳
ازاں بیم کش نا یدش ساز جنگ بہ برزیش مے داشتم زیر سنگ،

چو برزیگراں کشت ہی کاشتند، ش ج ۳۲۶۔ برزیگری، صدور ص۱۱؛ برزیگراں،
خاقانی ص۲۷۹: چو بنگری ہمہ برزیگراں یکدگریم، مرز ص۲۹۲، ص۳۶۔ نگار م۳۱۸۔
صراح ا ص۳۵۰

(۷۶) "میامار بمعنی شمار و حساب کمن می آرد و میگوید کہ امار و امارہ حساب را گویند۔
ما میگوئیم کہ ادار و ادارہ بمعنی دفتر حساب آمدہ است و ابار و اپارہ مبدل آں میتواند بود۔ایں
امار و امارہ دانستہ میامار بمعنی نہی وضع از حساب از کجا پدید آمد۔ اوّل باید کہ مصدرے
باشد و آں مصدر را مضارعے بود و از آں مضارع امر استخراج کنند و میم نہی بر اں امر نہند
تا میامار صورت پذیرد و آں خود نیست ادار۔ لفظیست غیر متصرف ۔۔ واو بصورت میم
چراسخ فند ایں ہمہ ساز و برگ از کجا آورد کہ آنرا امر و میامار نہی وجود گرفت"۔ دک ص۱۱۲
سروری لکھتا ہے: "میامار یعنی در حساب میامار و شمار سوزنی گوید ۔۔

تا از سرِ نشتری دخترانِ لیلی   میدان بہر انفال من دو سہ میا مار
آثار بمدانعف در تحفہ و رسالۂ حسین وفائی بمعنی استقسا و تتبع و حساب۔ ہار رشیدی
میں امارہ بہ معنی حساب بہ سند لیبی :

اگر خواہی سپاہش را شمارہ   بروں باید شد از حدِ امارہ

جہاں میں شعر سوزنی تو از الخ معنی حساب ممکن، سوزنی کا شعر ذیل معنی نہایت طلبی و تجسس اور معنی استقصا کی سند میں فخری کا شعر ذیل دیا ہے:

ساعتکی روی پیش من ار و پیش باش   کار بمن ہان و بر مگرد میا مار   سوزنی
حسود جاہ تو بی آب در تموز فتن   مباد جز بہ بیاباں فتادہ و آمار   فخری

معیار ص۹۳ میں واقعی بمعنی استقصا ہے اور چونکہ فخری کا زمانہ صاحب تحفہ و وفائی سے پہلے ہے، قریب بہ یقین ہے کہ ان دونوں نے یہ معنی اسی سے لیے ہیں۔ فخری کو اس معاملے میں سخت دھوکا ہوا ہے، کسی نے غلطی سے استقسا کو استقصا لکھ دیا ہوگا اور وہ اسی صحیح سمجھا۔ اصلاً امار و شمار ایک ہے۔ پہلے ہی امار فارسی میں اپنی اصلی شکل میں بھی رہا اور شمار بھی ہو گیا۔ باب اول میں پور داؤد کی جو عبارت جیبود سے متعلق نقل ہوئی ہے اسمیں روز امارہ آیا ہے۔ قاآنی کے دیوان میں شعر ذیل کے لفظ امارہ کے بارے میں حاشیے میں لکھا ہے دفتر محاسبہ، مگر میرا خیال ہے کہ یہاں امارۂ فارسی کی جگہ امارۂ عربی ہو سکتا ہے:

نثار آید و مار آید و خاں آید و خاقاں   با مارہ و با یارہ و باشارہ و ملحم ص۲۳۸

تذکرۃ الملوک کے حواشی میں منورسکی نے لکھا ہے کہ اوارہ اوارہ کی عربی شکل ہے (بہ حوالۂ مفاتیح العلوم خوارزمی)۔ ص۱۴۲۔

(۷۷) "آنرا کہ موی سر سترد حجام نگویند مگر در عرف عام۔ گرفتم کہ اجماع جمہور را مسلم تو انداشت، درباره سر تراش چہ فرمانست؟ حجام مسکیں موی سر می سترد، نہ سر میتراشد۔ سر تراش صفت جلاد میتواند شد نہ صفت حجام۔ در عبارت بلغا نیز یکدو جا دیدہ ام کہ سر تراش را ترجمۂ مزین آوردہ اند و ایں غرابت تمام دارد، گوئی .. از سر موی سر مراد داشتہ اند" دک ص۲۶ غالب کا خیال معلوم ہوتا ہے کہ سر تراش

بمعنی موتراش فارسی میں نہایت قلیل الاستعمال ہی؛ یہ قطعاً نادرست ہی، جیساکہ اسناد ذیل سے ظاہر ہی:

"حضرت رسالت پناہ . . یاران خود را فرمود کہ . . سرہا را تراشید، ہیچکدام اجابت نکردند، اوّل آنحضرت برخاست و سر مبارک تراشید" بلعمی ص۲۱۷؛ بجز سرتراشی کہ بودشس غلام، سکندر نامۂ بحری ص۱۱۲۔ ہرچند زاہد است و تراشیدہ سر ولیک، ظہیر۔ 'سرش تراشید و زنبیل در دست او نہاد، تذکرۃ الاولیا عطار م ۱۹۸؛ 'سرش تراشیدند او موی در کیسہ نہاد، راوندی ص۴۳؛ 'بیشتر برہمنان بودند سرہا را تراشیدہ داشتند، طبقات ص۱۴۸؛ 'سرو ریش میتراشم دل کس نمیخراشم، رومی ص۵۳۴ 'فرج دید در سر تراشیدنش، بوستان ص۸۸؛ تو نیز جامۂ ازرق بپوش و سر متراش، طیبات سعدی ص۹۵ 'سر تراشیدن و احرام گرفتن سہلست، اوحدی ص۲ 'تراشیدہ سر صوفیی را ببین، اعجاز ۵ ص۳۳ 'خود را تراشیدہ سر می نمائی، ص۳۷؛ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند، حافظ ص۲۵۱ 'قلندر . . عجمی اطلاق این لفظ بر کسی کند کہ سر و ریش تراشیدہ باشد، آذری ص۱۱۰۔ 'برادران و اولاد او ہمہ سر تراشیدند، طبر ص۱۱۸، 'بدست مبارک خود سر او را تراشید . . و کلاہ درویشانہ بر سر او نہاد، ص۲۸۴؛ مقامر از اسر و ریش تراشیدہ بیازار برآورد، تاریخنامہ ہرات ص۴۲۲؛ از سرتراشی استرہ طلبید، کاشفی ص۲۱۱، 'بحمام بردند و سرش تراشیدند ص۶۴، 'سرتراشی روزی سر خواجہ می تراشید ص۱۷۷، مصرع جامی ماخوذ از کاشفی: 'گر تراشیم سر و ریش ستردم موبمو ص۱۳۸، 'شہرت سرتراش از آئینہ است، سقا ص۲۱۸، 'دلنگی سرتراش اگردانی، ص۲۱۹، ص۲۱۶؛ 'سر او را تراشیدہ مجالس المومنین (مجلس ۳)؛ بینیت تیغ سرتراشی ماند، مصرع شفائی، از مؤید ص۷۶؛ 'دلاک آمد کہ سر امیر تبراشد، رموز ص۱۲۱، 'سر . . را تراشیدہ و سفیداب کشیدہ، ص۲۶۳۔

'سفر میکنم صاحبا ورنہ من　　　　چہ سر بلکہ گردن تراشیدمی طالب ا ص۱۳۰
'سر و ریش و ابرو بروت و مژہ　　　　برسم برہمن تراشیدمی، ایضاً
'سیصد کس از برای سرتراشی و ریش تراشی زائران آنجا معین بودند، فرشتہ ا ص۳۳۲،

’سر تراشی و ختنہ‘ ص۱۲۲، ص۱۸۶؛ ’دو سہ ہزار برہمن سر تراشیدہ‘، فرشتہ ۲ ص۳۱۲، ص۳۸۶؛ ’مشائخ آنعصر موی سر را بسیار مکروہ میداشتند و ہمیشہ سر میتراشیدند‘، ص۳۸۶، ص۲۱۲؛ ’کہ سر بازیست اینجا سر تراشی‘، اثر ص۵۹؛ ’ہر آنکس سر تراشی کرد خواہش‘، ص۵۹۔ استرہ تیغ سر تراشی‘، برہان جامع؛ ’تیغ سر تراش‘، طغرا ص۳۵۱؛ ’شمشیر را انساز دکس تیغ سر تراشی محسن تاثیر از چراغ ہدایت ص۴۸۸؛ ’سر تراشی‘، آتش ص۳۸۹ ص۳۴۹۔ سر تراشی ہفت اقلیم مطبوعہ ص۹۲؛ ’سر و ریش ہم تراشیدن‘، عارف ص۱۲۴۔

’رفت یک شخصی کہ تا تراشد سر و ریش در بر دلاک از خود خر تر ریش‘، ص۲۵۸

(۷۸) برہان میں سر خاریدن معانی ذیل کے لیے آیا ہے: ”نومید شدن، نگاہ داشتن، تسلی کردن، راغب شدن، لطف نمودن، تعلل و درنگ و اہمال ورزیدن، عاجز شدن در جواب خصم، حیلہ و مکر کردن، تملق نمودن، خجل شدن، بہانہ آوردن“۔ غالب کی رائے میں یہ معانی ”بیشتر نقیض یکدیگر“ ہیں اور اصل مفہوم اس کا اُن کے الفاظ میں یہ ہے: ”انسان در آں حالت کہ فرو ماندہ باشد و ہیچ کار نتواند کرد، کاری پیش گیرد، چنانکہ عرفی فرماید:

مرا زمانہ طناز دست بستہ و تیغ زند بہ فرقم و گوید کہ ہاں سری میخار“ دک ص۸

احمد نے مؤید ص۲۸۳ میں شرح قصائد عرفی سے اس شعر کا جو مطلب نقل کیا ہے اس سے محاورۂ زیر بحث کے وہ معنی جو غالب نے دیے ہیں، ثابت نہیں ہوتے، لیکن اس موقع پر اس سے قطع نظر کرتے ہوئے میں کچھ اسناد پیش کروں گا جن سے یہ واضح ہوگا کہ غالب کا سر خاریدن کے معنی صرف ایک سمجھنا اور باقی معانی سے انکار کرنا درست نہیں۔ اس سلسلے میں یہ کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کر رہا ہوں کہ برہان کے کل بیان کردہ معانی صحیح ہیں:

’بدستاں بگو انچہ دیدی زکار بگویش کہ از آمدن سر مخار‘ ش ا ص۱۲۳

’اگر ہیچ سر خاری از آمدن سپہبد ہمی زود خواہد شدن‘ ” ص۱۲۱

’بدریای قلزم بجوش آرد آب نخارد سر از کین افراسیاب‘ ” ص۲۷۶

’چنیں گفت پیراں بہ لشکر کہ ہیں مخارید سرہا ابر پشت زیں‘ ” ص۲۸۱

بمعنی موتراش فارسی میں نہایت قلیل الاستعمال ہی؛ یہ قطعاً نادرست ہی، جیساکہ اسناد ذیل سے ظاہر ہی:

"حضرت رسالت پناہ . . یاران خود را فرمود کہ . . سر ہا را تراشید، ہیچکدام اجابت نکردند، اوّل آنحضرت برخاست و سر مبارک تراشید" بلعمی ص۴۱۷؛ بجز سر تراشی کہ بودش غلام، سکندر نامۂ بحری ص۱۲۔ ہر چند زاہد است و تراشیدہ سر ولیک، ظہیر۔ 'سرش بتراشید و زنبیل در دست او نہاد' تذکرۃ الاولیا عطار م ۱۹۸ل؛ 'سرش بتراشید او موی در کیسہ نہاد' راوندی ص۴۷؛ بیشتر برہمناں بودند سر ہا را تراشیدہ داشتند' طبقات ص۱۴۸؛ 'سر و ریش میتراشم دل کس نمیخراشم' رومی ص۵۲۴ 'فرج دید در سر تراشیدنش' بوستان ص۸۸؛ 'تو نیز جامۂ ازرق بپوش و سر متراش' طیبات سعدی ص۶۵ 'سر تراشیدن و احرام گرفتن سہلست' اوحدی ۳ل؛ 'تراشیدہ سر صوفیی را ببین' اعجاز ۵ ص۳۳؛ 'خود را تراشیدہ سر می نمائی' ص۳۰۷؛ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند' حافظ ص۲۵۱؛ 'قلندر . . عجمی اطلاق این لفظ بر کسی کنند کہ سر و ریش تراشیدہ باشد' آذری ص۱۱۰۔ 'برادران و اولاد او ہمہ سر تراشیدند' طبر ۱۱۸ل؛ 'بدست مبارک خود سر او را بتراشید . . و کلاہ درویشانہ بر سر او نہاد' ص۲۸۴؛ مقامر از سر و ریش تراشیدہ بیازار بر آورد' تاریخنامۂ ہرات ص۲۲۲؛ از سر تراشی استرہ طلبید' کاشفی ۲۱۱ل؛ 'بحمام بردند و سرش تراشیدند ۶۴ل' 'سر تراشی روزی سر خواجہ می تراشید ۱۷۷ل' مصرع جامی ماخوذ از کاشفی: 'گر تراشیدم سر و ریش ستردم مو بمو ۱۳۸ل' 'شہرت سر تراش از آئینہ است، سقا ۲۱۸ل' 'دلنگی سر تراش اگردانی' ۲۱۹، ۲۱۶ل؛ 'سر او را تراشیدہ مجالس المومنین (مجلس ۲)؛ بہینیت بہ تیغ سر تراشی ماند' مصرع شفائی، از مؤید ص۷۶؛ دلاک آمد کہ سر امیر تبراشد' رموز ص۱۱۰؛ 'سر . . را تراشیدہ و سفیداب کشیدہ' ص۲۶۳۔

'سفر میکنم صاحبا ور نہ من چہ سر بلکہ گردن تراشیدمی' طالب ا ص۱۳۰ل
'سر و ریش و ابرو بروت و مژہ بر سم برہمن تراشیدمی' "
'سیصد کس از برای سر تراشی و ریش تراشی زائران آنجا معین بودند' فرشتہ ا ص۳۴۳؛

'سر تراشی و خفتن' ص۱۲۲، ص۱۸۶'' دو سہ ہزار برہمن سر تراشیدہ' فرشتہ ۲ ص۳۱۲، ص۳۸۶
مشائخ آنعصر موی سر را بسیار نکردہ میداشتند و ہمیشہ سر میتراشیدند' ص۳۸۶، ص۲۱۲ 'کہ سر
بازیست اینجا سر تراشی' اثر ص۵۹، 'ہر آنکس سر تراشی کرد خواہش' ص۵۹۔ استرہ تیغ سر
تراشی' برہان جامع 'تیغ سر تراش' طغرا ص۳۵۱ 'شمشیر را انساز دکس تیغ سر تراشی محسن
تاثیر از چراغ ہدایت ص۴۸۸ 'سر تراشی' آتش ص۳۸۹ ص۳۴۹ 'سر تراشی ہفت اقلیم
مطبوعہ ص۹۲ 'سر و ریش ہم تراشیدن' عارف ص۱۲۴۔

'رفت یک شخصی کہ تا تراشد سر شش   در بر دلاک از خود خر تر شش' ص۲۵۵

(۸۷) برہان میں سر خاریدن معانی ذیل کے لیے آیا ہے: "نومید شدن، نگاہ داشتن،
تسلی کردن، راغب شدن، لطف نمودن، تعلل و درنگ و اہمال درزیدن، عاجز شدن
در جواب خصم، حیلہ و مکر کردن، تملق نمودن، خجل شدن، بہانہ آوردن" غالب کی رای میں
یہ معانی "بیشتر نقیض یکدیگر" ہیں اور اصل مفہوم اس کا اُن کے الفاظ میں یہ ہے: "انسان
در آں حالت کہ فرو ماندہ باشد و ہیچ کار نتواند کرد، کاری پیش گیرد، چنانکہ عرفی فرماید:

مرا زمانہ، طناز دست بستہ و تیغ   زند بہ فرقم و گوید کہ ہاں سری میخار" دک ص۸۰

احمد نے مؤید ص۲۸۳ میں شرح قصائد عرفی سے اس شعر کا جو مطلب نقل کیا ہے اس سے
محاورۂ زیر بحث کے وہ معنی جو غالب نے دیے ہیں، ثابت نہیں ہوتے، لیکن، اس موقع پر اس سے
قطع نظر کرتے ہوئے میں کچھ اسناد پیش کروں گا جن سے یہ واضح ہوگا کہ غالب کا سر خاریدن
کے معنی صرف ایک سمجھنا اور باقی معانی سے انکار کرنا درست نہیں۔ اس سلسلے میں یہ کہہ دینا
ضروری سمجھتا ہوں کہ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کر رہا ہوں کہ برہان کے کل بیان
کردہ معانی صحیح ہیں:

'بدستاں بگو آنچہ دیدی ز کار   بگویش کہ از آمدن سر مخار' ش ا ص۱۲۳
'اگر ہیچ سر خاری از آمدن   سپہبد ہمی زود خواہد شدن' " ص۱۲۱
'بدریای قلزم بجوش آرد آب   نخارد سر از کین افراسیاب' " ص۲۷۶
'چنیں گفت پیراں بہ لشکر کہ ہیں   مخارید سر ہا بر پشت زیں' " ص۲۸۱

"شب و روز بهرام پیشِ پدر — همی از پرستش نخارید سر" ش ۳ ص ۲۰۴

"آمده پیغام حجت گوش دار ای ناصبی — پاسخش ده تا توانی سر مخار ای ناصبی" ناصر

"خود کام و برد بار دلی دارم ای عجب — فریاد و درد زین دل خود کام و برد بار

صد بار گفتمش که نه کار تو است عشق — ره باز جوی و رخت بیا ویز و سر مخار" ازرقی

"تا نداری پنجهٔ شیران سر شیران مخار" لامعی — ازرقی و لامعی از مجمع ا ص ۱۲۲ و ص ۴۹۶

"ای دل سرهٔ مسکینی چنین کن — مگذار مرا که سر بخارم" فلکی ص ۲۹

"سرم میخارد و پروا ندارم — که در عشقش سر خود را بخارم" نظامی ص ۱۲۰

"به تیشه چون سر صنعت بخارد — زمین را مرغ بر ماهی نگارد" ص ۱۲۷

"پیر مردی خارکش میراند خر — خار او افتاد میبخارید سر" منطق ص ۱۴۰

دید محمودش چنان در مانده — بار او افتاده حیران مانده"

"تو ای یار غارم امید تو دارم — که سر را بخارم نگارا نرنجی" رومی ص ۹۸۱

گر پای ترا تیغ نگیرد — یکدم نه هلد که سر بخاری ص ۱۰۰۵

چو عشقش بر آرد سر از بیقراری — ترا کی گذارد که سر را بخاری ص ۹۸۴

آن رفت که اقبال بخارید سر ما — ایدل سر اقبال از این خار بخاری ص ۸۱۸

دست مرا بست وگر نه کنون — من سر تو بهتر از این خارمی ص ۹۷۲

درین دل موج داری سر غواص میخارم — دلی کو دامن فهمی سزاوار گهر باری ص ۷۸۶

تا نیابم آنچه در مغز من است — یک زمانی سر نخارم روز و شب ص ۱۱۲

عشرتی هست درین گوشه غنیمت دارید — دولتی هست حریفان سر دولت خارید ص ۲۸۲

یار مرا می نه هلد تا که بخارم سر خود — هیکل یارم که مرا می فشرد در بر خود ص ۲۵۸

من سر و پا گم کنم دل ز جهان بر کنم — گر نفسی او به لطف سر نه بخارد مرا ص ۴۷

ای یار کرم دار دلارام کرم دار — پیش آ بدست خویش سر بندگان بخار ص ۲۷۸

توئی دریای مخلد که درو ماهی بیحد — از سر جهل مکن رد سر انکار چه خاری ص ۸۸۸

یک لحظه که من سری بخارم — ای عشق تمیدهی امانم ص ۱۰۰۵

خدایت چوں سر مستی نداست　　حذر کن تا سر مستی نخاری　ص ۸۵۰
چو ناحق تیز نگذارد ترا عشق　　روا باشد کہ این سر را نخاری　ص ۸۲۷
بپرس او کیست شمس الدین تبریز　　بجز در عشق او تا سر نخاری　ص ۸۳۲
در بادۂ زد و شیں خوردی بیاد و شیں　　تا از ضلال پیشیں نہار سر نخاری　ص ۹۴۱
چناں کہ عارف بیدار خفتہ از دنیا　　بخار رست کسی کہ سرش تو می نخاری ص ۹۵۱
بہر چہ تت ز بفرماید تو میکن　　خلاف ز مکن از شہریاری
خلافش کردی و ز در کمیں است　　چو ز گم شد سر دیگر نخاری، ص ۸۴۹
'مبادا آنروز کز درگاہ لطفت　　بدست ناامیدی سر نخاریم' طیبات ص ۷۲
'خاری چہ بود بپای مشتاق　　تیغی بزنش کہ سر نخارد' ترجیعات ص ۷۱
'گرا و نیکبختت کند سر بر آر　　وگرنہ سر ناامیدی بخار' بوستاں ص ۸۲
'گر من از عہدت بگردم ناجوانمردم نہ مردم　　عاشق نباشد گر ملامت سر نخارد'
طیبات ص ۵۶
'مشغول عشق جاناں گر عاشقست صادق　　در روز تیر باراں باید کہ سر نخارد'
طیبات ص ۴۶
'رو تنزہ پیشہ کن در گنج بابی خوش مشو　　با قضا تسلیم شو در تیغ بارد سر مخار'
خسرو ص ۱۰۵

'سرشاں می خارد کہ برساں گاومیشان زسر بر سر زنند' اعجاز ۴ ص ۱۶۳
'قلمہای موشگاف را فرصت سر خاریدن نخواہد بود' اعجاز ۲ ص ۴۲۔
'از خار رہ بتاں چہ باکست　　گر تیغ زنی تو سر نخاریم' خسرو کلیات مط ص ۲۱۹
'یاغی مشغولند و پروای سر خاریدن و دیدہ مالیدن ندارند' غازانی ص ۸۵
'ز برگ کہ نیشتر بخارم　　رفتم بقضا کہ سر بخارم' ظہوری ص ۵۳۲
'زبس شغلِ نیازم فرصتِ خاریدنِ سر کو　　نیازم مستی حسن است ده فرمایش نازش' ص ۲۴۱
'از شغل غم فرصتِ خاریدنِ سر نیست　　اینست مرا پیشہ جز این ہیچ ہنر نیست'
طالب ص ۱۱۲

"غیر کلکت، کو بہر انگشت دارد صد ہنر   کیست کو خارد سر چندیں مہمات خطیر"
طالب

"بقدر سعی صفایافتند راہروان   بہ ہر دو گام دریں راہ سر مخار برو" صائب

"غیر الخ"، اور "بقدر الخ"، ماخوذ از مصطلحات ص ۲۵۵ "ناخن را نبود فرصت سرخاریدن"
اشرف ۱۹۴

"بستہ شد آواز عرعر بسکہ با شمشاد گفت   میرود حسنت شتابان طرہ مکشا سر مخار"
طغرا ص ۳۳۲

"کمر لبستہ است طغرا تا بہ آتشبازی داغت   نمیخارد سر خود را ز دست بی مجالیہا" ص ۱۴۰

"روا نبود کہ مداح تو با این منطق شیریں   نیارد چوں مگس لختے ز سستی سر بخاراند"
قاآنی ص ۸

(۷۹) "بامن این خشم وکیں دریغ دریغ   من چناں تاں چنیں دریغ دریغ" ص ۹۲

"از غم گردوں بہ پناہید تاں   ہر چہ بخواہید بخواہید تاں" ص ۴۲

"کرد زاں قوم میر عدل سوال   کہ کیانید و چیست تاں احوال" سنائی

"بی علم و بی عمل چو خراں می چرا رہید   زیرا کہ تاں ز جہل ہوا مقتدا شدہ" ناصر

"عمر تاں باد و رازای ساقیان بزم جم   گرچہ جام ما نہ شد پر می بدوران شما" حافظ

غالب کے تین شعر جو کلیاتِ غالب میں ہیں اور سنائیؔ و ناصر و حافظ کے اشعار مؤید ص ۲۱۴ میں مندرج ہیں، اور احمد نے یہ لکھا ہے کہ تاں جس طرح سنائیؔ و ناصر و حافظ کے یہاں آیا ہے صحیح ہے، لیکن غالب نے اسے جس طرح استعمال کیا ہے، صحیح نہیں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے مہاراجہ کلیان سنگھ، عاشق کے یہاں تاں فاعل کی حیثیت سے آیا ہے، لیکن، متاخرین و متوسطین درکنار متقدمین ایران کی نظم و نثر سے بھی اس کا قطعی ثبوت نہیں ملتا کہ یہ اس طرح استعمال ہو سکتا ہے۔ فردوسی کا شعر ہے:

"اگر تیرہ تاں شد دل از کار من   بپیچید سر تاں ز گفتار من" ش ۱ ص ۲۲۳

مصرع ۱ میں تو ظاہر ہے کہ تاں مفعول ہے، مصرع ۲ میں اس کا گمان ہو سکتا ہے کہ

فاعل ہی، لیکن اگر سرتاں میں نکتِ اضافت تسلیم کیا جائے تو یہ گمان بھی باطل ہو جاتا ہی واضح رہی کہ 'شاں' کا معاملہ جداگانہ ہی، مگر اس سی بحث کی یہاں ضرورت نہیں۔

(۸۰) برہان میں ایک جگہ 'عربی نژداں فارسی زباناں' آیا ہی (بحث تیزی)، غالب نے 'فارسی زباناں' کو 'فارسی داناں' لکھا ہی اور اعتراض کیا ہی کہ "عربی نژاداں فارسی داناں، طرز تحریر کدامیں کشور است؟ 'شاہان دادگر' گویند یا 'شاہان دادگراں'؟ جمع در موصوف کافیست و اعادہ در صفت ناانصافیست۔ دانستہ شد کہ نہ بذاتِ خود تیز بیست و نہ شناسای حقیقت لفظ تیزی" دک ص۵۷۔ احمد نے غالب کی مثنوی بادِ مخالف کا شعر ذیل:

'عطر بر مغز گیتی افشاناں پہلوانان پہلوی داناں' کلیاتِ ص۹۱

نقل کر کے لکھا ہی کہ "در بیچہ فرمانست؟ و در روزمرہ 'پہلوانان پہلوی دان' است؛ پس جواب او ہماں جواب من است" مؤید ص۶۱۔ غالب نے تیغ میں اس کا کچھ جواب نہیں دیا اور یہ شعر کلیات کے کل نسخوں میں اسی طرح ہی۔ غالب نے مآثر کے ایک خط میں بھی صفت جمع استعمال کی ہی: "فرزندان ارجمنداں" ص۲۵۔ قاطع (اشاعت ۲) کے دیباچۂ جدید کی عبارت ذیل میں فروغ پذیراں بھی ملاحظہ طلب ہی۔ "آں بہ سخن جہانگیراں کہ۔۔ پیش از فروغ پذیراں بودہ اند" ص۶۔ حقیقت یہ ہی کہ صفت کی جمع پہلے مستعمل تھی، مگر مدتوں سی متروک ہی۔ سبک ۲ ص۳۷ کی عبارت ذیل جو تاریخ بیہقی سی متعلق ہی، ملاحظہ ہو: "مطابقت صفت و موصوف در عدد و جمع کہ در زبان پہلوی نیز معمول بودہ است وطبری ہم گاہی استعمال کردہ است ولی بعد از قرن ششم ایں قاعدہ از بین رفتہ است۔ مانند: ساقیان ماہردیاں۔۔ ایشاں سوارانند و من پیادہ۔۔ گرد بر گرد دار آفرینہا غلاماں بودند باجامہای سقلاطونہا و بغدادیہا و سپاہانیہا۔۔ وغیرہ وغیرہ" طبری (یعنی تاریخ فارسی نوشتہ بلعمی مبنی بر طبری) کی بارے میں بہار کا قول صحیح ہی، بلعمی لکھتا ہی: 'زنان پردگیان خویش را اندر پردہ بنشانید' ص۵۵۴۔ فردوسی بھی صفت کی جمع استعمال کرتا ہی: 'سواران پولاد خایاں بدند' ش ا ص۱۵۵ 'پرستندگان را اسیراں کنند' ش ج ص۱۰۹۔

'ہمہ نامداران جوشنوران' ش ا ص۲۲۶ ۔

(۱۸) 'آویزہ ۔۔ گوشوارہ راگویند" برہان "حاشا کہ آویزہ و گوشوارہ یکے تواند بود۔ گوشوارہ چیزیست زرنگار یا مرصع بجواہر آبدار کہ بردستار پیچند و آویزہ پیرایہ ایست کہ در نرمۂ گوش سوراخ کنند و آں پیرایہ را در آں انداز ندتا آویزاں باشد" اس سے صریحاً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آویزہ و گوشوارہ دو بالکل مختلف چیزیں ہیں؛ آویزہ ایک زیور ہے جو کان کی لو میں سوراخ کرکے پہنا جاتا ہے اور گوشوارہ دستار سے لپیٹا جاتا ہے صاحب محرق نے بیان برہان کی تصدیق کے ساتھ یہ لکھا کہ گوشوارہ جس کا تعلق دستار سے ہے، شاہانِ ہند اور چیزوں کے ساتھ خلعت میں دیا کرتے تھے۔ ظاہرا گوشوارہ باندھنا رسمِ ہند ہے۔ ان کتابوں میں جو فارسی کا ماخذ ہیں نہیں ملتا، فرہنگ نگاروں نے بھی اس گوشوارہ کا ذکر نہیں کیا۔ غالب نے اس اعتراض کو دیکھ کر ل ۵ میں جو تحریر کیا وہ یہ ہے: "خان غالب لکھتے ہیں' حاشا کہ آویزہ و گوشوارہ یکے تواند بود' اس ادعا کو کون غلط کہہ سکتا ہے؟۔۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے، مگر آگے نجم الدولہ بہادر لکھتے ہیں کہ' گوشوارہ چیزیست ۔۔ باشد' قصداً چھپا بیان قصد کے خلاف ہے چاہیے تھا کہ آویزہ کی تخصیص مٹاتے اور اس کی تعمیم میں کلام کرتے نہ کہ گوشوارہ کے معنی اصل چھوڑ کر گوشوارہ' اصطلاحی کا ذکر کیا اور آویزہ کے معرّف اس نہج پر ہوئے کہ دیکھنے والا گمان کرے کہ شاید آویزہ زیور گوش ہے بالتخصیص۔ خدا کی قدرت ایسا صاحب کمال عدیم المثال ایک سہل تقریر میں دو مغالطے کھائے" (اس کے بعد وہ طویل عبارت ہے جو میں نے افسوس کی بحث میں نقل کی ہے اور جس میں آویزہ و افسوس سے متعلق غالب کی غلطیوں کو' سہو طبیعت' کہا ہے)؛ حاشا ۔۔ باشد' یہ قاطع کی اشاعت ا کی عبارت ہے، اشاعت ۲ میں باشد کے بعد عبارت ذیل بڑھائی گئی ہے: "اما آویزہ خصوصیت بگوش ندارد در کلاہ و تاج و تخت و چتر نیز استعمال یابد، و گوشوارہ باوجود آں معنی کہ نوشتہ آمد ہر گونہ پیرایۂ گوش را نیز گویند، نہ تنہا آویزہ را۔ آرے آں آویزہ را کہ در ترصیع تاج و تخت بکار رود گوشوار و گوشوارہ چوں تواند گفت ؟" ص۲۵ ۔

(الف) غالب نے اشاعت ا میں جو کچھ لکھا تھا اس میں طرز تحریر کا قبح نہیں۔

غالب گوشوارہ وآویزہ کو دو بالکل مختلف چیزیں سمجھتے تھے اور یہی ان کی قلم سے نکلا ہے اشاعت ۲ میں غالب کو چاہیے تھا کہ اشاعت اکی عبارت میں ترمیم کر دیتے، لیکن، اس کی ضرورت انھیں محسوس نہیں ہوئی اور اضافی کے بعد ان کا بیان بہت بھونڈا ہو گیا ہے (ب) ل ۵ اور اشاعت ۲ دونوں میں غالب اس بات پر قائم ہیں کہ گوشوارہ دستار سر لپیٹنے کی چیز ہے گو اس کا انھوں نے اعتراف کر لیا ہے کہ کان کے زیور کو بھی کہتے ہیں، خواہ وہ کان کی لَو سے لٹکتا ہو یا کان میں کسی دوسری طرح پہنا جاتا ہو، مگر انھوں نے اس کا کوئی ثبوت نہیں پیش کیا کہ گوشوارہ اصطلاح اہلِ ایران کے استعمال میں ہے، اور غالباً یہ ممکن بھی نہیں۔ (ج) گوشوار (بہ اضافۂ الف زائد) کے استعمال کی قدیم ترین مثال مثال ف ا ص۹۳ میں رودکی کا یہ شعر ہے:

بیک گردش بہ شاہنشاہی آرد   دہد دیہیم و تاج و گوشوارا

فردوسی کے یہاں یہ لفظ بہ کثرت آیا ہے از آں جملہ: 'بروں کرد از گوشش خود گوشوار' ش ا ص۸۵

نشست از بر تخت با گوشوار	بسر بر نہاد افسر زرنگار	ص۲۱۸
اگر شد فریدوں چنیں شہریار	نہ ما بندگانیم با گوشوار	ص۵۳
زمشک سیہ کردہ بر گل نگار	فرو ہشتہ بر غالیہ گوشوار	۱۶۵
فرو ہشتہ از تاج دو گوشوار	بگردنش طوق زبرجد نگار	ص۳۰۱

فارسی تمثیلات میں ہے: "نہ این حسین مگر گوشوار عرش خداست" ص۲۰۲۔ اس سے ثابت ہے کہ مخصوص بہ گوش نہیں، مگر کانوں کے ہر قسم کے زیور کے لیے غالباً نہیں آتا، صرف اس کے لیے جو آویزاں ہو۔ بہار ۲ ص۳۶۲ میں اور معانی بھی جن کا برہان و غالب کے یہاں ذکر نہیں (د) آویزہ کے متعلق غالب نے جو کچھ لکھا ہے وہ قرین قیاس ہے، لیکن اس وقت اس کی کوئی سند میرے پاس نہیں، رموز ص۱۲۴ کی عبارت ذیل سے اس کا نیزہ بازی سے بھی تعلق معلوم ہوتا ہے: "در نیزہ وری شدند از یکدگر حلقہ و آویزہ و ... بل باز می ربودند"۔

(۸۲) برہان میں دانش گر بمعنی دانشمند لکھا ہی، غالب فرماتی ہیں: "دانشگر لفظی غریب آورد کہ اطلاق ایں صفت جز بر خدا روا نباشد۔ چہ ایں لفظ من حیث المعنی مرادف دانش آفرین است" دک ص۶۹ لاحقہ گر فارسی میں کس کس طرح مستعمل ہی غالب نی اس پر غور نہیں کیا۔ کبھی گر محض زائد ہوتا ہی:

"کہ پیروزگر بود روز نبرد　　بمردی ز ہوماں بر آورد گرد" ش ۲ ص۶
"ورا ایدونکہ پیروزگر باشد او　　بشاہی بسانِ پدر باشد او" ش ۳ ص۱۴۷

جادوگر میں بھی گر زائد ہی۔ بہت سی الفاظ ہیں جو گر کی ساتھ نہیں گری کی ساتھ مستعمل ہیں اور گری یای مصدری کی جگہ ہوتی ہی جیسی ساقی گری، یاغی گری، صوفی گری وغیرہ۔ غالب نی اردو میں ساقی گری خود بھی استعمال کیا ہی: 'ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم'؛ بنانی والی کی لیی آتا ہی جیسی تیرگر، پیکاں گر وغیرہ، زر، آہن، پولاد اور اسی قبیل کی دوسری الفاظ کی ساتھ ہوتا ہی تو اس کا پیدا کرنی یا بنانی سی کچھ سروکار نہیں ہوتا، گر صرف یہ ظاہر کرتا ہی کہ جن اشخاص کی لیی یہ الفاظ آئی ہیں ان کا تعلق زر، پولاد وغیرہ سی ہی۔ اضافہ گر سی کرنی والی کی معنی بھی پیدا ہو جاتی ہیں، جیسی حیلہ گر۔ صاحب و دارندہ کی لیی آتا ہی جیسی تواں گر۔ دانش گر میں گر صاحب کا مرادف ہی اور جہاں میں طیان مرغزی کا شعر ذیل اس کی سند میں موجود ہی:

چو دانشگر ایں قولہا بشنود　　پس آنگہ زمانی خرد سر برد

اگر دانش گر لازماً خدا کی لیی مستعمل ہونا چاہیی تو آہن گر، زرگر وغیرہ کا استعمال بھی خدا کی سوا کسی کی لیی روا نہیں۔

(۸۳) برہان میں 'دانم' بمعنی 'توانم' ہی۔ غالب اس سی ناواقف ہیں، لکھتی ہیں کہ "اگر دانم و توانم در معنی مرادف ہمدگر باشند ایں جگر تشنۂ تحقیق را نیز بفہمانند" دک ص۶۹۔ توانم کی ایک شکل تانم ہی اور دانم ت کی د سی بدل جانی سی پیدا ہوا ہی۔ مجمع ا ص۱۲۵ میں فرخ قاجار کا مصرع ہی: "ہیچ عدوئی چنیں نتاندید" اور اسی کتاب میں انوری کا یہ شعر ہی:

آخر از رابطۂ قہر کجا داند شد　　سرعت سیر نفاذت نہ بہ پای ہر بست ص۱۵۶

یہ شعر سروری اور دیوان انوری م میں بھی ہے اور دونوں میں "داند" ہی مرقوم ہے۔
(۸۴) فوائد قاطع میں ہے: "گروہی بحسب اجتہاد جامع کشف نقص۹۰ اللغات .. گرفتن را
بکسر تین صحیح انگارند و شعر سعدی را کہ در بوستانست:

تبسم کناں دست بر لب گرفت　　کہ سعدی مدار آنچہ دیدی شگفت

سند آرند۔ گوئی آگہی ندارند کہ فردوسی در شاہنامہ صد جا گرفت را با گفت خفت
و ہزار جا۹۱ با شگفت قافیہ کردہ است و آں نیست مگر تغایر حرکت ماقبل روی کہ فردوسی
سعدی و بعضی از متاخرین روا داشتہ اند در اصل گرفتن بہ کسرۂ اول و فتحۂ ثانیست
چنانکہ فردوسی .. گوید..:

سر و دل پُر از کینہ کردہ برفت　　تو گوئی کہ عہد فریدوں گرفت

ہم چنیں خاقانی در تحفۃ العراقین بعد بیت افتتاح در نعت سراید..:

خور پیش تو رہ پیادہ رفتہ　　مہ غاشیۂ تو بر گرفتہ

آنکہ ایں ہر دو شعر را چنانکہ در بارۂ شگفت و گرفت گفتہ ایم از جواز اختلاف
حرکت ماقبل روی روی پندارد از تحقیق بہرہ ندارد و مارا بادی سخن نیست" دک ص۱۸۴
(الف) روی قافیے کے آخری حرف اصل یا اس کے قائم مقام کو کہتے ہیں۔ غالب
ظاہرا یہ سمجھتے ہیں کہ گرفت و شگفت میں روی ف ہے، لیکن یہ حرف قید ہے اور روی ت۔
حرف قید سے پہلے جو حرف ہوتا ہے اس کی حرکت کا اصطلاحی نام حذو ہے اور حرف
ماقبل روی کی حرکت کو توجیہہ کہتے ہیں۔ روی اگر حرف وصل سے مل کر متحرک ہو گیا ہو
تو حذو و توجیہہ کا اختلاف بالاتفاق جائز ہے؛ یہ صورت نہ ہو تو نار وا ہے اور اسے اقوا
کہتے ہیں۔ خاقانی کے شعر میں روی حرف وصل ہائے مختفی سے مل کر متحرک ہو گیا ہے،
اس لیے یہ شعر گ یا ر کی کسی حرکت کے ثابت کرنے میں مطلق مدد نہیں دے سکتا۔ (ب)
شعر خاقانی کے خارج از بحث قرار پانے کے بعد غالب کے پاس صرف ایک شعر رہ جاتا ہے
جو ان کے مفید مطلب ہے، مگر جب وہ خود معترف ہیں کہ فردوسی کے یہاں گرفت ہزار جگہ

شگفت اور سو جگہ نہفت و گفت کا قافیہ آچکا ہے تو محض ایک شعر کی بنا پر جس میں گرفت رفت کا قافیہ بندھا ہے وہ کس طرح قطعی طور پر اس کے مدعی ہیں کہ گرفت فردوسی کی زبان پر مکسور الرا تھا، میں اس کے سمجھنے سے قاصر ہوں۔ غالب کہتے ہیں کہ اس شعر کے سوا جس میں گرفت رفت کا قافیہ آیا ہے، کل اشعار میں تغایر حرکت ماقبل روی ہے، مگر یہ بات انھیں معلوم کس طرح ہوئی؟ یہ بات کہیں زیادہ قرین قیاس ہے کہ معیوب قافیہ ہزار یا سو نہیں، ایک جگہ آیا ہو۔ (ج) قبل اس سے کہ اقواے متعلق فردوسی کے مسلک سے بحث کی جائے، میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ شگفت کے گاف کی حرکت غالب کے نزدیک کیا ہے۔ اس کے متعلق غالب نے صراحتہً کچھ نہیں کہا، لیکن اگر وہ اسے مکسور نہ سمجھتے تو یہ کہنے کی جگہ کہ شعر سعدی میں تغایر ماقبل روی ہے، وہ صاف صاف یہ کہتے کہ یہ شعر فتح یا ضم (جو بھی ان کی راے میں صحیح ہو) کے ثبوت میں تو پیش ہو سکتا ہے، لیکن ر کو مکسور ماننے والے اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ (د) قدیم ترین کتاب جس میں قوافی کی بحث ہے اور جو اس وقت موجود ہے المعجم ہے۔ اس کا مصنف اقوا کو عیب سمجھتا ہے اور کچھ تعجب نہیں اگر فردوسی اور اس کے معاصرین کے نزدیک بھی یہ معیوب ہو، مگر اس عہد کے کلام سے یہ ثابت ہے کہ یہ لوگ اقواے بچنے کی بہت زیادہ کوشش نہیں کرتے۔ نولڈیکے کا یہ بیان کہ فردوسی کا کلام جملہ عیوب قافیہ سے خالی ہے، کسی طرح صحیح نہیں۔ سعدی اور ان کے بیشتر معاصر اقواے بچنے کی نسبتہً زیادہ سعی کرتے ہیں، اور متاخرین ان سے بھی زیادہ اس معاملے میں محتاط ہیں۔ (ہ) فردوسی کے یہاں گرفت جن الفاظ کا قافیہ آیا ہے ان میں حرف قید سے قبل کا حرف تینوں حرکات کے ساتھ ہے مگر سب سے زیادہ جو لفظ گرفت کا قافیہ بندھا ہے وہ شگفت (تعجب) ہے، اور قیاس چاہتا ہے کہ فردوسی کے زمانے میں را اور گ کی حرکت ایک ہو، مگر یہ امکان بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں سے صرف ایک یا دونوں کی ایک سے زیادہ حرکت صحیح سمجھی جاتی ہو۔ (و) فردوسی کی طرح دوسرے شاعروں کے یہاں بھی خواہ کسی زمانے کے ہوں، گرفت کا قافیہ شگفت دوسرے الفاظ کے مقابلے میں کہیں زیادہ آیا ہے، شگفت کا گاف جہاں تک قوافی سے معلوم ہو سکتا ہے، متقدمین کے یہاں تینوں حرکتوں

کے ساتھ بندھا ہے۔ صاحب معیار نے اسے ان الفاظ سے جن میں حرف ماقبل مفتوح یا مضموم ہے علیحدہ رکھا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک یہ مکسور الکاف تھا، جامی اور انکے معاصرین کے کلام میں گاف مکسور اور مضموم پایا جاتا ہے، لیکن مفتوح نہیں ملتا۔ اس کے بعد سے صرف مکسور مستعمل ہے اور زبان حال یہی ہے۔ گرفت عنصری کی وامق وعذرا (ارمغان جلد ۱۲) میں کفت بالکسر کا قافیہ آیا ہے، معیار میں یہ لفظ شگفت کے ساتھ ہے اور سروری نے اسے بہ کسرۂ کاف درالکھا ہے۔ آج کل بھی یہی تلفظ ہے چنانچہ فرہنگ اسدی طبع کے نسخے مطبوعہ ایران میں اسے صحیح ضبط ہوا ہے۔

(۸۵) "تہم بفتح اول وثانی .. شخصیکہ در بزرگی جثہ وترکیب وقد وقامت وشجاعت ومردی .. نظیر نداشتہ باشد وتہمتن مرکب از ینست وبسکون ثانی ہم بدینمعنی آمدہ" برہان ۔ تہمتن .. یکے از القاب[۹۲] رستم .. دبمعنی است ومردم قوی جثہ وشجاع بے نظیر رانیز گویند چہ معنی ترکیبی آں بے ہمتا تن است وبمعنی سپہدار ولشکرکش[۹۳] .. ہم است وبندگی وفرمانبرداری کردن رانیز گویند" برہان۔ غالب کہتے ہیں کہ "تہم بفتحتین .. در پارسی قدیم اسم فلک نہم است کہ آنرا اطلس نامند" دکھ ص۵۷۔ اشاعت اول میں انھوں نے تہم بہ سکون ہا کو "نادرست" بتایا تھا، اشاعت ۲ میں اس کے بارے میں یہ لکھا کہ اگر ضرورت شعر سے اس طرح نظم میں آئے تو نثر میں یا "تکلم وتلفظ" میں حجت جواز نہیں ہو سکتا ص۵۶۔ آقا پور داؤد تہورث کی بحث میں لکھتے ہیں: "جزء اول این اسم مرکب کہ تخم (بفتح ت وم وسکون خ) باشد در فرس ہخامنشی وگاتھا وسایر قسمتہای اوستا بمعنی دلیر وپہلوان است .. در پہلوی وفارسی تہم شدہ .. در شاہنامہ تہمتن لقب است کہ برستم دادہ شدہ یعنی بزرگ پیکر وقوی اندام۔ در واقع تہمتن معنی کلمہ رستم است چہ رستم نیز مرکب است از دو جزء، نخست از .. رئوذ کہ بمعنی بالش ونمو است .. دوم از .. تہم۔ بنا برایں رستم درست بمعنی تہمتن است یعنی کشیدہ بالا وبزرگ تن وقوی ہیکل۔ بسا در فرہنگہا رستہم ضبط شدہ کہ بخوبی جزء دوم اسم محفوظ است در اسم گستہم نیز کلمۂ تہم بہ ہیئت اصلی خود باقیست" یشتہا ۲ ص۱۳۹۔ غالب کا یہ عقیدہ کہ پارسی قدیم میں تہم

فلک تہم کو کہتے ہیں بظاہر ملّا فیروز کی فرہنگ دساتیر پر مبنی ہے، مگر خود ت دمیں بھی فلک تہم کا مرادف نہیں، تہم تن اس کا ہم معنی ہے۔ ملّا کو اس معاملے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ ت دمیں تہم کس طرح استعمال ہوا ہے اس کا پتا اقتباسِ ذیل سے چلے گا: "سراسر جہاں یک کس است، تنے دار داز ہمہ تنہا وآنرا تہم گویند" دساتیر سے متعلق یہ باتیں احمد نے مؤید ص۲۰۵ میں بھی لکھی ہیں، لیکن غالب نے تیغ میں اس کے جواب کی طرف مطلق توجہ نہیں کی۔

ف ا ص۱۹۱ میں تہم سے متعلق مرقوم ہے: "تہم نے ہمتا بود و تہمتن رستم را بداں میخوانند کہ مثل او نبود برائے تن و قد و قامت۔ دقیقی

کرا تخت و شمشیر و دینار باشد   وبالا و تن تہم و نسبت کیانی"

شاہ نامہ ۳ میں بھی دقیقی کا یہ مصرع ہے: "بس تہم جاماسپ دستور شاہ" ص۱۲۔ شعر ذیل جس میں تہم کے معنی دیے ہیں۔ جہاں میں فردوسی کی طرف منسوب ہے، لیکن مجھے شاہ نامہ میں نہیں ملا:

تہم ہست در پہلوانی زباں   بمردی فزوں ز اژدہای دماں

فردوسی کے ایک مصرع میں تہم کی ہ ساکن ہے لیکن چوں کہ میم کے بعد الف آیا ہے، یہ مصرع سکون ہ کی سند نہیں، اور مقامات پر فردوسی نے ہای متحرک سے نظم کیا ہے، مثلاً 'جز اسفندیار تہم را نماند' ش ۳ ص۲۴۴۔ مگر تہم تن میں جو تہم ہے وہ کبھی متحرک اور کبھی ساکن نظم ہوا ہے۔ مصرعہای ذیل میں جو جہاں سے ماخوذ ہیں، ہ ساکن ہے: 'چو گردان گردن کش از تہم تن'، 'ز گفتار چوں شیر شد تہم تن'۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ فردوسی کے نزدیک تہم بہ فتحۂ ہا اور بہ سکون ہا دونوں صحیح ہے، یا ان میں سے ایک ضرورت شعری سے آیا ہے۔ اس صورت میں وہ کسی لفظ کی اصل شکل سمجھتا تھا اس کا فیصلہ بھی آسان نہیں۔ معیار ص۹۳ میں بہ سکون نظم ہوا ہے اور اس کے معنی 'پہلوان و بے ہمتا بہ بزرگی و قامت' درج ہیں۔ سروری نے بہ ہلے بہ سکون لکھا ہے اور اس کے بعد یہ اضافہ کیا ہے کہ 'بہ فتح ہا نیز آمدہ'۔ اس فرہنگ میں یہ بھی مرقوم ہے کہ "صاحب فرہنگ منظومہ بہ معنی بزرگ[۹۴] آوردہ مطلقاً۔۔۔: تہم باشد بزرگ و توف صدا"۔ صرف تہم متوسطین و متاخرین کے یہاں کم ملتا ہے؛ اور تہم تن زیادہ تر بہ فتحۂ ہا پایا

جاتا ہی؛ مگر ایرانی معاصرین غالب کے یہاں بہ کثرت بہ سکون بھی نظر آتا ہی: قاآنی ص۲، ص۵۵ +، مجمع ۲: (صبا کاشانی ص۲۸۰، ص۲۸۱)۔ تہم کی اصل اور اس کی اسناد پر نظر کرتے ہوئے یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہی کہ اس کی دونوں شکلیں صحیح ہیں۔

(۸۶) "رخشا بفتح اول.. بمعنی رخشاں.. وبضم اول نیز گفتہ اند"، برہاں "رخشا و رخشاں ہر دو برای.. مفتوح است.. رای.. مضموم مذموم"، دک ص۷۶۔ برہان نے رای رخشاں کو مفتوح بھی لکھا ہی اور مضموم بھی، لیکن اس کے خاص ماخذ سروری جہاں کے علاوہ شرف نامہ و مؤید الفضلا میں صرف مضموم بتائی گئی ہی اور ان سب سے قبل گزیدہ ص۱۲۶ میں 'رخشندہ'، 'درخشاں'، دونوں کی ر پر صاف پیش دیا ہوا ہی ظاہر ہی کہ یہ گویا رخشا ہی کی ر کا مضموم ہونا ہی۔ برہان جامع میں رخشا بہ ضم و فتح اول درج ہی۔ رخشیدن اور اس کے مشتقات مفتوح الرا بھی ہیں یا نہیں، اس کے بارے میں اس وقت قطعی طور پر کچھ کہنا مشکل ہی، لیکن یہ بالکل واضح ہی کہ قدیم تر اور زیادہ قابلِ اعتماد اسناد مضموم الرا ہونے ہی کی ہیں۔

(۸۷) منفرقات غالب کے ایک خط کی عبارت ہی: "امروز .. فرصت نامہ فرسائی و انصراف کاغذ در روشنائی، و مہلت انشا آرائی بخود یافتہ ام" ص۴۷۔ مداد کے لیے روشنائی اردو میں مستعمل ہی اور ممکن ہی غیر محتاط ہندی فارسی نویسوں کے یہاں بھی مل جائے، لیکن ایرانیوں کی تحریر و تقریر میں روشنائی روشن کے اسم مجرد کے سوا کچھ نہیں۔ خاقانی کہتا ہی:

وتاریکی جہل خود ستائیست   لا اعلم عین روشنائیست، تحفہ ص۳۴

(۸۸) "ترہات بروزن اُتہات مُرآورد د بہ عربی بودن لغت اعلام میکند۔ پناہ بخدا، ترہات لغت فارسیست مرکب از ترہ و آت کہ لفظیست بہ معنی مثل و مانند۔ اما ترہ پودینہ و گندنا و امثال اینہارا گویند کہ بطریق تفنن خورند۔ لاجرم کلمات نشاط انگیز را ترہات گویند یعنی جز انبساط خاطر مدعای دیگر در ضمن آں نیست" دک ص۵۲۔ غالب نے اس پر اعتراض نہیں کیا کہ برہان نے ترہات بالضم کیوں لکھا ہی۔ حال آں کہ

ترہ جو تخفیف و تشدید را دونوں کے ساتھ ہے، بالاتفاق مفتوح الاول ہے۔ اُمہات کی طرح ترہات کی ہ بھی تلفظ میں آتی ہے۔ اور مؤخر الذکر کا جزو اوّل ترہ ہے تو یہ نہیں ہونا چاہیے۔ ترہ کی ہ مختفی ہے اور قادر نامۂ غالب میں بھی اسی طرح نظم ہوا ہے: "سیر لہسن ترب مولی ترّہ ساگ"۔ احمد نے مؤید میں لکھا تھا کہ "آت از کلمات تشبیہہ نیست، ومن ادعیٰ فعلیہ السند" مگر غالب سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔ اب یہ دیکھیے کہ ترہات فارسی میں کس کس طرح مستعمل ہوا ہے: "ترہات و خرافات" جوینی ۱ ص۱۰۵ "ترہات مردود الفاظ نامحمود" جوینی ۳ ص۲۲۷ "ترہات و اکاذیب" وصاف ص۳۳ "اکاذیب و ترہات" مرزباں ص۶۲۔ "اینہمہ ترہات نے سرو پا" عارف ص۲۵۲ "بہ از ترانہ، اطفال و ترہات ندیم" عرفی ۱ ص۲۷ "ترہ زار دل نہ بیند او فتد در ترہات" رومی ص۱۷۲ "نکات موعظ خواں ترہات مستاں شد" طالب س۱۲۷ "ایں ترہات از انجملہ است" (برای جواب قرآں از مسیلمہ) ہفت اقلیم مطبوعہ ص۴۵، شعر ذیل از سبک ۲ ص۳۳۳

"ہر سخن کاں نیست قرآں یا حدیث مصطفیٰ   از مقامات حمید الدین شد اکنوں ترہات"

الوری

"چیست عشق تو در وود اورا   حیلہ و ترہات میگوید"   جامی ص۲

"خدایا توبہ دہ زیں ترہات ترا از طیلانش" خسرو س۱۰۱ "دنیا و آخرت بر او ترہات بود" امامی ص۱۸۴

برہان نے ترہات کے معنی "بیہودہ و ہرزہ و خرافات و مہملات" بتائے ہیں، اور شرف نامہ میں "شطحیات مشائخ" بھی ہیں، لیکن "کلمات نشاط انگیز" کسی نے نہیں لکھے، یہ دوسری بات ہے کہ بعض وقت بیہودہ اور مہمل باتیں بھی نشاط طبع کا باعث ہو جائیں۔ جمہرہ جزو اوّل میں مرقوم ہے: "البسبس والسبسب الفضاء القفر الواسع ۔۔ والمثل السائر (ترہات البسابس) وکان الاصمعی یقول واحد الترہات ترہۃ وہی الطریق الصغار تتشعب عن الطرق الاعظم ثم تعود الیہ" ص۲۶ ۔ صحاح جوہری م کے باب ہ م میں ہے: "الاصمعی الطرق الصغار غیر الجادۃ تتشعب عنہا الواحدۃ ترہۃ فارسی معرب ثم استعیر فی الباطل"

قزوینی نے لکھا ہے کہ ” اصلا جوہری کتاب صحاح را ہیچ تمام نکردہ۔ ۔ وتا باب ضاد بیشتر تالیف نہ کردہ بود۔ ۔ ما بقی کتاب را شاگردان او بہ اتمام رسانیدند ومیگویند ازیں جہت است کہ بعضی غلطہای عجیب دراں کتاب یافت می شود“ (بیست مقالہ جز ا ص۹۵)۔ اس لیے ترہ کا معرب ہونا جوہری نہیں بل کہ اس کے کسی شاگرد کا قول ہے؛ واضح رہے کہ یہ اصمعی کا قول بھی نہیں، ورنہ جمہرہ میں ضرور نقل کیا جاتا۔ صاحب لسان العرب (جز ۱۷، ص۳۷۳) نے تعریب کا ذکر کیا ہے مگر بہ حوالۂ صحاح۔ صاحب تاج العروس (جز، تاسع) نے صراحتہً اس کا حوالہ نہیں دیا، لیکن ظاہر ہے کہ انھوں نے یہ بات صحاح یا لسان سے لی ہے۔ صاحب قاموس (جز ۴) نے تعریب کا مطلقاً ذکر نہیں کیا، لیکن اور معانی بھی جو جمہرہ وصحاح میں نہیں (سحاب رمح وغیرہ) اس میں درج ہیں اور یہ تکملۂ لسان العرب اور تاج العروس میں بھی ہیں۔ سیوطی کی المزہر اور فقہ اللغۃ ثعالبی میں معربات کی جو فہرست ہے اس میں ترہ یا ترہات نہیں۔ میرا خیال ہے کہ تعریب کی سند صحاح کے سوا کوئی اور موجود نہیں، اوروں نے اس سے نقل کیا ہے، اور ہر حال میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کثیر المعانی لفظ اگر اصلاً فارسی ہے تو اس کی اصلی شکل کیا ہے اور یہ کسی کتاب میں ہے اور نہ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کیا ہو سکتی ہے۔ غالب کا دعوی تو صریحاً بے بنیاد ہے، وہ معنی جو انھوں نے بتائے ہیں، عربی میں مطلقاً نہیں۔ حاصل بحث یہ کہ اوّل تو ترہ کا معرب ہونا ثابت نہیں، اور اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ پتا نہیں کہ اصل فارسی کیا ہے۔ یہ بھی مان لیا جائے کہ ترہ وہی ہے جو غالب کہتے ہیں، جب بھی ترہات کا آت جمع کا ہے اور عربی ہے، اور فارسی میں ات مانند کا مرادف نہیں۔

(۸۹) ”بازار خندہ بیخودی شوم ومیگویم کہ میگوید کہ ماہی شور نام یکے از پیمبران ہند است۔ نعوذ باللہ۔ ۔ آں ہیشر است۔ ۔ گویند دراصل سنسکرت ہیشور است بہ شین موقوف وواو مفتوح۔ درہر حال قول دکنی راہ بجائے نمیبرد۔ ۔ ہیشور وہیشر وہیش یکیست، ماہی شور اصلی ندارد“ اشاعت ۲ میں عبارت ذیل کا اضافہ ہوا ہے:

”عبارت حاشیۂ صفحہ ۶۸۷ برہان منطبعۂ کلکتہ در تقویت لفظ ماہی شور مؤید قول

من است"۔ دک صـ۱۰۶

(الف) حاشیہ نوشتۂ روبک: "ماہیشور دراصل سنسکرت مہیشور است کہ مدبّر یکے از طبائع ثلثہ، ہندی باشد۔ اوّل است گن یعنی قوت مصلہ، صلاح وکمال، دوم رجوگن (کذا) یعنی قوت مجبلہ، تلون وملال، سوم تموگن یعنی قوت محصلہ، فساد وضلال۔ مہیشور مجسم بایں قوت است۔ زوجہ اش درگا وپسرانش کارتک وگنیش"۔ روبک نے یہ بتایا ہے کہ ماہی شور سنسکرت میں کیا ہے، یہ اسے لغو کہنا نہیں ہے۔ (ب) غالب برہان پر یہ اعتراض کر سکتے تھے کہ ماہی شور کو جو فارسی میں بہت قلیل الاستعمال ہے، کیوں شامل کتاب کیا، لیکن یہ کہنے کا حق نہیں کہ یہ اپنی اصلی شکل میں کیوں نہیں۔ ہر زبان کے لغویین کا اس پر اتفاق ہے کہ اجنبی زبانوں کے الفاظ اس طرح کتب لغات میں ہونے چاہییں جس طرح کہ انھیں قبول کرنے والی زبان میں رائج ہیں، یہ بات دوسری ہے کہ ضمناً یہ بھی بتا دیا جائے کہ اصل میں کس طرح ہیں (ج) تاریخ بناکتی میں ہے: "کمالشری بخشی کشمیری گفتہ است کہ پیغامبراں ہنود فراواں بودہ اند لیکن صاحب شریعت شش اند۔ مقدم ایشاں ماہیشور، دوم وشن، سوم برہما، چہارم ارہنت، پنجم ناسنک، ششم شاکمونی و ہر یکے را علیحدہ دینے و مذہبے است و امتان ایشاں اصناف اند بت پرست و بایکدیگر متعصب و زعم معتقدان ماہیشور آنست کہ ایں ہنوز نزادہ است (کذا)، و ہرگز نمیرد، پدر و مادر ندارد، لیکن زن و فرزند دارد و تقریر می کنند کہ ماہیشور را سہ چشم است، یکے آفتاب و دیگر ماہ، سوم آتش و اتباع او سماع و رقص بسیار کنند"۔ صـ۱۹۰ (د) صاحب تاریخ بناکتی کے بیانات کی تنقید سے مجھے بحث نہیں، مگر یہ تعجب کی بات ضرور ہے کہ غالب نے برہان کے اس قول پر کہ ماہی شور ہند کا ایک پیغمبر ہے اعتراض نہیں کیا۔ پیغمبر کا تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اس لیے کہ پیغمبری کے تصور ہی سے ہندو آشنا نہیں۔ اوتار کہا جا سکتا تھا، مگر برہما، وشن اور شیو (مہیشور) خود دیوتا ہیں، کسی دیوتا کے اوتار نہیں۔

(۹۰) "آہا ہا یہ کھلی سہرٹ ہے۔۔ اغلاط میں سند کیوں ڈھونڈھتے پھریں؟۔۔ فقیر گوارا نہیں رکھنے کا جمع الجمع کو اور بُرا کہے گا حضرت صائب کو"۔ (بہ نام تفتہ، خطوط صـ۹)

ایرانی عربی جمع کے ساتھ فارسی علامت جمع کو روا رکھتے ہیں تو غالب کی اجازت کا سوال ہی
نہیں پیدا ہوتا۔ صائب کا مصرع جس میں آمالہا آیا ہے یہ ہے: زلفش بدستم میدہد سررشتۂ
آمالہا، ص۳۔ اسناد اضافۂ ہا بعد جمع عربی: بلعمی: اخبار ص۲۰، ص۱۵۴، حوادث ص۱۵۴،
عجائب، الوان ص۱۷، مسائل ص۷، صحف ص۷۵، کتب ص۲۰۵، طرائف ص۲۵۹، فتح کردو
بدین فتوحہا، ص۵۰۷، نواحی ص۶۱۴۔ بلعمی م: اشعارہای نیکو و امثالہا ص۱ (مگر یہ
جمع الجمع بلعمی مط میں نہیں ہے) ترجمۂ تفسیر طبری عہد سامانی جس کی عبارت مقدمۂ
مرزبان نامہ میں منقول ہے: اسنادہای دراز۔ عنصری: مناقب ص۲۵ - ف ا (شاکر:
جواہر ص۱۰۹) فرخی: معجزات ص۱۶۔ کشف المحجوب: معانی ص۳۷، عجائب ص۶۳۔ زین:
نواحی ص۱۰۶۔ منوچہری کازمرسکی: الفاظہای نیکو ابیاتہای جاری، ارکان، مکارم، ریاحین،
منازل، الحان، ناصر: الحان ص۱۹۔ رونی: اطلال ص۱۲۳، امثال۔ قصائد سنائی
مط: انجم ص۲، الوان، الحان، معانی ص۲۲، اسرار ص۱۰۲، انفاس، ارواح۔ سنائی
غزلیات مط: الفاظ ص۶۴۔ سنائی م ۲۲: نقط ص۱۹۔ خاقانی: نقط ص۱۷۱، معانی ص۴۷۷
تحفۃ العراقین: صُوَر ص۹۔ راوندی: مناصب ص۲۲۴، اسرار ص۴۰۴۔ رومی: ضائع
ص۲۱، افضال ص۳۵، فتن ص۲۳، افعال ص۲۳، اقوال، احمال ص۴۴، اہوال، احوال
ص۵۶، آمال، اعمال، اسرار ص۵۹، اغیار، جواہر ص۸۷، عجائب ص۹۰، مطائب ص۴۶۱،
مطالب، حقائق ص۶۸۶، منازل ص۷۹۱، عجب ص۸۳۷، اقداح ص۸۶۸، خلائق ص۱۴۲،
الوان ص۷۸۸، اسرارنامہ م: عجائب ص۱۵۱۔ اشترنامہ منسوب عطار م: کتب ص۱۸۶۔
جوینی ۲: طرائفہا و غرائبہا ص۳۳۳۔ اختیارات: آثار ص۸۳، ادویہا ص۵۳۷۔
مرغوب القلوب: عجائب ص۱۵۲، غرائب نسیم الربیع: جواہر ص۹۲۔ یزدی ۱: حذافیر
ص۳۳۲۔ نفحات: اسناد ص۳۸۰۔ رموز: جواہر ص۴۹۹، اسباب ص۲۸۶۔ خمسۂ خسرو
م ۱۲۸: عجائب ص۵۳۔ اعجاز ۴: معانی ص۱۵۔ غازانی: ادویہا ص۱۷۶، طرائف ص۳۹۔
قدسی م ۳۰۸: نقطہاش چون مہرہای تفک، ص۱۹۔ عالی: احوال ص۴، ایقان از
بہاء اللہ مط مصر: عیوب ص۳۷، ابواب ص۴۴، ادلہ ص۷۵ الرسالۃ المدنیہ مط ۱۳۲۹ھ:

قردن ص۱۳۴ ۔ قاآنی: صغار ص۲، کبار۔ گنج: (مہدی: "این ہمہ آثار ہا ز آثار صدر اعظم است ص۲۳۶) مجمع ۱: (جمال الدین اصفہانی: اطراف ص۱۷۷، افطار۔ عنصری: امثال ص۳۶۱ ۔) مجمع ۲: (ہاشم شیرازی: اغیار ص۵۷۲، خجستہ: الحان ص۱۱۳، اشکال ص۱۲۱، اطفال) ۔ یوسف زلیخا کلیات جامی م: ع۱، امم ص۱۳۴، محمود و ایاز زلالی: نقط ص۱۱۵ ۔ عارف: اسبابہای ذی مصرف ص۹۳، اولاد ص۵۹ ۔ ناصر الدین: اسباب ص۲، جواہر ص۲۳ ۔ مغ ۸: (وثوق الدولہ: "ہم بشکند اغلالہا" ص۲۳، "جاری کند انہارہا بر پاکند آتلالہا"، اثقال، امثال۔ تطہیر الاسلام دز فولی: مواجب ص۲۸۹ ۔)۔

عربی جمع پر جمع الجمع فارسی علامت جمع ان لگا کر اور عربی علامت جمع ات کو لاکر سے بھی بنی ہے، چند مثالیں درج ذیل ہیں: تجاراں رموز ص۴۹۹، خوارجیاں زین ص۲۵، ملوکاں رومی ص۸۲، عشاقاں ص۱۷ ۔ فیوضات، گنج ص۱۸، عوارضات جوینی ۱ ص۱۱، ظروفات رموز ص۲۸۸ ۔ فروشات منشورات نشاط م ص۱۹ ۔

(۹۱) برہان مطبوعہ میں "سرخ شبان یا ہودار اسم حضرت موسیٰ.. بزبان پہلوی" دیکھ کر غالب نے قاطع کی اشاعت ا میں لکھا تھا: "وجہ تسمیہ دل نشیں نمی شود، جز لفظ شبان کہ با حضرت مناسبت دارد، دیگر ہیچ لفظ راہ۔ بجائے نمیبرد۔ سرخ یعنی چہ؟ یا ہودار را معنی کدام؟ و لفظ ع بیست" در پہلوی چون گنجید و یا ہو افادہ کدام معنی کرد؟ دریں روزگار یاہو اسم نوع است از انواع کبوتر امالغت است حادث نہ پارسی کیخسروی نہ لہراسپی۔ آخر جناب موسوی کدام جانور یا کدام چیز باخویش داشتند کہ یاہودار لقب یافتند۔ عصا یاہو نیست۔ برنگرندگان.. فرصت کہ اگر توجیہی در خاطر گزرد نامہ نگار را آگہی بخشند و اگر من نماندہ باشم بر حاشیۂ ایں ورق نویسند۔ تا ہر کہ بیند دگنی را مسلم گزیند.." اشاعت ۲ میں غالب نے اشاعت ا کی عبارت میں کچھ ترمیم کی ہے اور یہ اضافہ کیا ہے: "بعد از انجامیدن ایں نگارش ناگاہ بہ یاد آمد کہ ماہو چوبدستی را گویند کہ شبانان دارند، خواجہ ماہو را یاہو خواندہ و مثنات تحتانی را بجای میم نشاندہ" دک ص۸۰ ۔

(الف) غالب کی تحریروں پر جن اصحاب کی نظر ہے وہ اس سے ناواقف نہ ہونگے کہ غالب نے ہندوستان کے دوسرے فارسی دانوں کے جو نقائص دکھائے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ کاتبوں کی غلط نویسی کی انھیں خبر نہیں ہوتی اور اس وجہ سے مضحکہ خیز غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ سرخ شبان یا ہودار کے متعلق غالب نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ناظرین کو اس امر کا اندازہ کرنے میں مدد ملے گی کہ خود غالب کا ذہن اس معاملے میں کس طرح کام کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ کا جو تعلق عصا سے ہے غالب اس سے آگاہ ہیں، مگر اس کے باوجود وہ برسوں حیران رہے کہ یاہو ہے کیا بلا اور قاطع کی اشاعت اکے الطباع کے بعد بھی ان کا دھیان گیا تو ماہو کی طرف، باہو کا جو یاہو سے نسبتہً قریب تر ہے انھیں خیال بھی نہ آیا۔ حال آں کہ ظنی تصحیح کے مسلّمہ قاعدے کے مطابق انھیں باہو کو ماہو پر ترجیح دینی تھی۔ غالب کا یہ الزام بھی کہ خواجہ ماہو را یاہو خواند بالکل بے بنیاد ہے۔ برہان کے دو قلمی نسخوں م ۴۰۲ اور م ۴۰۳ میں صاف باہو لکھا ہے۔ (ب) باہو کے بارے میں اسدی نے لکھا ہے: " دستوار باشد از چوب سطبر کہ در دست دارند براہہا د آنرا شبانان نیز دارند۔ رودکی ۔۔۔: چوں گرد بماندستم تنہا من و ایں باہو" ف ۱ ص۱۱۱۔ معیار ص۱۱۱ اور مدار الافاضل م میں بھی وہی معنی دیے ہیں جو اسدی کے یہاں ہیں، لیکن جہاں میں چوب دست شبانان و راہروان کے علاوہ اس کے معنی بازو بھی بتائے ہیں۔ پہلے معنی کی سند میں دو شعر درج کیے ہیں جن میں سے ایک کو فرخی اور دوسرے کو سوزنی کی طرف منسوب کیا ہے۔ معنی ثانی کی اس میں کوئی سند نہیں:

من چوں چناں بدیدم جستم ز جای خواب   باہو بدست کردہ بہ اشتر شدم سوار

فرخی

سروری نے اس کے معنی چوب دست شتربانان اور بازو دیے ہیں اور پہلے معنی کی سند میں "من چوں الخ" کے علاوہ سوزنی کا ایک اور شعر دیا ہے جس کا ایک مصرع یہ ہے: "زخم باہو خورد از حادثہ چرخ بلند"۔ معنی ثانی کی اس میں بھی کوئی سند نہیں۔ سروری کے قول کو اسدی اور فخری کے اقوال پر ترجیح نہیں دی جا سکتی اور مثالوں سے بھی یہ ثابت نہیں

کہ صرف چوب دست شتربانان کے لیے مخصوص ہے۔ باہو = بازو کو کچھ لوگوں نے ہندی بھی
لکھا ہے، اس کے بارے میں اس وقت میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ (ج) ماہوف اور معیار میں
نہیں؛ جہاں میں ہے مگر بہ معنی عصا یا بازو نہیں؛ ان کتابوں میں جو اس وقت پیشِ نظر
ہیں لباب ۲ قدیم ترین کتاب ہے جس میں یہ لفظ ایک قصیدے میں آیا ہے جو روحی
ولوالجی کی طرف منسوب ہے اور لطف یہ کہ جس شعر میں یہ آیا ہے وہی ہے جو سروری
و جہاں میں فرخی کے نام درج ہے، اتنا فرق البتہ ہے کہ لباب میں سوار کی جگہ فراز ہے۔
لباب ۲ کا نسخۂ مط اغلاط سے خالی نہیں، کچھ تعجب نہیں اگر دراصل ماہو کی جگہ باہو
ہو۔ سروری میں ماہو بہ معنی چوب دست شتربانان مرقوم ہے مگر اس کی کوئی سند
اس میں نہیں۔ بہ خوبی ممکن ہے کہ یہ اندراج غلط خوانی کی بنا پر ہو؛

(۹۲) 'بسمل .. ہر چیز کہ آنرا ذبح کردہ باشند یعنی سر بریدہ باشند و بہ شمشیر
کشتہ شدہ را نیز گویند و وجہ تسمیہ اش آنست کہ در وقت ذبح کردن بسم اللہ میگویند
..' برہان: "بہ شمشیر کشتہ شدہ را بسمل گفتہ و وجہ تسمیہ بسمل آں قرار دادہ کہ وقت ذبح
کردن بسمل اللہ گویند، خدایرا بفرمای کہ ہنگام شمشیر زدن بسم اللہ کہ میگوید و در وقت
ذبح جز اہلِ اسلام تکبیر کہ میگوید۔ چوں تو خود میگوئی کہ بسمل آنرا گویند کہ حین ذبح
بسمل اللہ گویند، لاجرم باید کہ ہر کہ بہ شمشیر کشتہ شود بسمل بنا شد و ذبیحہ، اقوام دگر
جز مسلمیں بسمل نباشد و آں کہ جز تیغ بہ اسلحہ، دیگر کشتہ و خستہ شود بسمل نباشد.. ای
بیخرد، لفظ بسمل مخترع فقہای اہلِ اسلام نیست کہ بہر ایں معنی خاص وضع کردہ باشند؛
لغتی است باستانی و لفظیست قدیم چنانکہ خرد گواہست کہ وضع لفظ بسمل پیش از ظہور
جلوۂ بسم اللہ است۔ لاجرم پارسیاں از عہد کیومرث تا عصر یزدجرد چوں رسم ذبح
و گفتن بسم اللہ نبود، جاندار خستہ و گلو بریدہ را چہ میگفتہ باشند؛ اگر گوید بسمل لفظ
مستحدث است گوئیم مسلّم، لیکن .. لفظ آفرینند گانرا ہرگز ایں وجہ تسمیہ در ضمیر نگذشتہ
باشد" وک صفحہ ۲۴۔

توجہ طلب امور: (الف) برہان کے یہاں ترتیب مطالب ٹھیک نہیں۔

'سر بریدہ باشند' کے بعد 'وجہ.. بسم اللہ میگویند' ہونا تھا اور اس کے بعد 'وبہ شمشیر.. نیز گویند' یہ بالکل ظاہر ہے کہ وجہ تسمیہ کا 'بہ شمشیر کشتہ شدہ' سے کچھ سروکار نہیں۔ اس صورت میں غالب کا یہ اعتراض کہ تلوار مارتے وقت بسم اللہ کون کہتا ہے خود بخود رفع ہو جاتا ہے۔ (ب) سر بریدہ پر جو اعتراض ہے اس کا جواب احمد نے دیا ہے: "آیا مجاز را یکقلم از یاد دادہ.. بر زبانہاست..

بریدو درید و شکست و بہ بست یلان را سر و سینہ و پا و دست" مؤید ص۱۵۷

(ج) تکبیر اللہ اکبر کہنے کو کہتے ہیں، بسم اللہ سے اس کا تعلق نہیں (د) برہان نے ہر چیز کہ آنرا ذبح کردہ باشند لکھا ہے، یہاں شمشیر کی تخصیص نہیں، اس لیے یہ اعتراض کہ "لاجرم.. نباشد" وارد نہیں ہوتا۔ خستہ[٩٥] = زخمی غالب کا اضافہ ہے، برہان نے نہیں لکھا۔ (ہ) ذبیحۂ اقوام دگر.. نباشد' یہ اعتراض اس صورت میں صحیح ہو سکتا ہے کہ 'وضع لفظ' کے بعد معانی میں کمی بیشی نہ ہو سکتی ہو، اور یہ صریحاً ناقابلِ قبول ہے۔ (و) غالب پہلے قطعیت کے ساتھ یہ لکھتے ہیں کہ بسمل تسلطِ عرب سے پہلے کا لفظ ہے، لیکن بعد کو اس کا اقرار کرتے ہیں کہ مستحدث ہے۔ احمد نے اسکی طرف اشارہ کرتے ہوئے غالب سے دریافت کیا ہے کہ جب مستحدث مانتے ہیں تو 'ہذیانات نخستین را چرا از کتاب خود تو محو نکردی کہ تناقض در کلام نباشد؟' مؤید ص۱۵۷۔ غالب نے تیغ میں اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ (ز) قدامت بسمل کی دونوں دلیلیں سخت کمزور ہیں: بسمل کی صورت ہرگز اس کی گواہی نہیں دیتی کہ یہ فارسی لفظ ہے۔ عہد کیومرث کی زبان کا ذکر لاحاصل ہے؛ عہد یزدجرد میں یا اس سے قبل جو تاریخی زمانہ ہے اس میں یہ لفظ اگر موجود تھا تو اس کا ثابت کرنا غالب کے ذمے تھا۔ محض یہ کہنا کافی نہیں کہ یہ نہ تھا تو کس لفظ سے کام لیتے تھے۔ بہ معنی قرآن کی بحث میں غالب نے یہ ماننے سے بھی انکار کیا ہے کہ زبانۂ قدیم میں یہ کلامِ الٰہی کے لیے مستعمل ہوتا تھا اور وجہ یہ کہ دساتیر میں نہیں آیا، مگر بسمل کی بحث میں انھیں یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ یہ دساتیر

میں نہیں۔ (س) غالب کی دستنبو صـ۱۲ـ میں یہ مصرع ہی: "ای نو بہار چوں تن بسمل بخوں بغلتنا" اور چوں کہ ان کا دعوی ہی کہ اس میں ایسی الفاظ کی سوا جو علم ہیں یا اس کی حکم میں ہیں کوئی عربی لفظ نہیں آنی پایا، یہ سمجھنا کہ بسمل ان کی نزدیک فارسی ہی غلط نہ ہوگا۔ رہا اس کا مستحدث ہونا تو یہ واقعی ان کی رای تھی تو مقتضای مقام تھا کہ وہ یہ بتاتی کہ اس کی اصل کیا ہی اور نئی معنی میں استعمال سی پہلی اس کی کیا معنی تھی۔ (ط) بسمل کی بارہ میں ف ا میں یہ مرقوم ہی: "بسمل یعنی کشتہ وگوینہ بسمل کن یعنی بکش و این لفظ تازیست" صـ۵ـ اسدی نی خفاف کا شعر بسمل کی سند میں دیا ہی اور خفاف عنصری وغیرہ کا ہم عصر یا سامانی عہد کا شاعر ہی تو یہ اس کی استعمال کی قدیم ترین مثال ہی جو اس وقت موجود ہی:

دوز لغکا نت بگیرم ز دل پُر از غم خویش   چو مرغ بسمل کردہ از و در آویزم
'بسمل چرا حلال شود مردہ چوں حرام   این ز ابتدا ابنود کنوں بانتہا شدست'

ناصر صـ۵۳ـ

'جان من خاک کف پای بتی باد کہ او   کرد بسمل دل من دوش بہ بسم اللّٰہی'

لباب ۲ صـ۲۱۴ـ

'سرخی مغرب خبر داد کہ ہنگام شام   کز سر شمشیر شاہ حلق زحل بسمل است'

صـ۲۶۴ـ

پہلا شعر جو لباب سی لیا گیا ہی کافی ظفر ہمدانی کا ہی اور دوسرا عمادی غزنوی کا۔ رباعی ذیل سعد الدین اسعد النجّاری کی ہی:

'آں دلبر قصاب ز من باز گل   ہر چند کہ بر گرفت و کردم بسمل

لباب ۲ صـ۳۸۴ـ

زلفش چو قنارہ شد سراسر معلاق   آونگ بجای گوشت از وی ہمہ دل'
وکسی کو رنج قدر دین نداند   بہ تیغ حکمتش کن زود بسمل

سنائی ۲۲ صـ۵۴ـ

از خدا امید میدارم کہ وقتِ بسملم — برامید دیگری آنشوخ نگذارد مرا،
ترابی ۵ـہ

فدا و بسملہ، مصحف نظارۂ او شد، والہ درویش ۹۵ھ ۔ نقطۂ و بسمل چو مرکز شد در اطراف وجود، ہشت بہشت ۲۰ھ ۔ نقطہ کہ در بسمل این فاتحہ است، کاتبی ۱ـلہ ۔ کہ بر حلق جاں تیغ بسمل نہد، ساقی نامہ ظہوری ۱۶۴ھ ۔ قصاب یک راچناں بیاموزم کہ از کارد ک خویش برہ را بسمل کند، اعجاز ۲ ص ۶۴ ۔ از خنجرِ دلبراں حلق زمانہ بسمل، کمال مط ص ۷۵

دمس دیو رجیم را یلہ کن — بدل و جاں مساس بسملہ کن
سلسلہ ۳۸ھ

چوں ز دیو رجیم رفتی رہ — بسمل نفس کن بہ بسم اللہ،
دپیش بسم اللہ بسمل شو تمام — ورنہ چوں مردی بہ بسمل کی رسی،
رومی ص ۹۱ھ

جوینی امیں ایک غیر مسلم مغل بادشاہ کے بارے میں مرقوم ہے: "یاساہای باریک کہ بر امثال مردم تازیک تکلیف مالایطاق بودی مثل آنک گوشت بسمل نکنند"، ص ۲۲۷ ۔ فذبحوہا بسمل کردندش و ما کادوا یفعلون نزدیک بود کہ نکردندی (ذکر گاو بنی اسرائیل) رار و حکی ۵۲ھ ۔ شعر ذیل از قصائد سنائی:

۵۶ھ
در منای قرب یاراں جاں اگر قرباں کنند — جز بہ تیغ مہر او در پیش او بسمل مباش
"بیامد او فغاں خیزاں برمن — چناں مرغیکہ باشد نیم بسمل"
منوچہری م ۱۴ ۲ھ

معلقہا زند از شادی آں صید — کہ آویزی پس از بسمل بہ فتراک،
کمال خجندی ۱۹۳ھ

واینست اگر صیاد مشکل کہ پس از کشتن — از بندرہا سازد مشکل شدہ بسملہا،
عاشق ۳۶ھ

(ی) مثالوں سے ثابت ہے کہ بسمل فارسی میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ذبح کرنے کے فعل اور ذبیح کے اور کشتہ کے لیے آیا ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ پہلے صرف ان جانوروں کے لیے تھا جو اسلامی قاعدے سے ذبح ہوتے تھے، بعد کو انسانوں کے لیے بھی مستعمل ہوا اور یہ قید بھی نہ رہی کہ اسلامی قاعدے کے مطابق جو جانور ذبح ہو اسی کے لیے آئے۔ اس میں مطلق شبہہ نہیں کہ بسمل بسم اللہ الخ سے بنا ہے۔ عربی میں ایک جعلی مصدر بسملہ بھی ہے مگر اس کا ذبح سے سروکار نہیں۔

(۹۳) "تم علاء الدین خاں کو لکھو کہ بڑے شرم کی بات ہے کہ ... 'ہردم آزردگی غیر سبب را چہ علاج'.. کو حافظ کی غزل سمجھتے ہو ..: از خواندن قران تو فارسی چہ فائدہ' عیاذاً باللہ امیر خسرو قرآن کو .. بہ سکون را لکھیں گے۔ یہ دونوں غزلیں دو گدھوں کی ہیں۔ شاید ایک نے مقطع میں حافظ اور ایک نے .. خسرو لکھ دیا ہو" (اردوے معلّٰی صفحہ ۱۶۹) (الف) 'از خواندن الخ' یہ نسخہ دواوین خسرو میں میری نظر سے نہیں گزرا اور غالباً ان کا نہیں، مگر غالب جو تصرف شاعرانہ کی مثال میں دریچہ بہ فتح ی کو پیش کرتے ہیں اور بر پروشاں کو برساں کی ایک شکل سمجھتے ہیں جو ضرورت شعری سے بنی ہے، محض اس بنا پر کہ مصرع زیر بحث میں قرآں بہ وزن پران آیا ہے کس طرح اس سے انکار کرسکتے ہیں کہ یہ خسرو کا ہے؟

(ب) یہ بھی نہیں کہ خسرو اور شاعروں کے برخلاف عربی الفاظ کو صرف ان کی اصلی شکلوں ہی میں استعمال کرتے ہیں، عربی یا معرب الفاظ جن میں تصرف ہوا ہے ان کے یہاں ملتے ہیں، مثلاً جنازہ و جلّاب کو انھوں نے تشدید' استعمال کیا ہے۔ (ج) محض اس بنا پر مصرع میں قرآن بروزن پران ہے شاعر کو گدھا نہ کہنا تھا۔ یہ لفظ اسی طرح فحول اساتذۂ ایران کے یہاں آیا ہے اور عجب نہیں اگر ایران میں بہتوں کی زبان پر اب بھی یوں ہی ہو: 'آنم کہ بگویم باز ندقرانست' لبیبی ف اصفحہ ۲۹ 'تا مدیح او بخوانی ہمیخوانی قراں' فرخی صفحہ ۲۵۴ 'لفظ او را با قران و حفظ او را با کتاب' صفحہ ۱۰ 'مملکت چو قراں او چو معانی قرانست' منوچہری

م ۱۵ا ۱۴۰، "درکشتی این قصد ہمہ اہل تر السنت، ۳۱۵ص؛ قران ہم زی ہیبری فرستم، رودنی ص۸۵؛ از قران آید خطا وز لفظ او نا ید خطا قطران، (احوال رودکی ۲ ص۱۱۲۶) "مردم دانا قرین داننداو را با قران، ص۲۰۳؛ آیات قران وشعر حجت، ناصر ص۳۲۶ "ای خوانده بصد حیله و تقلید قرا نرا، ص۳۵۲، "اصل اسلام این دو چیز آمد قران و ذوالفقار"، ص۳۵۔ "مبارزان سپاه شہ یتیم و قران ناصر، مجمع ا ص۱۲۱
"اگر گوئی این درقران نیست گویم · ہمانا نکو میندانی قرانرا۔ دیوان ناصر ص۵
"سر قرآں قران نکو داند، حدیقہ ص۵۹؛ بنشست و قران خواند و بجنبانید ہمہ سر، قاآنی، مجمع ۲ ص۴۰۹؛ چنانکہ قدر قران از قراءت قالون، داوری بسر دو صال (مجمع ۲ ص۱۳۲)

(۹۴) "باختر۔ مغرب راگویند و بمعنی مشرق ہم آمدہ" برہان؛ باختر را از اضداد شمردن و بمعنی مشرق نیز گماں بردن علت نمائی و منع لفظ را کہ حصول علم و یقین است از میاں بردن (اعتراض احمد بردکی جگہ بر دنست چاہیے) مثلاً در کتابی دیدیم کہ فلاں دہ باختر سوی فلاں شہراست، حال آنکہ ما آں شہر و دہ را ندیدہ ایم، چگونہ دانیم کہ کدام سوست ؟ ۔ ۔ ۔ خاور بمعنی مشرقست و باختر بمعنی مغرب و قول دکنی مردود"، اشاعت اقاطع، غالب محرق میں اساتذہ کے کچھ اشعار جو موئید قول برہان ہیں، دیکھ کر لطائف میں (ل ۔)، ایک طویل بیان کے بعد جس کا یہاں نقل کرنا لاحاصل ہے، فرماتے ہیں:

"چو خورشید سر بر زد از باختر · سیاہی بخاور فرو برد سر
چو بر زد درفشنہ از باختر · دواج سیہ راسفید آستر
چو مہر آورد سوی خاور گریغ · ہم از باختر بر زند باز تیغ

ان تینوں شعروں میں خاور سے مغرب مراد ہے اور باختر سے ۔۔ مشرق ۔ محمود ۔۔ کے وقت کے شعرا یوں ہی لکھتے تھے بعد اس کے ۔ بسنائی ۔۔ و ناصر خسرو و خاقانی و انوری اور ان کے معاصرین اور ۔۔ مولوی روم و سعدی و نظامی وغیرہم کے کلام میں کہیں یہ ڈھنگ نہیں پایا جاتا اور جن کے

میں نے نام لیے ہیں اگرچہ شعرای سلطنت.. محمود سے متاخر ہیں، لیکن علم و فضل میں ان کے ہمسر ہیں، اُنھوں نے یہ دستور جائز نہ رکھا.. فارسی قدیم بنیا میختہ بہ عربی جو پیش از اجتماع عرب و عجم ایران میں مروّج تھی، اس میں خاور کا مسمّی مشرق اور باختر کا مغرب تھا ساسان پنجم نے دساتیر میں کئی جگہ خاور بہ معنی مشرق و باختر بہ معنی مغرب، لکھا ہے۔ جب فارسی بحت لسان عرب سے مختلط ہو کر ایک نیا اردو بنا اور اکابر عرب و عجم نے اس اردو زبان میں شعر کہنا اختیار کیا، پہلے پہل دو تین صاحبوں نے مشرق و مغرب و خاور و باختر کو مخلوط کر دیا، نہ بہت دیر .بل کہ چند روز کے بعد اسی پایے کے اشخاص کی رای میں یہ آیا کہ کون قرینہ ڈھونڈا کرے.. اس بدعت کو اُٹھا دیا اور معنی حقیقی اصلی کا استعمال رکھا۔ صدق یا سمّی اسد الغالب (کذا)، خاور بمعنی مشرق است و باختر بہ معنی مغرب و قول دکنی مردود" قاطع کی اشاعت ۲ میں اشاعت ا کی عبارت جو اوپر نقل ہوئی ہے بجنسہٖ رہنے دی ہے اور آخر میں یہ عبارت بڑھائی ہے: "جامع لطائف غیبی دریں بارہ سخنہا ے محققانہ آوردہ است، ہر کہ خواہد بنگرد امّا انصاف ورزد نہ تعصب" ص۲۱

(الف) برہان نے خاور کے بارے میں لکھا ہے: "بمعنی باختر است کہ مشرق باشد و بمعنی مغرب ہم آمدہ است" لیکن غالب نے اسے قابلِ ذکر نہیں خیال کیا۔ (ب) غالب کا یہ اعتراض اصولی طور پر درست ہے کہ ایک ہی لفظ کا مشرق و مغرب دونوں کے لیے مستعمل ہونا ٹھیک نہیں؛ لیکن، یہ اعتراض زبانِ فارسی پر ہے، برہان پر نہیں ہو سکتا۔ فرہنگ نگار کی حیثیت سے اس کا فرض تھا کہ جو کچھ پائے بیان کرے۔ (ج) غالب کو پہلے یہ بات معلوم نہ تھی کہ باختر مشرق اور خاور مغرب کے لیے بھی مستعمل ہوا ہے۔ اسناد دیکھ کر اُنھوں نے لطائف میں اس کا اقرار تو کیا، لیکن قاطع کی اشاعت ۲ میں اشاعت ا کی عبارت بجنسہٖ رہنے دی اور لطائف میں جو کچھ لکھا ہے اس کی طرف نہایت مجمل اشارے پر اکتفا کیا۔ اگر کوئی شخص لطائف کو نہ دیکھے اور کسی دوسرے ذریعے سے

بھی غالب کے اعتراف کا اسے علم نہ ہو تو وہ یہی سمجھتا رہے گا کہ غالب کی رائے میں باختر ہمیشہ
مغرب اور خاور ہمیشہ مشرق ہی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ (د) لطائف کی عبارت
"محمود ۔۔ لکھتے تھے" سے صریحاً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ باختر و خاور مشرق و مغرب دونوں
کے لیے صرف عہد محمود میں مستعمل ہوئے، اور اس کے فوراً بعد یہ بدعت اُٹھ گئی، لیکن
"جب فارسی ۔۔ استعمال رکھا" سے مترشح ہوتا ہے کہ عہد محمودی سے بہت پہلے، اس
زمانے میں جب فارسی (مخلوط بہ عربی) نئی نئی وجود میں آئی تھی، دو تین صاحبوں نے
خاور و باختر کو مخلوط کر دیا تھا، مگر چند روز کے بعد اس کا خاتمہ ہو گیا اور یہ دونوں لفظ
اپنے اصلی معانی میں برتے جانے لگے۔ (ہ) حقیقت یہ ہے کہ باختر اصلاً بہ معنی شمال
ہے، لیکن فارسی نظم و نثر میں اس کی سند نہیں ملتی۔ مشرق ہو یا مغرب ان دونوں
میں سے کسی کے لیے اس کی اصل کو دیکھتے ہوئے اس کا استعمال صحیح نہیں۔ رہا رواج
تو اس کا حال یہ ہے: دیباچۂ قدیم شاہ نامۂ فردوسی میں جس کا ایک حصہ عہد
سامانی کا لکھا ہے باختر بہ معنی مشرق اور خاور بہ معنی مغرب آیا ہے: "آفتاب بر
آمدن را باختر خوانند و فرو شدن را خاور ۔۔ و ازیں ہفت کشور ایران شہر
بزرگوار تر است و آنکہ سوی باختر است چینیاں دارند" رودکی کے باقی ماندہ
کلام میں باختر نہیں ملتا، لیکن اس کے ایک شعر میں جو جہاں میں ہے خاور بہ معنی
مغرب اور خراساں بہ معنی مشرق (یہ صحیح ہے) آیا ہے:

مہر دیدم بامداداں چوں بتافت — از خراساں سوی خاور می شتافت

غالب نے جو تین شعر محرق سے نقل کیے ہیں، اور جن کے متعلق انھیں اعتراف
ہے کہ ان میں باختر مشرق اور خاور مغرب کے لیے مستعمل ہوا ہے، ان میں سے پہلے کے
مصنف کا نام اس میں مندرج نہیں، دوسرا عنصری اور تیسرا[96] فردوسی کی طرف
منسوب کیا گیا ہے، غالب نے اس امکان کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ پہلا بعد کے
کسی شاعر کا ہو سکتا ہے، یہ سمجھ کر کہ عہد محمودی کے بعد کی سندیں ملتیں تو ضرور
پیش کی جاتیں، یہ کہہ دیا کہ بعد کے شاعروں نے باختر صرف مغرب اور خاور صرف

مشرق کے لیے استعمال کیا ہے، لیکن یہ بالکل صحیح نہیں۔ اگر وہ یہ بات حوالۂ قلم کرنے سے پہلے سکندر نامۂ نظامی کے مطالعے کی زحمت گوارا کرتے تو یہ حقیقت منکشف ہوتی کہ شعر اول 'چو خورشید الخ'، اس میں موجود ہے۔ گرشاسپ نامۂ اسدی میں خاور بالالتزام مغرب اور باختر ہر جگہ مشرق کے لیے آیا ہے:

سوی خاور[۹۷] آید پدید آفتاب — ہم آتش کند جوش طوفاں چو آب ص۵
'چو خور برکشیدی بجنا ورفرود — سوی باختر رفتی آں ژرف رود ص۳۰۷
چو از باختر باز بر تافتی — سوی خاور آں آب بشتافتی'
'بشادی و جام و با دم نبیبد — ہمی خورد تا خور بہ خاور رسید اسدی ۱
چو بر روی پیر وزۂ چنبری — زمہ کرد شب خم انگشتری' ص۴۷

اور شعرا کے کلام سے بھی غالب کے قول کی تغلیط ہوتی ہے، خود خاقانی نے بھی جس کا نام خاص طور پر غالب نے لیا ہے باختر بہ معنی مشرق استعمال کیا ہے:

'بفال سعد و خجستہ زمان و نیک اختر — نشستہ بودم یک شب بہ باغ وقت سحر
ازرقی

ز باختر شدہ پیدا سر طلایۂ روز — کشیدہ لشکر شب جوق جوق زے خاور'
مجمع ۱ ص۱۴۳

'چو آفتاب[۹۸] سر از باختر برافرازد — شود بتابش او سنگ خارہ ہم چو خمیر'
شمالی دہستانی

'فخر من یاد کردن شرواں — کہ مباہات خور بہ باختر است' خاقانی ص۲۳۶
'بمغرب فرو شد جہانتاب خور — برآمد خور از جانب باختر' یوسف ص۹۵
چو از باختر سر برآورد مہر — زلیخا دگر بار آراست چہر ص۵۶
تو پنداشتی گر سوی باختر — ہمی بر زند قرص خورشید سر ص۳۵ ۲۹۰
چو آید در[۹۹] قدح گوئی کہ آمد ماہ در مشرق — چو شد در کام پنداری فرو شد مہر از خاور
صبح صادق[۱۰۰] ببرق نور از افق چوں برکشد — خسرو سیارگاں از باختر لشکر کشد ص۴۰

شاہ ترک از باختر با تیغ زریں حملہ کرد — رای ہند از بیم او رایت سوی خاور کشید۔ مثنوی

بی رضای تو کی زند گامی — مہر از باختر سوی خاور، تسلیم ۱۱۰

معیار ص۴۳ میں خاور بہ معنی مغرب ہی اور ص۴۷ میں باختر کی بارے میں ہے: "مشرق و اغلب (شعرا) و غیرہم چوں خاور گویند غرض شان مشرق باشد و چوں باختر گویند غرض مغرب داشتہ باشند اما این بندہ۔۔ از کلام قدماء نسخ متقادمہ تفصح بلیغ کرد بر عکس است" اشعار ذیل معاصرین غالب کی ہیں اور مجمع ۲ سے ماخوذ:

'بس کہ آفتاب مدح تو طالع شود ز من — گردوں ہمی خطاب کند باختر مرا'
وصال ص۶۱۹

دگر روز خورشید گیتی فروز — برافروخت گیتی پی ساز و سوز
ہدایت

چناں مشعلی سر زد از باختر — کہ شمع بنمود گاہی سپہر، ص۶۶۹

'آں می کہ چوں ز مشرق ساغر کند طلوع — از شرمش آفتاب گرایاں بہ خاور است'
رامش ص۱۳۷

کہ آفتاب ز خجلت نہفت در خاور ص۱۳۹ ۔

اپنے زمانے اور اس سے قبل کی بارے میں غالب کا بیان صحیح نہیں، لیکن، زمانۂ حال میں باختر و خاور کی معانی معین ہوگئے ہیں، باختر مغرب ہے اور خاور مشرق

(۹۵) "شرنگ مطلق زہر را گویند و خربزۂ تلخ خودرو کہ در صحرا شود و بعربی حنظل خوانند و خربزہ (کذا) را نیز گفتہ اند و آں درختی است کہ برگش بغایت تلخ میباشد اگر حیوانات بخورند در حال بمیرند و عرباں قطف میگویند" غالب نے قاطع کی اشاعت ۲ میں اس پر اعتراض کیا ہے: "شرنگ را مطلق زہر میگوید و نام دگرش خربزۂ تلخ می نہد۔ من میگویم کہ شرنگ نہ از سمیات و مہلکات است و نہ از قسم خربزہ، ثمریست تلخ طعم کہ در صورت بخربزہ ماند و پیہ آں در مسہلات بلغم

دسودا بکار رود و در عربی آں را حنظل گویند و در فارسی شرنگ و در ہندی اندراین"
دک صہ۸۴ ۔

(الف) "خربزہ . . درختی است کہ برگش . . گویند" غالب اس پر معترض نہیں، لیکن اس عبارت میں لفظ خربزہ صریحاً غلط ہی۔ برہان قاطع م ۸۰۲ و م ۸۰۳ کی طرف رجوع کرنی سی معلوم ہوا کہ اس کی جگہ خرزہرہ ہی۔ خرزہرہ مستقلاً بھی برہان میں ہی: ". . حیوانات اگر برگ آنرا بخورند ہلاک شوند و آنرا بعربی سم الحمار خوانند و معرب آں خرزہرج . . و حنظل را نیز گفتہ اند" (ب) اب یہ دیکھیی کہ فرہنگوں میں اس کی متعلق کیا کیا لکھا ہی: " شرنگ گیاہی تلخ ست چوں زہر۔ رودکی . . " شرنگ زہر آمیز است و روی زرداند ود" ف ا صہ۷۵ " شرنگ زہر، معیار صہ۳۰ " شرنگ بالفتح والکسر زہر و قیل، خربزۂ تلخ کہ آنرا تلخک و کبست نیز گویند۔ معنی اخیر منقولست از زفان گویا" شرف نامہ " شرنگ زہر و قیل خربزۂ تلخ۔ در قنیہ از صراح نقل میکند کہ . . گیا ہیست . . کہ برگ وی پہن بود، بتازیش قطف گویند" مؤید الفضلا " شرنگ بفتح شین و رای مہملہ زہر۔ انوری . . :

تیر ستم فلک خدنگ است   شہد و شرۂ جہاں شرنگ است

و بعضی گویند خربزۂ تلخ باشد کہ آنرا تلخک و کبست نیز گویند کذا فی الشرفنامہ۔ و در نسخہ میرزا حنظل باشد و در تحفہ خرزہرہ و آں گیا ہیست سبز کہ بغایت تلخ باشند" سروری " شرنگ با اوّل و ثانی مفتوح . . خربزۂ تلخ باشد کہ در صحرا پیدا شود و آنرا بتازی حنظل خوانند . . خاقانی . .

ہر کہ بایاد تو شرنگ خورد   ہم چناں داں کہ نیشکر خورد است

. . و آنرا کبست نیز نامند" جہاں (ج) میرا خیال ہی کہ ابتدا میں شرنگ مطلق زہر کو نہیں کہتی تھی اور یہ زہر کی لیی آتا تھا تو اس کی لیی جو شرنگ سی بنا ہو۔ بعد کو مطلق زہر کی لیی استعمال ہونی لگا خواہ وہ سانپ ہی کا زہر کیوں نہ ہو:

بمالیم بر مرغ بریاں شرنگ   فرستیم نزدیک آں تیز چنگ

بکا دید زیر نگیں آنزماں — بزیر نگیں بد شرنگش نہاں
برآورد یک پارہ آں جنگ خر — بمالید بر خورونی سر بسر" برزو ص۲۹۲

برزو کی ص۲۹۳ میں جس واقعے کا بیان ہی اس کی طرف ص۲۹۵ میں برزو کی طرف سے جسے زہر دینے کی کوشش کی گئی تھی ان الفاظ میں اشارہ ہی: "سو چارہ گشتی بزہر شرنگ"؛ "شرنگ ثعباں" رامش مجمع ۲ ص۱۳۷ "مار یافت شرنگ" سپہر الیفا ص۱۶۴؛ "وز بن دندان مار گزرہ نوشیدن شرنگ" ہاتف ص۷؛ "تریاکی و شرنگ و شرابی و حنظلی"، امامی ص۹۵ ۔ (۷) علی الرغم غالب یہ بات ثابت ہو چکی کہ شرنگ مطلق زہر کو بھی کہتے ہیں؛ اور یہ بات بھی ثابت ہی کہ ابتدا میں حنظل کو نہ کہتے تھے۔ قطف حنظل کو بھی کہتے ہیں یا نہیں اور قطف و خرزہرہ ایک ہیں یا مختلف ان امور سے میں اس وقت بحث نہ کروں گا۔ شرنگ شعرا کی زبان کا لفظ ہی یا ہو گیا ہی۔ کتاب الابنیہ کے بارے میں تو اس وقت کچھ کہنے سے قاصر ہوں، لیکن، دوسری طبی کتابوں اختیارات، الفاظ الادویہ، ریاض الادویہ، تحفۃ المومنین، صحاح الادویہ وغیرہ میں یہ موجود نہیں۔

(۹۶) "مندل . . را بعد از شرح معانی دیگر کہ غلط نیست ۔ در آخر میگوید کہ بزبان ہندی نوع از دہل است ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ، مندل لغت ہندی نیست فارسی الاصل است، در ہندی مندل را پکھاوج گویند" دک ص۱۱۱ ۔ مندل (جس کی ایک شکل مندلہ بھی ہی) فارسی میں رودکی کے زمانے یا اس سے بھی قبل سے رائج ہی۔ فا ص۱۸ میں ہی: "مندل خط عزیمت است کہ معزماں کشند رودکی . . :

ندیدہ تنبل اوی و بدید مندل اوی — دگر نماند و دیگر بود بسان شراب"

ٹیک چند بہار نے یہ لکھنے کے بعد کہ ہندوستان کے ایک مشہور ساز کا نام ہی اور مندیلا کا مخفف یہ تحریر کیا ہی کہ خط عزیمت کے معنی میں بھی "اغلب کہ ہندی بود زیرا چہ مندل بدال ہندی بمعنی خانہ مدوّر است پس بمعنی ماخوذ مجاز خواہد بود"

بہار ۲ صفحہ ۴۱۱۔ یہ بات جہاں تک میرا علم ہے کسی ایرانی فرہنگ نگار نے نہیں لکھی اور نہ قدما و متوسطین کے اشعار سے ہندوستان سے اس کے تعلق کا پتا چلتا ہے، لیکن شفیعا کے اثر کے ایک مصرع سے ہندوؤں سے اس کا سروکار ظاہر ہوتا ہے، گو اس سے کوئی قطعی نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا: "چو مندل کہ کشد گردِ خویش ہندوئے" ۱۲۱

پلیٹس کے یہاں مندل اور منڈل الگ الگ ہیں اور مؤخر الذکر کے ایک معنیٰ یہ بھی بتائے ہیں: "a sort of mystical diagram — fomed in summoning a divinity" —

یہ یا تو توافقِ لسانین کی مثال ہے یا مندل ایرانیوں نے ہندوستان سے لیا ہے۔ رہا مندل بہ معنی بچھاوَن تو غالب کے سوا کسی نے اسے فارسی نہیں لکھا۔ شیکسپیئر، پلیٹس، فوربس، فیلن وغیرہ اسے ہندی بتاتے ہیں اور ایرانی فارسی میں ظہوری سے قبل (یہ شاعر ہند آیا ہے اور متعدد ہندی الفاظ اس کے یہاں ہیں) کسی کے یہاں میری نظر سے نہیں گزرا: "شراب و نسیم مندل و جام تال" ساقی نامہ صفحہ ۶۔ ہندوستانی فارسی میں سب سے پرانی کتاب جس میں یہ آیا ہے برنی کی تاریخ ہے صفحہ ۲۱۶

(۹۷) غالب رسالۂ عبد الکریم (سوال ۹) میں لکھتے ہیں: "شمایاں اور مایاں وہ متصدی عامی لکھتے ہیں جو بڑے دریبے دروازے پر اور ڈاک خانے کی راہ میں اور کچہریوں کے میدان میں بیٹھے رہتے ہیں" شمایاں اور مایاں ماوراء النہر و خراسان کی زبان ہے اور یہ مسلمات سے ہے کہ ابتدا ہی انھیں علاقوں کی فارسی ٹکسالی سمجھی جاتی تھی اسناد: "آفتاب مایاں را می سوزد" بلعمی صفحہ ۱۶۸ "مایاں به مدینہ آمدہ ایم" صفحہ ۵۳۹ "اگر شمایاں مساہلہ کنید" صفحہ ۴۰۵۔

"قوم را گفتم چو نید شمایاں بہ نبید   ہمہ گفتند صوابست صوابست صواب"

فرخی صفحہ ۱۷

دیوان میں "شمایاں" کی جگہ "یاسہ" جو صریحاً غلط ہے شمایاں سبک ۲ صفحہ ۷ میں ہے۔ اور بہار نے یہ بھی لکھا ہے کہ شمایاں تاریخ بیہقی میں آیا ہے۔ انوری کا شعر ذیل لباب ۲ سے ماخوذ ہے:

ص۱۲۶
درکسی گوید کہ مایاں ہمہ سنجر نامیم   گویمش زنی چو منکم اولی الامر برخوان
'آخر شمایا تراچہ بر.بس داشت'، دولت ص۴۳۵؛ مایاں جیسے غالب متعدیاں عامی کی زبان کہتے ہیں، تزک جہاں گیری (مرتبۂ سید احمد خاں) ص۸۹ میں بھی ہے ـــ

(۹۸) "درفصل کاف عربی مع الرا، کرگدن اسم جانوری نشان مید ہد۔ حالانکہ کاف اولش[۱۰۱] نیز فارسیست" (دک ص۱۰۳ اضافہ، اشاعت ثانی)۔ غالب کے سوا کرگدن کے کاف اوّل کو کسی نے فارسی نہیں کہا، کاف دوم البتہ بالاتفاق فارسی ہے۔ کرگدن (گینڈے) کو کرگ بھی کہتے ہیں، اور کرگ کے کاف اوّل کی عربیت کی سند کرگدن کے لیے بھی کام دے گی۔ شرف ۹۱؍ کے باب کاف عربی میں کرگدن . . با سوم فارسی، سروری میں کرگدن الگ نہیں لیکن کرگ باب کاف عربی میں ہے اور یہ مرقوم ہے کہ "کرگدن باشد" الفاظ الادویہ میں "کرگ . . کاف فارسی ثانی کرگدن ہندی گینڈا" ص۱۶۱۔ اگر مصنف کے نزدیک کاف اوّل بھی فارسی ہوتا تو وہ اس کا ذکر ضرور کرتا۔ گرشاسپ نامہ طبع ایران میں کرگ ص۱۳۰ ؛ اور کرگدن ص۱۶۲ دونوں کا کاف اوّل عربی ہے اور رہنمائی ص۴۳۵ میں بھی کرگدن لکھا ہے۔

(۹۹) "خواندو ماند باثبات الف ونون ہر دو بروزن چاندکہ عوام کالانعام ہندبہ تلفظ آرندو از اہلِ فارس متقدمین باسقاط نون غنہ بروزن دانت ومتاخرین بحذف مدہ بروزن بند یا تنِد" مؤید ص۱۹۔ غالب نے تیغ میں اس کے متعلق لکھا ہے: "ماندو خواند کو بروزن چاند غلط بتاتے ہیں اور مندو خند کو بروزن تند وکند صحیح فرماتے ہیں، پس اس سے لازم آتا ہے کہ ماندن وخواندن بھی . . بروزن کُندن ہو، جو ہندی میں اسم زر بے غش ہے . . خواندن مع الواو معدولہ (کذا) والف اور ماندن مع الالف اور خواندن مع الواو اور الف اور ماند مع الالف مولوی جی کی مثال کے مطابق بروزن چاند صحیح ہے، لیکن اہلِ ایران

الف کو سلا دیتے ہیں اور یہ لہجہ ہے نہ قاعدہ .. لہجے کی تقلید بہر دو پیروں" کا کام ہے" دفعہ!
اس کے متعلق تیغ کے آخر میں غالب کا سوال اور شیفتہ کا جواب علی الترتیب درج
ذیل ہے: "راند و ماند در اصل بروزن چاند صحیح رُند و مُند لہجہ ہے اصل میں بروزن
تند و کند نہیں" صفحہ ۳۳ "راند و ماند بروزن چاند صحیح بروزن رُند و کند لہجہ ہے"
صفحہ ۳۳ احمد نے شمشیر میں اس کا جواب دیا ہے: "لہجہ بمعنی زبان و لغت و وضع
تلفظ است.. گویند لفظ سخن بضم خا و فتح آنست بنا بر اختلاف لہجہ .. و چراغ
بلہجۂ فرس بالکسر و بالفتح ہر دو طور مستعمل است .. اصل اینست کہ مقلد و متتبع
ہر زبان را موافق استعمال و لہجۂ مقررۂ اہل آن زبان بہ تلفظ آوردن مستقل دارد
.. اکنوں دانستنی است کہ این دو آئیں در متاخرین فرس خیلی شیوع دارد یکے
تبدیل الفی کہ پیش از نون غنہ واقع باشد بو او چنانکہ شاعری گوید:

ہر کہ مدح شاہ خواند از دہوں   از دہانش بوی مشک آید بروں

وبہاں و ہموں و یکساں و یکسوں از یں قبیل است۔ دوم حذف مدۂ کہ
قبل نون غنہ بود الف باشد ہمچو اَن بروزن من بمعنی آں کذا فی اللغتہ .. یا واد
ہمچو .. اُن بروزن کُن مخفف اوں کہ مبدل آنست .. خواہ یای تحتانی ہمچو
شو خگن .. و گُن و گیں یکے است .. در مؤید .. سند بدون الف و ختار بدون
واو و الف ہرگز مرقوم نیست کہ مدعی اظہار آں کردہ۔ ماند و خواند بروزن تند
کہ گفتہ شد غرض از آں اتحاد در تلفظ است نہ در کتابت .. و در قواعد خواند
و ماند بروزن چاند بہ اظہار نون نیست۔ قانون متقدمیں آں بودہ است کہ
ہر نون ساکن کہ بعد از مدہ واقع باشد آنرا باخفا خوانند ہمچو بانگ بروزن
چانگ، و قاعدۂ متاخرین این کہ ہر نون ساکن کہ بعد از مدہ واقع بود در آں
برای تخفیف حذف مدہ کنند پس آں نون نون غنہ نماند و ظاہر شود چنانکہ بانگ
را بروزن گنگ خوانند، ہمچو توانگر بنون ماقبل مفتوح، پس خواند و ماند بلہجۂ
قدما باخفای نون .. بودہ است و بلہجۂ متاخراں بروزن تُند باشد .. در ماند

واشال آں اگر الف را ابتدا حذف نمایند مانند بنون ماقبل مفتوح بروزن بسند خوانند واگر الف آں را بواو بدل کنند۔۔ وانگاہ حذف واؤ نمایند مانند بروزن تند باشد۔۔ صائب تبریزی گوید۔۔

اگر دل از علائق کندہ باشی — بمنزل یار خود افکندہ باشی
سواد الوجہ فی الدارین فقر — حدیث مصطفیٰ را خواندہ باشی
عنان نفس سرکش گر بگیری — بگردوں رخش ہمت راندہ باشی

۔۔ راضی شستری:

چوں پسر بیہودہ گرد افتد علاجش راند نست — چوں زجا جنبید دنداں چارۂ او کند نست

۔۔ خواندہ ماند بروزن چاند باثبات مدہ واظہار نون زبانزد مستعمل ہیچ بکر از متقدمین ومتاخرین فرس نیست۔۔ وایں گونہ الفاظ کہ درآں بعد از مدہ نون باظہار خواندہ شود در۔۔ فارسی نیست و مخصوص ہندیست"، ص ۴۵

(الف) جہاں تک ماند وخواند اور اس قبیل کے دوسرے الفاظ کی کتابت کا سوال ہے غالب واحمد میں دراصل اختلاف نہیں گو غالب کے بعض الفاظ سے اس کے خلاف مترشح ہوتا ہے۔ (ب) احمد کے نزدیک قدما ماند وغیرہ کا تلفظ الف و نون غنہ سے کیا کرتے تھے، اور متاخرین الف گرا کر حرف ماقبل الف کو یا تو مفتوح ہی رہنے دیتے ہیں یا مضموم کر دیتے ہیں۔ غالب نے متقدمین ومتاخرین کے تلفظ میں اختلاف ہے یا نہیں، اس کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ ان کی رائے میں اصل تلفظ بہ اثبات مدہ واعلان نون ہے۔ یہ ماننے کے لیے البتہ وہ آمادہ ہیں کہ ماند وخواند مند و خند بالضم بولی جاتی ہیں۔ بالفتح بھی تلفظ میں آتی ہیں یا نہیں (جیسا کہ احمد نے لکھا ہے) اس کے بارے انھوں نے اپنی رائے ظاہر نہیں کی۔ خند و مند بالضم بھی ان کے نزدیک محض لہجہ ہے، یعنی اس قسم کی بات ہے جیسے بیشتر اہل پنجاب کا قاف و کاف کے تلفظ میں فرق نہ کرنا۔ اس سے لازماً یہ نتیجہ نکلتا ہے خواند و ماند تُند و کُند کا قافیہ نہیں آسکتے (ج) قدما میں فردوسی کا ایک شعر مجھے ملا ہے جس میں ماندہ کا قافیہ بندہ آیا ہے:

کہ ما مرترا سر بسر بستہ ایم   دریں بس شگفتی فرو ماندہ ایم

اس سے ثابت ہے کہ قدما بھی الف کو گرا دیتے تھے، مگر یہ ثابت نہیں کہ میم ماندہ مفتوح ہے یا مضموم، اس لیے کہ دونوں صورتوں میں بندہ کا قافیہ ہو سکتا ہے۔ زلالی کی محمود و ایاز میں دو جگہ غنچہ طپانچہ کا قافیہ آیا ہے:

ازاں رو برصبا زد شرم غنچہ   کہ دارد سرخروئی از طپانچہ ص۲۶۵

زپارہ پارۂ دل غنچہ غنچہ   بروی سرخ از دست طپانچہ ص۳۱۱

مصطلحات میں بھی زلالی کا ایک شعر دیا ہے جس میں غنچہ طپانچہ کا قافیہ بندھا ہے ص۲۱۴؛ اسی کتاب میں مسیح کاشی کی رُباعی ہے جس میں بانگ جنگ و چنگ کا قافیہ بندھا ہے ص۲۱۴ __________ والہ درویش کی ایک رباعی جو مصطلحات ص۲۱۴ اور دیوان ص۱۹۴ میں ہے یہ ہے:

مرد آنکہ بزیر چرخ پرشورش و بانگ   از ترک وز تجرید کلہ سازد و لنگ

از کس نپذیرد کہ برابر باشد   منت چہ بجز دارد چہ طسوج و چہ دانگ

ان مثالوں سے معلوم ہو گیا کہ الف کا گرا دینا محض لہجہ نہیں بل کہ یہ قوافی پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ اشعار مسیح و والہ سے علی الترتیب حرف ماقبل الف کا مفتوح و مضموم ہونا ثابت ہے۔ (د) رہا یہ سوال کہ ماند و خواند بروزن چاند ہے یا بروزن دانت، تو ظاہر ہے کہ جہاں تک زبانِ حال کا تعلق ہے یہ سوال بے معنی ہے، قدما کا تلفظ کس طرح تھا، اس کے متعلق اس وقت میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔

(۱۰۰) قدر بلگرامی کی کسی عبارت میں جامک (جام + ک) آیا تھا، اس پر غالب نے انھیں ان الفاظ میں تنبیہ کی تھی: "یہ پیروی قتیل کی ہے کہ وہ ایرانیوں کی تقریر کے موافق تحریر بناتا ہے۔ ظہوری، جلال، ظہیر، طاہر وحید کسی کے ہاں جام کو جامک نہیں لکھا۔۔۔ دو سہ ساغر یا دو سہ قدح لکھو" (خطوط ص۱۷۱)۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ غالب کے نزدیک کسی لفظ کے آخر میں کاف کے آنے کا مدار اس پر ہے کہ کسی ایرانی کی تحریر سے اس کی سند ملتی ہے یا نہیں، تقریر کی سند بھی ناکافی ہے۔

ایرانیوں کی نظم ونثر میں کاف زیر بحث جسے کاف تصغیر کہا جاتا ہے اور مثالوں پر غور
کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے الفاظ کے ساتھ محض زائد آتا ہے، بہت کثرت کے ساتھ
ملتا ہے اور جامک کی سند نہ بھی ملے جب بھی دوسرے الفاظ کے قیاس پر جام کے ساتھ کاف
کا استعمال جائز سمجھنا چاہیے۔ مثالیں: لباب ۲: (رودکی: دانگک ص۸، دقیقی:
'دمنزن زمانک و برآسای درکم گری' ص۱۲، مگر یہ مصرع مجمع ا ص۴۶۴ میں بہ نام فرخی اور یہی
انتساب صحیح ہے۔ ابوعبداللہ ولوالجی: 'سیم دندانک وبس دانک وخندانک و
شوخ' ص۲۲، کسائی: چشم ص۳۷۔ ابوالمظفر پنجہری: 'گو بیند مراکہ خواجکی ہست کریم'
ص۴۷ قاعدے کے مطابق خواجگی ہونا چاہیے مگر اس صورت میں مصرع ناموزوں ہوجاتا
ہے۔ بہرامی سرخسی: شاخ ص۵۶۔ انوری: سوال ص۱۳۱، عاشق ص۱۳۶، 'گویم خطکرد
بیتکی چند' ص۱۳۸۔ فتوحی: زمان ص۱۵۰، شعر، ژاژ۔ کوشکی: مرد ص۱۷۴۔ سوزنی: 'خایۂ
یطلک' ص۱۹۴۔ دہ خدای ابوالمعالی رازی: چاکر ص۲۳۴۔ جمال الدین عبدالرزاق:
اسپ ص۴۰۳۔ صفی الدین: قبالگک ص۴۰۴۔ بدیع الدین ترکو: زن ص۴۵۰ —
سعدالدین کافی بخاری: پارگک ص۳۷۹)۔ لباب ۱: (طاہر چغانی: پارگک ص۲۸۔
کافی خراسانی: زن ص۲۶۔ شہاب الدین محمد: شاخ ص۱۰۲ عوفی: شہر ص۵۱)۔
عنصری: چیز فرخی: عذر ص۵، لاغر ص۵۲، دل ص۱۰۴، چاکر ص۱۱۱، "دوش
متواریک بوقت سحر" ص۱۲۵، یار ص۱۴۲، شغل ص۱۶۰، حال ص۲۷۵، طوطگک ص۲۹۴۔
مسعود: شاخ، 'بسرای کجک نرفتہ است او'، زلف، غلام، چشم، کوہ، رخ —
ف ا: (رودکی: کرم ص۷، بانگ ص۶۵، چادر، زلفینک ص۱۰۲۔ ابوالعباس:
نغنغ ص۵۸، عنصری: کنیز ص۴۴۔ طیان: زلفینکاں ص۲۰۔ منجیک: 'رویک
بریشک اندر ناپیدا' ص۹۸، 'خہ کہ جز مسگکت نزادت مادر' ص۱۱۷۔ سرودی:
زلفکاں ص۴۰۔ زینتی ۲: دست ص۱۹۔ خفاف: زلف ص۸۱۔ عسجدی: زلف
ص۴۶، مرغ ص۶۸۔ بوشکور: مرغ ص۸۳۔ معروفی: 'ریشکی گندہ و پلیدک و زشت'
ص۵۴۔ اسدی: کرم ص۷، درکی خرد ص۷۷، چوب ص۱۰۰، مرغ ص۶۸، چشم ص۳۹)

المعجم: (مرصفحہ ۵۰): شکرک، ازاں، دولب، تو ہنت ۲۰، پسر ص۱۲۱، مہ کبیر ص۱۳۳، تر آگر ص۱۰۱،
زبان ص۱۰۶، بندگک ص۱۲۰، دائگک، بہتر ص۲۲۵، خوا ص۲۱۲،
بانگی ضعیف یکند ص۳۸۷، بیبک ص۴۰۲، یہ نام ہے۔ دختر کعب
ترک از ورم در آمدخت انک آں خوبروی چابک مہانک ص۱۲۱
دقیقی: چشم ص۱۳۱، زلف ص۱۳۲) مجمع ا: (ازرقی: زلف ص۱۵۱، چشم، انوری:
دریچگک ص۱۶۲، غزل، شاگرد ص۱۶۱، شب ص۱۶۴، روز۔ فرخی: دم: ص۴۵۴،
دہاں ص۴۶۰، سادہ دلک ص۴۶۱، لامعی: بزم ص۴۹۵، منوچہری: گلبن ص۵۴۳،
پوپک، مرغ، بستر ص۵۴۴، ساعت ص۵۴۷، خرد ص۵۴۸، عندلیب ص۵۴۹،
یاسمین، شاخ ص۵۵۲، گبر ص۵۶۲، طغل ص۵۴۶، کبکک ص۵۵۱، کنیز ص۵۵۵،
جو جگک ص۵۶۴، پایک، دختر، رخسار، زہدان، پستان، بلبل ص۴۶۵، زلف،
گل، قمری، صلصل، طوطی، آہو، بیدلکاں، طغل ص۵۶۸، ناصر: جحرگک ص۴۱۶
نظامی عروضی: وثاق ص۴۳۶، مطرب، پندار رازی: داستان ص۱۷۱، اثیر و ابن
شفروہ۔ مجیرک ص۵۱۱۔ فرہاد میرزا: زلفکاں ص۴۹، چشمکاں)، مجمع ۲: (قاآنی:
امشبک ص۴۰۴، تسبیح ص۴۰۹، دلبرکاں ص۴۱۱، یار ص۴۲۱، نادرپسر، وصال شیرازی:
کسوت ص۵۸۶، ترکک۔ ہدایت: مادرکاں ص۵۹۱، لعل ص۶۰۰، بیت ص۶۱۳،
نظم ص۶۱۳، خالکی ہندو ص۶۳۱، بلبل ص۶۵۲، صلصل، گلبن، شیخ ص۶۶۱۔ توحید
پسر وصال: مجلس ص۸۵۔ خجستہ کاشانی: غزل ص۱۱۲، اشترک ص۱۱۵، تازی۔
خاور: جوز ص۱۲۴۔ ذوقی بسطامی: جوجگک ص۱۳۴ بکر۔ سلطان شاہ کرمانی:
سنبلکاں ص۱۵۵، سپہر: زلف ص۱۵۹، دختر ص۱۷۲۔ شیبانی کاشانی: چاکر ص۲۲۷،
شہاب ترشیزی: خر ص۲۵۸، سگ ص۲۵۹، کاغذ ص۲۶۱، حرف، امیرک، شب،
زن، سیدباب۔ صبای کاشانی: غلام ص۲۷۱، طاس ص۲۷۴، صاحب مازندرانی:
ژاژ ص۲۹۹، لعبت ص۳۰۷۔ فرہنگ شیرازی: ہدہد ص۳۸۶، کودکک، طوطی ص۱۷۲،
شاہد ص۳۸۹، مطرب، ترکک۔ مجید طالقانی: غزل ص۴۳۵، مجمر اصفہانی: بزم

میکی صاف و جبکی معجون   بنگی نبک و چرسکی عجب است

احوال رودکی ۳: (رودکی: "بلبل بشاخ گل بالحنک عرب" ص۹۷، نازکک "میانکش نازکک چو شانہ مو" ص۱۰۳۶، "وز زلفک اوسیمک لشترون" ص۱۲۶۲ جویک ص۹۶۹۔ پندار رازی: ماہ ص۱۱۴۱۔ ابوشکور: خرد ص۱۲۴۷) بلعمی: کنیز ص۶۲، پسرک خرد ص۳۳۳۔ الوری م: رنجور تر، شکل، دیگ، بیکار، شعر، چنبر، مہانک۔ تلک، صراحی، کاغذ، شرط، انجیر، پیر، تنور، حوض، قلیگک

گفت ازیں مقربیک ہمی جوشم   رہ نو و حی ایزدی برداست

ظہیر: زماں ص۶، مرد ص۱۲۵، اسپ ص۴۵۔ اثیر: اسپ ص۶۳، "درخانگی خراب چوں چغد" (خانگی ہوگا ورنہ مصرع ناموزوں) ص۹۳، بلغزک ص۹۶، طاس ص۳، روز ص۲۱۲، بیت ص۳۸، نرم ص۴۴، بہتر ص۶۳۔ مناجات خواجہ عبداللہ انصاری م ۱۶۸۶: جغد ص۹۳۔ کمال اسمٰعیل مط: بیت ص۶۹، طبل ص۷۳، مظلوم ص۶۴، چندوک ص۸۱، طاس ص۸۳، نرم ص۹۹، کار ص۱۲۱، یار ص۱۲۸، عتاب ص۱۶۹، مجہول ص۴۵، سوال ص۱۷۱، وثاق ص۳۹۔ کمال م: شب پرک ص۲۱۲، لطف ص۲۴۹۔ مختاری م: غلام ص۹، شاخ ص۱۳۳۔ احوال رودکی ۲: (قطران: زلفکاں ص۵۲، کمتر ص۶۶۶) دیوان غزلیات سنائی مط: چشم ص۲۴، شب ص۱۰۰، زلف ص۱۰۷، "زمک کہ غریبک شمائیم" ص۷۷۔ سنائی م ۲۲: "فرزندکان و دخترکان یتیم ما" ص۱۳، ملحد ص۴۲۔

ہر روز مرا نزمک بکشی تو بازر مک   ای شوخک بی شرمک آخر چہ بلاستایں ص۷

عمعق: رشیدک ص۳۴۔ یوسف زلیخا منسوب بہ فردوسی: فرزند ص۳۱

ناصر: زلف ص۱۴، دختر ص۳۸، "چند گہک نعمت یا دولت است" ص۶۶، جغد ص۱۰۱، ماہی ص۴۲۱، انگشت ص۵۰۔ اسدی: چشم ص۱۴۰، نرم ص۲۲۷، کوچک ص۲۵۵، منوچہری ک: گل، شلوار، لعبت، کودک، موزگک، ہدہد، یار، دشنک، شانگک، گنج، سفرگک، مادر، معشوقکاں، پیراہن، گیسو، کبک آب، زلفین،

کبسگگ۔ رومی: چراغ ص۱۹، فلسفی ص۴۹، قندیل ص۶۹، "ہم با نوا شود ز طرب چنگک
دوتا"، ص۸۲، شتر ص۹۷، "مزن چوبک دگر چوں پاسباناں"، ص۱۰۸، روز ص۱۲۸
مشک افشانک ص۱۳۷، فناں، نازنیں، دلبر، سنگیں دلک، سیمیں بر، جاں، سرگرداں،
آساں، حیراں، بےسروساماں، نالاں، لب سیب، غبغب، "آں قدک وآں قامتک
آں نازک پستانکت"، یار، خنداں، خوش ص۱۶۱، ریش خند ص۱۸۸، کیش گبرکی ص۱۹۹،
ذرگک ص۲۳۹، فیل (مہرۂ شطرنج) ص۲۷۲، پیر ص۲۸۳، شب ص۲۸۶، موش ص۲۹۲،
مرد ص۲۹۳، لولی ص۲۹۸، زیرکک، روبہ ص۳۰۰، جادو کانی فکنت چند عصا در سن؟ ص۳۰۱،
پارگک ص۳۱۹، "سرک فروکش و کنج سلامتی بنشیں"، ص۳۲۴، مرغ ص۳۳۱، کار
ص۳۴۷، بندگی کہتر ص۳۴۸،

گفتم بتکی باشم دو چشم بپوشیدہ اندر رجب حیرت پوشیدہ من این مغفر،

طفل ص۳۶۳، زال ص۳۶۴، ہمت ص۳۷۱، گردن ص۳۷۲، زم ص۳۷۴
رویک ص۳۸۰، مستورکان مصر (اگر جمع مستورہ ہے تو اس صورت میں کہ نہیں لگ رہی)
ص۴۰۰، نہاں ص۴۳۸، اسپ ص۴۳۶، زیں، "شنگینک و منگینک (الف) سر بستہ
برزینک ہے"، ص۴۳۹، "آں سبلت وآں ریشک آں کبرک وآں کینک"، نہالیں،
رسم، آئیں، سرگیں، خودبیں، چیں، سیں، شیں، "ننگینگ"، نمکیں، زلف، خال،
ناز، خشم، خلخال، جعد بیچ، پر، بال، رل، فال، صوف، شال، درد، زرد، سرخ
تو داری دیدہای تنگ خردک، فرد ص۴۴۰، نبرد، ورد، "از آں ناز و کرشمہ ای
فسردک"، نرد، راست، شخص۔ ص۴۶۹، پشتر، آب ص۵۲۲، خار، عروس
ص۵۶۵، مشت ص۵۸۷، خوب، زشت، زنگی، ص۵۹۲ سوسن ص۶۴۲، مست،
لخلخگ، اسیرکاں ص۶۶۲، سگک ص۷۳۲، ہندویک، بہتر ص۷۵۵، صوفی، کمتر
ص۷۵۶، کودکک ص۷۶۲، پرکینک وجنگینک ص۸۰۳، چشمانک ص۸۴۳، مرغان
ابراہیم ہیں با پارہ پارہ گشتنگی ہے ص۸۷۲، "یک ساعت از دو قبلگی از عقل و جاں
برنخاستی"، ص۸۷۴، فضول ص۸۸۰، ملول، لول، مغول، اصیل، بےاصول، ترش،

صـ۸۸۱، "نازک وکبری کہ تو در ہنرک لغو لکی"، نیم پولکی، رسول، غول، جوان صـ۸۸۲، زمان، بستان، استخوان، نشان، منتظر صـ۸۸۵،
ای رہا کردہ تو باغ از پڑی انجیر کی ۔۔۔ وررا از دست دادہ از پڑلم بیر کی صـ۸۹۲،
میر، ساوس، سیر (بہ یای معروف)، شیر (دودھ)، "روچو پشت سوسمار وتن سیہ چون تیر کی"، زنجیر، عاشق صـ۹۰۹، بیدل، رقص صـ۹۱۲، ہندوک، دلدار صـ۹۲۲، شنگ، شنگول، عیار،
چسنگی، کم گو یکی پہ (کذا) دانکی ۔۔۔ ترکگی گل چہر کی طرار کی صـ۹۲۳
شوخ، شیرین، موزون، جانان، زیبایک، نیکویک، شورک انگیز، شکر گفتار، گستاخ، سحرک آمیز، دل آزار، خرمی افزایک، محم کاہ، شادمانی بخش، غم خوار،
بویک زلفینک مشکینکیش ۔۔۔ مشکک افشانی وعنبر بار کی
حسن، رخسار، ماہ، دزد، مکار، غمزگک، خونریز، ہاروت، نرگس، بیمار، زلف، دل، "زیر کی بر بندگی اتار کی"، لعل، حیوان، "قندکش کبک دری رفتار کی"، پرچیں، چشم، خونخوار،

خطکی پر چسنک بر تابکش ۔۔۔ بندکی زنجیر کی دمار کی
بوسکی شیرینکی چون قندکش ۔۔۔ ذوقک افزای طبرزد بار کی
بیشکی رخسار کی رنگینکش ۔۔۔ ماہک وخورشید خد منکار کی

دکارک تو ہم توئی بارک تو ہم توئی، صـ۹۲۹، کثردم صـ۹۶۹، ابریشم صـ۲۹۳،
سفینہ صائب میں بہاء الدین ریحانی کا اشعار ذیل، (ماخوذ از مغ ۱۲ صـ۳۴)

دلکی بود مرا خرمک وخندانک ۔۔۔ ترکگی برد بغارت زمنش پنہانک
ترکگی خوش لبکی گلرخکی سروقدک ۔۔۔ شنگگک وشاہدک وشوخک ونافرمانک
گاہ خوانم دلک اورا وگہی دلدارک ۔۔۔ گاہ جان برنہمش نام وگہی جانانک
تنککک وتنکگش یکنہ دگر خوبتر است ۔۔۔ گہہ زغم میکشدم انیک دگاہم آنک

اعجاز ۱: کنیز ص۱۶۷، آتش، آب ص۲۱۱، دُرج ص۲۰۱۲؛ اعجاز ۲: قصاب ص۶۴،
کارد، وطواط ص۸۲، موش ص۱۸۰، اسپج ص۱۹۲، گوش خرک ص۱۹۹، کفش ص۲۱۹،
معروفک ص۲۸۰، دہل ص۲۸۲، " نزالک کہ تنگی نفس گلوگیرش کند، ص۲۰۱، اعجاز
۳: نیش ص۸، مشت ص۳۹، اعجاز ۵: " اصیلک بز اصولک وقبولک
نامقبول وملیحک ملول وعزیزک سفرۂ معلول" ص۱۲۱، لطف، بہلول، ص۱۲۲
فصیح، عفیف، جمال ص۱۲۴، طرب، دہقاں ص۱۲۶، کفش دوز ص۱۲۷، خطیب
ص۱۳۰، مگس ص۱۴۱، خاتون ص۱۴۸، عوانک ص۱۵۴۔ خزائن الفتوح: دف
ص۱۶، کونسلک ص۱۲۰، پیل ص۱۶۶، نعمت اللہ: نیلک ص۲۱، موشں ص۵۱،
مرد، نیم، ________ خودبیں ص۳۶۵، تحسیں، بُزدیں۔ جواہر الاسرار:
مصنف ہے: زلفینک ص۱۰۱ " آدینہ بہ بازار شدم وقتک چاشت" تحفۂ سامی
م: (مولانا مجنوں چپ نویس: وخطکم صورتکی پیدا کرد ص۵۵) جوینی ۱: کیش نحس
گبرکی ص۵۳، بز ص۱۷، جامع التواریخ ۲: شہر ص۴۶۳، بز ص۱۷۷، جام جم:
خوشتر ص۵۷، شیخ ص۱۲۴، زن ص۹۷، سلسلم ۱۸۵: شمع ص۱۵، سگک ص۴۳،
کرم،

کلکی بود عاشق کلکی شوخکی مشکبار کا کلکی ۴۹

نُقل ص۶۰، خر ص۶۴۔ آتش: (خاقانی: ماہیکاں ص۶۹؛ انوری: پیام ص۹۱، چیز
ص۹۲، کمال اسمٰعیل: اصطبل ص۲۶۰ سلمان: الاغ ص۲۹۵۔ نوائی: آہو ص۳۱۶، سگک)
خاقانی: گربہ چشم ص۹۴۶، سگک عوری غرک، سگسار، فحش، کافر، شیر (یای مجہول)
گرگک، پلنگ سار، روباہ طبع، خوک گردن، پہنانہ منظرک، خرگوش، نر، سرخ
پیکر، گوہر، گورخر، شگال ص۹۴۷، استر عفعف، شتر۔ ہندوک ص۲۶۹، چوب ص۳۱۹
غازانی: زحمت ص۱۲۴ ۔طبقات ناصری: حصارک ص۳۴۱ بہتر ص۴۸ –
تذکرۃ الاولیا: ماہی ص۶۹، کنیز ص۱۲۲، پسر ص۱۸۹؛ تحفۃ العراقین:
یتیمکاں ص۱۳۲، موی ص۵، مار ص۱۲۶۔ نفحات: جزوکی تصنیف کردہ ص۱۶۹، خیار،
سگ ص۳۵۶، بازار ص۲۳۶، مست ص۳۴۰، کاغذ ص۳۹۶، خانگی ص۴۰، پسر ص۶۸۴، بیبک

(نام) ص۱۲۳/۷۔ رموز: پسر ص۳۶۹، شیطان ص۴۷۲/۳، کشتی گیرک خوبک حربفی اینگ آوردہ ص۴۶۰، شب پرک ص۴۷۳، دیو ص۵۱۱، آفتاب پرستک ص۵۱۹، درویش ص۲۱۷۔ کلیات سلمان ۱۸۴۵ : شب ۲۱۴/۱۔ میخانہ: عیاثای منصف: شوق ص۲۲۱، فرقتی: شاہد کاں ص۳۲۶) قاسم انوار: فاضلکاں ۳۱/۱۔ نزہت الارواح م ۱۳۵۳: ماہی ۴۴، گنجشکک ۴۷، بلخی: شہر ص۱۶۳، دیہہ ص۱۲۷۔ سقا (ماخوذ از مجمع الصنائع مط): ہلال ص۷۳، چشمکاں، رخ، شنگ، رنگ، تنگ، جمال،

بنگی پیالہ برکف لبکش و بادہ گلگوں — دلکم ببردہ یکدم بدو لعلکی پر افسوں
نمکینک و ملیحک نفس دم میحک — بتکلمک فصیحک بہ ثنای حمد ؟ چوں

دولت: (حسن متکلم: دل ص۲۶۹، علی شیر: لعبت ص۵۰۱۔ جلال: گنجشکک ص۲۳۱۔ پندار رازی: عروسک پر جہیزک ص۴۲۳۔ صدر الشریعۃ: فرسنگک ص۱۶۳) زاکانی: ہیز ص۱۹، مغول ص۲۵، شیخ ص۵۱، دختر ص۵۹، دیوث، رند ص۷۴، بز ص۱۷۸، چیز ص۱۵۱۔ ابن یمین مط: وجہ ص۸۰، رند، بہتر ص۱۲۴، بیت ص۱۵۰، کمتر ص۲۰۳، خادم ص۱۸۷، مسیح م: دیدار ۳۵۹، دیوار، خار، زنار، مار، دستار، موج ۳۶۲، کلاہ ۳۵، طومار ۲۰۴، نگاہ ۲۳۸، فخرک رازی ۲۴۳، پیر ۱۰۸، شال ۲۷۰، دل ۱۵۲، چشم۔ طغرا: گلزار ۲۷۲، پرکار، دستار، زلف، بیت یار، جرار، سبز، رویک، خال، زحمت، پیچ، مار، آتشیں رخسار، شوخ، شکر بن گفتار، خیل ۵، ابرو کماں ۹۶، نرگس، خنجر میانک، عیش تہانک۔ ہفت اقلیم م: (مولانا معین لذت: جعد ۳۰۷، سید حسن اشرفی: گرگہ گہکی خورد بشعر اد ۳۶۵۔ روحانی: رشیدک ۳۶۹۔ مولانا سعید: یار ۱۹۸، غمگسار، بار، کنار) فوقی: پایک ۱۹، خیلکی ۲۳، عیار ۶۷، ساز، یار، ترنگ۔ محمود و ایاز زلالی: لط ص۱۱۲، زال ص۱۳۸۔ تاریخنامۂ ہرات: پسرک ص۱۹۳۔ یغما: طبیب ص۳۱۵، ناموس، نہر ص۲۶۸، آذر: دلبر ۱۱، آہو ۲۱، سیب ۵۴۔ قاآنی: لب ص۹، سنبل ص۱۸، صلصل، نرگس،

کمتر ص۲، خادم ص۳۳، جولاہ، باب، مام، عقیق ص۴۲، بلبل، قمری، سبزکان، آہوکان ص۴۶، دشمن ص۵۲، دختر ص۵۳، از بوسگی (بوسگی چاہیے) چندلبم بہ زشکر بردۂ فاآنیک! غلام ص۶۰، بیشتر، دلِ ص۹، بیشتر ص۱۰، مرغ، شاعر ص۱۰۱، نرملک (کذا) حلقہ کو قتم بردر ص۱۰۸، مینک، نرم، شلغم ص۱۲۸، شیخ، صغیر ص۱۳۱، خوتر ص۱۳۴، "بخرم خانگی (خانگی چاہیے) ہمچو یکی باغ بہشت" ص۱۳۵، مفلس ص۱۳۶، ریش (ڈاڑھی)، واعظ ص۱۴۲، ماہی ص۱۶۴، حریف ص۱۹۲، چشم، زلف، روبہ ص۲۲۰، حکیم ص۲۲۷، زاہد ص۲۳۶، زنگی ص۲۳۹، شاہد ص۲۶۹، اسپ، مجلس ص۲۷۴، عجوز ص۳۰۲، متواری ص۳۵۹، من ترا گفتم بزاری بوسگی دہ ص۳۶۱۔ گنج: (شہاب: قمری ص۲۵۸، قاآنی: طاس ص۳۷۲، سروش: تیر کی چو حجر ص۵۵، مصور: عجل ص۴۲۷، کلب،) گلشن: طشت ص۴۴، عندلیب: ساقی ص۴۱۔ ادبیات معاصر از رشید یاسمی: (تقوی نصراللہ: "گلبنگاں برای مقریکا نند" ص۳۸، حکمت: روبہک ص۴۴، موشش۔

جامک اگر کہیں نہ ملتا جب بھی جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں صحیح ہے،[10] لیکن یہ طغرا کی کلیات میں ہے:

جامکی در دست و مینا در بغل — مستکی در کار خود ہشیار کی ص۲۷۶

۶- عربی

غالب اپنی ہمہ دانی کے مدعی ہیں، لیکن، انھوں نے کہیں صراحتہً عربی اچھی طرح جاننے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ان کے مداحوں کا یہ خیال ہے کہ خاصی عربی جانتے تھے۔ اس زبان سے ان کی واقفیت کیسی اور کتنی تھی اس کا کچھ حال سطور ذیل سے معلوم ہوگا۔ واضح رہے کہ یہ ممکن ہے کہ ان اغلاط میں سے جن کا ارتکاب غالب نے کیا ہے، بعض کسی نہ کسی ایرانی کے یہاں بھی پائے جائیں، مگر غلطی جب تک عام نہ ہو غلطی ہی سمجھی جائے گی:

(۱) جیبنو جس کے لفظوں کے اعراب معلوم نہیں، ل ۱۱، رعایت لفظ سو میں و چار میں ہر لغت، دک ص۳ + غالب کو لفظ و حرف کے فرق کا علم نہیں۔ (۲) "تھوڑا،"

گھوڑا۔ ۔ یہ دو ترکیبیں، نتیج ص۲۲۴ جب تک کم از کم دو لفظ نہ ہوں ترکیب نہیں ہو سکتی۔ غالب صرف ایک لفظ کو ترکیب کہتے ہیں۔ (۳) "اگر یاں نہ یاں" جملۂ مرکبہ ہے" ل ۱۶ + جملۂ مرکبہ عربی یا فارسی نحو کی اصطلاح نہیں، انگریزی میں دو یا زیادہ جملوں کو حرف عطف ملا کر ایک کر دیتا ہے تو اسے کمپونڈ ٹنس کہتے ہیں، جس کا ترجمہ جملۂ مرکبہ ہو سکتا ہے، مگر یاں نہ یاں جملۂ مرکبہ درکنار، جملہ ہی نہیں غالب جس طرح یہ نہیں جانتے کہ لفظ اور ترکیب کسے کہتے ہیں، جملہ کیا ہے اس سے بھی واقف نہیں۔ (۴) افتاں و خیزاں میں جو الف نون ہے اس کی بحث میں غالب لکھتے ہیں کہ یہ حالیہ ہے اور اپنے وجود کے اثبات میں قواعد نحو عربیہ کا محتاج نہیں، مگر یہاں نحو کا محل نہیں، صرف چاہیے۔ (۵) "اسمیت جامد غیر منصرف" دک ص۱۱ منصرف نحو عربی کی اصطلاح ہے جس کا کسرہ و تنوین سے تعلق ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے یہ فارسی میں مستعمل نہیں۔

(۶) (۱) میں اعراب حرکات و سکنات لفظ کے معنی میں آیا ہے، اعراب حرکات اواخر کلمات کو کہتے ہیں (۷) "با ہو لغتیت حادث نہ پارسی آن عہد" دک ص۸۵ یہاں مستحدث چاہیے، حادث کا محل نہیں۔

(۸) غالب کا ایک فارسی خط خود ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا جس کا عکس غ (عکس ۱) میں شامل ہے۔ غالب نے اس میں اپنی والدہ کے لیے مدظلہ العالی کے الفاظ استعمال کیے ہیں یہ سہو قلم نہیں، دستنبو اور دستنبوا میں ملکہ وکٹوریا کے لیے خلد اللہ ملکہ موجود ہے۔ غالب ضمیر مذکر و ضمیر مؤنث میں فرق نہیں کر سکتے۔ (۹) غالب کے ہاتھ کی تحریروں میں بالکل، بالفعل، باللہ، کی جگہ باالکل، باالفعل، اور باالله پائے جاتے ہیں (مکاتیب ص۲۲ و ص۲۱) (۱۰) غالب نے عربی وامصیبتاہ اور فارسی دردا میں جو الف ہے اسے ایک کہا ہے (خطوط ص۱۰۱) (۱۱) پارسی الاصل دک ص۵۹ فارسی الاصل چاہیے (۱۲) مع الزاء الہوز دک ص۱۰۴ احمد نے الف لام پر اعتراض کیا ہے، غالب نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا (۱۳) مع للواو عاطفہ دک ص۳۴ مع الواو العاطفہ چاہیے۔

(۱۴) شیونرائن نے دستنبو کے سرورق کی ابتدا "العلمنۃ طافتہ" سے کی ہے، اس کی اجازت انھوں نے غالب سے پہلے ہی لی تھی (خطوط ص ۳۸۲) (۱۵) احد اللغیتین (تیغ ص ۳۰) احدی اللغیتن چاہیے۔ (۱۶) یائے نیر عربی میں مشدد مکسور ہے، اور اہلِ ایران نے بھی اس میں کچھ تصرف نہیں کیا، مگر ہندوستان میں کچھ لوگ ی کو مشدد مفتوح بولتے ہیں مثلاً: رکھتے ہیں دو برج میں آج دو نیر شکوہ کلیات جرأت م ۹۱۹۔ غالب از ڈاکٹر عبد اللطیف طبع ۲ ص ۵۲۔ Nayyar۔ ظاہرا غالب بھی ی کو مفتوح ہی سمجھتے تھے، ان کے کلیات میں ۵ جگہ مفتوح نظم ہوا ہے اور ایک جگہ بھی مکسور نہیں بندھا: "ز سیمای میخوارہ نیّر از ذرّہ" ص ۱۱۹

'نامہ بنازد بخویش کز اثر فیض مدح — لفظ ز بس روشنی تابش نیّر گرفت' ص ۲۵۲
'نگہہ خشم گبنش از تیزی — نور از روی نیّر اندازد' ص ۲۲۱
'صد آفتاب تواں ساختن بہ بازیچہ — ذرّہ کہ بود در ضیای نیّر من' ص ۳۲۲
'آفتابی و شیر مرکب تست — آسمانی و جبہہ نیّر تو' ص ۳۳

کلیات کی اشاعت اول کے مصحح غالب کے شاگرد رشید ضیاء الدین احمد خاں تھے، اس کے سرورق میں ان کے تخلص نیّر کی ی پر زبر دیا ہوا ہے، اور انھوں نے کم از کم دو جگہ اسے مفتوح باندھا بھی ہے: آثار الصنادید اشاعت اص ۱۶۲۔ حواشی مکاتیب ص ۳۰ (۱۷) "اصلاح بین الذاتین" (عود ص ۱۳۰) جیسا کہ نظم طباطبائی نے لکھا ہے اس کی جگہ اصلاح ذات البین چاہیے مقدم الذکر فارسی میں میری نظر سے نہیں گزرا، مؤخر الذکر فارسی میں بھی مستعمل ہے: 'باصلاح ذات البین قدم درمیاں نہد، گرگ را با میش الفت . . . دہد' مرز ص ۱۴۵۔ تاریخ المعجم ص ۱۱ + عالم ص ۵۸۳۔

(۱۸) غالب نے کئی جگہ "بہ والا خدمت رفعات درجت" لکھا ہے: مآثر ص ۱۹، مکاتیب ص ۸: 'رفیع الدرجت' کی جگہ 'رفعات درجت' غلط محض ہے عجب نہیں کہ غالب نے خاقانی کے شعر ذیل میں 'درجات رفعت' دیکھا ہو اور اس کی جگہ حافظے

میں 'رفعات درجت' رہ گیا ہو:

'بودم چو یکی دقیقت خرد — عم زی درجات رفعتم برد' تحفہ ص۱۹۷۔

(۱۹) ماثر میں 'اجلہ' بدیہات'' ہی (ص۲۲ اور اس کا حاشیہ ص۶۹) پ پ اس کو قطع نظر کریں کہ حواشی ماثر میں کیا لکھا تھا اجلای بدیہیات چاہیے اور یہی روضہ میں ہی: ''این معنی از اجلی بدیہیات می نماید'' ص۶۔

(۲۰) تقریظ کے معنی بعض کتابوں میں زندوں کی مدح لکھے ہیں، لیکن دوسری کتابوں سے پتا چلتا ہے کہ زندوں کی تخصیص درست نہیں۔ غالب لکھتے ہیں: 'لغت عربی عبارتی را التقریظ نام نہند کہ کتاب را بداں انجام دہند۔ آنچہ من نبشتہ ام تقریظ است نہ دیباچہ' (ک ن ص۱۷۱) اس کی تصدیق کہیں سے نہیں ہوتی۔ غالب نے قاطع کی اشاعت اکا جو خاتمہ تحریر کیا ہے اسے بھی تقریظ کہا ہے مصنف خود اپنی کتاب کے بارے میں کچھ کہے تو خواہ وہ ابتدا میں ہو یا انتہا میں، اسے تقریظ نہ کہنا چاہیے (۲۱) فارسی زبان اعراب کی لونڈی ص۔ قاموس ا ص۱۰۲ میں ہی: العرب.. مؤنثٌ وهُم سُكّان الامصارِ او عامٌّ والأعرابُ منهم سُكّان البادية لا واحد له۔ غالب اعراب کو عرب کی جمع سمجھے ہیں اور یہ غلط ہی (۲۲) در باب محارہ استشعار فرمودہ اند' ماثر ص۱۳ استفسار کی جگہ استشعار کا استعمال غلط ہی۔ استشعار کے معنے زوزنی میں 'در دل گرفتن بیم' لکھے ہیں۔ استشعار ''نا مردم را از نوا استشعاری نباشد'' بلخی ص۴۷ دصاف ص۹۹ حلل مستشعر ''ز جود دست گہر بار اوست مستشعر'' کمال مط ص۶۰ ''خالف و مستشعر'' غازانی ص۸۲ نگارستان ص۱۷۹ مطلع ص۱۰۔ (۲۳) غالب نے تمطی کے معنی جماہی بتائے ہیں دک ص۱۲ احمد نے اعتراض کیا ہے کہ مطی انگڑائی ہے جماہی نہیں، مگر غالب نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا (۲۴) براز کو جو پاخانہ کہتے ہیں غالب نے اسے تسمیۃ الظرف بالمظروف کہا ہے (تیغ ص۱۸) مگر براز مظروف نہیں مظرف ہے (شمشیر ص۶۷) (۲۵) غالب نے اعتذار کی جگہ استعذار لکھا ہے (عود ص۱۲۶) استعذار عذر کرنا نہیں، کسی سے یہ چاہنا ہے

کہ وہ عذر کریں ؎ (۲۶) ایں خطای دو مست .. در تحطیۂ حقیقت یک لفظ دک صـ۱۳۱ تحطیہ غلطی کرنا یا غلط فہمی میں مبتلا ہونا نہیں، غلطی کا پکڑنا ہے (۲۷) اجنہ جنین جن کی جمع لکھی ہے دک صـ۱۱۸ مگر یہ جنین کی جمع ہے ؎ (۲۸) عسس المحققین (عود صـ۱۵۴) عسس عاس کی جمع ہے مگر فارسی میں بہ طور واحد مستعمل ہے۔ عربی ترکیب میں عاس ہی چاہیے۔ (۲۹) غالب نے معترض علیہ کی جگہ معترض (بہ فتحۂ ر) لکھا ہے مآثر صـ۲۶ (۳۰) غالب نے ناواقفیت کی وجہ سے حسب ذیل عربی الفاظ و مستنبو میں استعمال کیے ہیں: زمزمہ صـ۵ + (اس شکل میں یہ شبہہ عربی ہے، لیکن زمزم بھی جو شاہ نامۂ فردوسی میں ہے عربی ہے یا نہیں، اس کے بارے میں اس وقت کچھ کہنے سے قاصر ہوں)۔ غوغا صـ۱ +، ماتم صـ۱۱ +، ہزبر صـ۲۷ (گذشتہ صدی اور اس صدی کی کچھ ایرانی کتابوں میں زای فارسی سے ملتا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں؛ تمام عربی کتب لغات میں موجود ہے اور کسی نے اسے معرب نہیں لکھا۔ جاہ صـ۱۳۱ +، آب و ہوا صـ۷۶۔ (اب نہیں، ہوا عربی ہے۔)

۷۔ اردو ایک زمانے میں غالب نے اپنے دیوان اردو کے متعلق کہا تھا:

نیست نقصاں یک دو جزو است از سواد ریختہ — کاں و ژم برگی ز نخلستان فرہنگ من است
فارسی بیں تا بہ بینی نقشہای رنگ رنگ — بگذر از مجموعۂ اردو کہ بیرنگ من است
کلیات صـ۱۴

لیکن وہ وقت بھی آیا جب وہ اپنے احباب سے کلام ریختہ کی داد ان الفاظ میں طلب کرنے لگے:

(الف) "داد دینا اگر ریختہ پایۂ سحر یا اعجاز کو پہنچے تو اس کی یہی صورت ہوگی یا کچھ اور شکل؟" نادرات صـ۱۲۔ (ب) "بھائی خدا کے واسطے غزل کی داد دینا۔ اگر ریختہ یہ ہے تو میر و میرزا کیا کہتے تھے؟ اگر وہ ریختہ تھا تو پھر یہ کیا ہے؟" صـ۲۶

نثر اردو کی فرمایش پر ایک جگہ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ "میرا اردو بہ نسبت اوروں کے اردو کے فصیح ہوگا۔" خطوط صـ۳۹۱، مگر یہ بات قابل توجہ ہے کہ انھوں نے

کبھی اردو میں محققانہ واقفیت کا دعویٰ نہیں کیا، جس کی وجہ ظاہر ایہی ہے کہ وہ اس زبان ہی کو حقیر سمجھتے تھے۔ ان کی نظم و نثر کی بلند پایگی سے انکار نہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کے یہاں ایسے سقم پائے جاتے ہیں جن سے ایک محقق زبان شاعر کا کلام خالی ہونا چاہیے اور تلامذہ کو وقتاً فوقتاً جو ہدایتیں ان کی جانب سے ہوئی ہیں، وہ کبھی کبھی صحیح راہ دکھانے کی جگہ گمراہ کرتی ہیں۔ استقصا کی ضرورت نہیں، میں محض چند مثالوں پر اکتفا کروں گا:

(الف) "غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے" دیوان اردو یہاں مری کی جگہ اپنی چاہیے (ب) "اشعار۔ درست ہو گئے۔۔ اور اصلاح اور اشارے اور فوائد جیسا کہ میرا شیوہ ہے عمل میں آیا" خطوط ص۵۔ فعل میں فوائد کی رعایت سے آئے ہونا چاہیے۔ اس سے قطع نظر، اصلاح عمل میں آئی ٹھیک اور اشارے عمل میں آئے بھی بہ تکلف صحیح، لیکن فوائد عمل میں آیا چہ معنی دارد؟ (ج) "میں طبیب نہیں مگر تجربہ کار ہوں۔ خدا جانے اور طبیب نہ جانے کیا سمجھے ہوں گے کہ کیا تھا، میرے نزدیک یہ اشتراک معدہ و قلب یہ مرض طاری ہوا تھا" مکاتیب ص۴۵۔ غالب طبیب ہونے کے مدعی نہیں، بل کہ صراحتہً اس سے انکار کرتے ہیں، "لیکن" اور۔۔ کیا تھا "میں" اور" کے بے محل اضافے نے ان کے منشا کے خلاف انھیں اطبا میں شامل کر دیا (د) "تیئں کا لفظ متروک اور مردود و قبیح غیر فصیح، یہ پنجاب کی بولی ہے، مجھے یاد ہے کہ میرے لڑکپن میں ایک اصیل ہمارے ہاں نوکر رہی تھی وہ تیئں بولتی تھی تو بیبیاں اور لونڈیاں سب اس پر ہنستی تھیں" خطوط ص۱۸۳ پہلے میرا خیال تھا کہ تیئں کتابت کی غلطی ہے، لیکن جب مکاتیب کی اشاعت ۲ (ص۹۹) میں ان کی یہ ہدایت دیکھی کہ تیئں نہ لکھا کرو، تو یقین آیا کہ عبارت زیر بحث میں تیئں ہی ہے۔ تیئں پنجاب کی خاص بولی نہیں، کلیات ولی مرتبہ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی ص۲۳ میں موجود ہے اور شعرائے دہلی میں آبرو سے لے کر رنگین (متوفی ۱۲۵۱ھ) تک کے یہاں ملتا ہے، مصرع رنگین "ہر ملاقات میں کہہ کب تیئں میں تجھ سے لڑوں" مجموعۂ نغز ا ص۲۸۲۔ خود

غالب اور ذوق اور غالباً مومن کے یہاں یہ لفظ نہیں آیا، اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان شعرا کے متروکات میں تھا، لیکن تاریخی حیثیت سے یہ بالکل غلط ہے کہ غالب کے لڑکپن میں اس کے استعمال پر لونڈیاں تک ہنستی تھیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ آزاد، حالی، سید احمد خاں وغیرہ نے تکلف اسے برتا ہے۔ (ک) غالب فارسی کی طرح اردو میں بھی زیر پیر کا استعمال گوارا نہ تھا اور وجہ وہی جو فصل ۵ میں نقل ہوئی ہے۔ ان کے سوا شاید ہی کوئی شاعر ہو جو اسے غلط سمجھتا ہو، سودا، میر، مصحفی، جرأت، ناسخ، معروف، ظفر سب کے یہاں پایا جاتا ہے اور لطف یہ کہ غالب نے ظفر کی ایک غزل کی جس میں یہ لفظ آیا ہے تضمین بھی کی ہے۔ ظفر کا مصرع جس میں زیر پیر موجود ہے یہ ہے: "تیری نگاہ اے بت نے زیر پیر گئی" (تضمین غالب نسخہ ص ۱۰۱)۔ (م) غالب نے ٹھیک کہا ہے کہ تیمور کا اصلی تلفظ تے بہ کسرۂ تا و ضمۂ میم ہے، لیکن اس بنا پر ان کا اپنے ایک شاگرد کے مصرع: "رشک کہتا ہے اگر مرقد میں امیر تیمور" کو غلط کر دینا صحیح نہیں (مکاتیب ص ۱۰۴)۔ اصل چیز رواج ہے اور اردو میں تیمور کو تمور لکھنے والے شاید ہی نکلیں۔ شعر میں تمر باندھنے والے بھی کم ملیں گے۔ فارسی میں دونوں طرح رائج ہے۔ قدسی کا مصرع ہے: "ز رایت بر تموز تیمور تیغ" (۱۶ اشرف معاصر عالمگیر کا مصرع ہے: "پر تو دو دمان تیمور ہی" (۲۴ طرہ یہ کہ غالب اسی شاگرد کو ایک مطلع عطا کرتے ہیں، جس میں یہ مصرع ہے: "وہ جہانگیر ہیں جیسا کہ قاآن ہوا" (مکاتیب ص ۱۰۳)۔

ترکی سے ناواقفیت

غالب ترکی سے کامل ناواقفیت کے مقر ہیں، دک ص ۵۵، لیکن باوجود اس کے کہ وہ بہ کثرت الفاظ کی اصل سے بحث کرتے ہیں اور انھوں نے دستنبو خالص فارسی میں جو قبل استیلائے عرب ایران میں رائج تھی، لکھنے کا دعویٰ بھی کیا ہے، لیکن ترکی و مغلی کتب لغات کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت کا انھیں احساس نہیں ہوا، نتیجہ یہ ہے کہ بے بنیاد باتیں ان کے قلم سے نکل جاتی ہیں، اور ترکی یا مغلی الفاظ فارسی سمجھ کر کام میں لاتے ہیں۔ (الف)

"تومان .. لفظ ترکیست و در عرف ترکی ارباب قلم رسم است .. هر آنچه تومان نویسند و تمن خوانند .. و تمن در ترکی بیست را گویند" (ص ۱۵۴)۔ یہ بات غالب نے کسی خط میں سرسری طور پر نہیں لکھی، ایک مدت کی غور و فکر کے بعد قاطع میں درج کی ہے۔ قزوینی نے متعدد جوینی میں لکھا ہے: "تومان ترکی بمعنی عدد دہ ہزار است"، قاموس عدا سے در نفثۃ الاخوان (مصنفۂ جوینی) "بیشتر صد تومان زر کہ شش ہزار ہزار دینار باشد"، مصلہ اس کی تصدیق اور ذرائع سے بھی ہوتی ہے۔ تومان کے اور معانی بھی ہیں جن کا ذکر ضروری نہیں۔ (ب) "سیلاب چلپی ایک لفظ ہے ہندیان فارسی داں کا"۔ اصل لغت چلپی ہے اور .. کر رسالہ لغات ترکی میں خود ص ۱۴۲ و فیض اللہ کی لغات م میں چلپی مرقوم ہے جس سے ... چلپی ہے۔ صاحب غیاث نے لکھا ہے کہ "مردم از ناواقفی چلپی گویند" ص ۱۳۱۔ سیلاب چیں فارسی میں میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ طیاسپ ص ۲۷ میں سلیمہ البتہ نظر سے گزرا ہے، چلپی ہی کی ایک شکل ہو تو عجب نہیں۔ (ج) پنج آہنگ کی فہرست مفردات فارسی میں حسب ذیل الفاظ ملتے ہیں جو ترکی یا مغلی ہیں: اداش، اکدش، ترخان، قلاوز۔ (د) دستنبو کی خالص فارسی میں جو ترکی یا مغلی الفاظ شامل ہیں ان کی نامکمل فہرست یہ ہے: یورش ص ۵۸، اردو ص ۱۵، تمغا ص ۱۲، یغما ص ۱۲، یام ص ۳۸، یرچم ص ۱۸، چلو ص ۱۰، ساچہ ص ۱۲، نوکر ص ۳، جرگہ ص ۱۵۔

۹۔ توافق لسانین

جہاں تک میرا علم ہے فارسی و ہندی کے توافق کی بحث سب سے پہلے آرزو نے چھیڑی تھی۔ آرزو سنسکرت جانتے تھے یا نہیں۔ اس کے متعلق میں قطعی طور پر کچھ کہنے سے قاصر ہوں، لیکن وہ برج بھاشا سے یقیناً واقف تھے۔ آرزو کی مراد توافق سے یہ تھی کہ ہند و ایران میں قدیم سے کچھ الفاظ ایسے چلے آتے ہیں جو صورت و معنی میں یکساں یا مشابہ ہیں، اور جن کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اصلاً ایک ملک کے ہیں جس سے دوسرے نے لیا ہے۔ آرزو یہ جانتے تھے کہ ایسا ہے مگر یہ نہیں بتا سکتے تھے کہ ایسا کیوں ہے۔ آرزو

نے فارسی و عربی اور عربی و ہندی کے توافق کا بھی ذکر کیا ہے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس سے ان کی کیا مراد ہے۔ آرزو کے شاگرد بہار نے بھی کہیں کہیں توافق لسانین کی طرف اشارہ کیا ہے، اور معاصرین غالب میں صہبائی نے گلستانِ سخن میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس کی مثالیں دی ہیں۔ غالب اردو کے سوا کوئی ہندی زبان نہ جانتے تھے، زبان علمی ہند (سنسکرت) کے متعلق ان کا یہ اقرار بھی موجود ہے کہ میں اس کا علم نہیں رکھتا (دک ص۵۹)۔ آریائی لسانیات سے متعلق اہلِ مغرب کی تحقیقات سے بھی غالب کو آگاہی حاصل کرنے کا موقع نہ ملا تھا، مگر ان تمام باتوں کے باوجود حالی کا دعویٰ ہے کہ وہ سنسکرت و فارسی کے متحد الاصل ہونے سے واقف تھے، اور یہ واقفیت انھیں عبدالصمد کی بہ دولت حاصل ہوئی تھی (یادگار ص۱۶)۔ میں عبدالصمد کے وجود خارجی کا قائل نہیں، لیکن اگر وہ ایک فرضی شخص نہ بھی ہوتا جب بھی اس کے لیے سنسکرت و فارسی کے متحد الاصل ہونے کا علم رکھنا ممکن نہ تھا۔ قدیم ایرانی زبانوں سے متعلق اس کے حوالے سے غالب نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس کے جہل کی اچھی طرح پردہ دری کر رہا ہے، سنسکرت یا اہلِ مغرب کی تحقیقات سے اس کا آگاہ ہونا خود غالب نے بھی کہیں نہیں لکھا۔ کمال یہ ہے کہ حالی جس امر سے غالب کی واقفیت پر نازاں ہیں، اس کی باخبری کا انھوں نے کبھی کنایتہً بھی دعویٰ نہیں کیا۔ قاطع میں توافق کی خاص بحث اشاعت ۲ کے ۳½ صفحوں میں ہے۔ بعض الفاظ سے متعلق غالب کا بیان بہ طور نمونہ درج کیا جاتا ہے:

(الف) 'فرتاب و پرتاب در ہر دو زبان بمعنی بزرگی و قدرت و کرامت، ص۱۴۹ (ب) 'فرشاد و پرشاد ہم در پارسی قدیم و ہم در ہندی قدیم ترجمۂ تبرک' (ج) 'مہماں در فارسی ترجمۂ ضیف و در ہندی ترجمۂ ضیافت است بل کہ در فارسی نیز بمعنی مصدری' (د) 'سر۔ سر در ہر دو زبان بمعنی جسم و کالبد است، ص۱۵۱

غالب نے فرتاب و پرتاب اور فرشاد و پرشاد کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ گویا ان کے

نزدیک ف ہندی قدیم میں بھی ہے، حال آں کہ ہندوستان کی کسی زبان میں (بہ استثنائے اردو) کوئی حرف ایسا نہیں جس کی آواز ف کی ہو۔ فرتاب دساتیری ہے، پرتاب کے فارسی میں ہرگز وہ معنی نہیں جو غالب نے لکھے ہیں۔ فرشاد و پرشاد نہ فارسی ہیں نہ دساتیری، خدا جانے غالب کہاں سے لائے۔ مہاں سنسکرت میں مہا بدون نون غنہ ہے اور یہ عظمت و جلال، قوت، اور انکے مماثل معانی کے لیے آتا ہے، ضیافت سے اس کا کچھ تعلق نہیں اور تعظیم و تکریم سے بھی اس کا سروکار نہیں۔ ہندی میں عظمت وجلال کے علاوہ تعظیم و تکریم بھی ہے، لیکن ضیافت اس میں بھی نہیں۔ سر پر یا شہر کے معنی جسم فارسی ادب یا فرہنگوں میں میری نظر سے نہیں گزرا، نہ معلوم غالب کو کہاں ملا۔

۱۰۔ فنون ادبیہ حالی لکھتے ہیں: "غالب کی نظم و نثر اردو فارسی کے دیکھنے سے کبھی یہ اس بات کا خطرہ تک دل میں نہیں گزرتا کہ یہ شخص عربیت اور فن ادب سے ناواقف ہوگا۔۔ فن عروض میں بھی ان کو کافی دستگاہ معلوم ہوتی ہے۔ اکثر بڑے بڑے نامور شعرا کو دیکھا اور سنا گیا ہے کہ۔۔ اس فن سے محض ناآشنا ہوتے ہیں۔۔ مرزا کا ایسا حال نہ تھا، چناں چہ فارسی اردو میں متعدد غزلیں اور نیز ایک۔ آدھ فارسی قصیدہ ایسی ٹیڑھی بحروں میں انھوں نے لکھا ہے کہ اکثر موزوں طبع بغیر واقفیت عروض کے ان بحروں میں نہیں چل سکتے" یادگار ص ۷۱

غالب کی عروض دانی کے بارے میں حالی کا قول صحت سے دور ہے۔ یہ خلاف واقعہ ہے کہ انھوں نے کسی مشکل بحر میں قصیدہ کہا ہے۔ ان کی چند غزلیں مجتث مثمن مخبون اور منسرح مثمن مطوی منحور یا مجدوع میں ضرور ہیں، مگر یہ اوزان فارسی میں کثیر الاستعمال ہیں اور ان میں شعر کہنا چنداں دشوار نہیں۔ امور ذیل غالب کی عروض دانی کی طرف سے سوء ظن پیدا کرتے ہیں: (۱) غالب کا رمل مثمن مخبون (فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلاتن) کو ہزج مثمن سالم کہنا اور اسے ایک نئی بحر بنانا (مکاتیب ص ۱۵۱)، حال آں کہ یہ عروض فارسی کی تمام متداول کتابوں میں موجود

ہے، اور سیکڑوں برس سے شعرا اس میں طبع آزمائی کرتے آتے ہیں۔ اور شاعروں سے قطع نظر صرف رومی کے دیوان میں اس بحر کی ستر اسی غزلیں ملیں گی۔ (حرف دال ردیف دال میں سات غزلیں ہیں از آں جملہ: "چو سحر گاہ ز گلشن بت عیار برآید" الخ، ص ۱۳-۲۱۲) (۲) غالب کے ایک مصرع: "دل رک رک کر بند ہو گیا ہے غالب" کا ناموزوں ہونا۔ (۳)، غالب کا ایک موزوں مصرع: "چشم مخالفاں بیازں، بہ تیر" کو ناموزوں کہنا (تیغ ص ۱۲ اور ۱۳ تفاصیل ماٰثر ص ۱۲۱)

فن قافیہ کی بھی وہی کیفیت ہے جو فن عروض کی ہے۔ بنائے قافیہ حرف روی پر ہے اور یہ آخری حرف اصلی یا اس کے قائم مقام کو کہتے ہیں؛ لیکن یہ بات غالب کو معلوم نہ تھی گرفت کی بحث (باب ۵) میں دکھایا جا چکا ہے کہ غالب گرفت کی ت کو جو حرف قید ہے روی سمجھتے تھے۔ خاقانی کے ایک شعر سے جس میں گرفتہ رفتہ کا قافیہ آیا ہے غالب نے فتحۂ را کو ثابت کرنا چاہا تھا، حال آں کہ جیسا پہلے لکھ چکا ہوں گرفتہ میں روی حرف وصل سے مل کر متحرک ہو گیا ہے اور اس لیے ر کی حرکت داخل قافیہ نہیں۔ انھوں نے اشعار ذیل کو فتحۂ تائے آتش کے ثبوت میں بھی پیش کیا ہے (دک ص ۱۵۱) اور یہ بھی اتنا ہی غلط ہے جتنا گرفتہ سے فتحۂ را کا ثابت کرنا:

می گوست حلوای ہر غم کشی ندیدہ بجز آفتاب آتشی
میانِ دو تن جنگ چوں آتش است سخن چین بدبخت ہیزم کش است
در بیشۂ ما شیر وشی می باید ما کو را از عصا کشی میباید
از فقر رسیدہ بوریائے مارا اندک نفسی و آتشی می باید

گشتہ و گشتہ کے قافیے کو غلط سمجھنے کا ذکر آ چکا ہے، اس سلسلے میں انھوں نے عماد کے ایک مطلع کے بارے میں جو کچھ اپنے ایک شاگرد کو لکھا ہے وہ بھی ملاحظہ طلب ہے (اردوئے معلیٰ ص ۷۷) اس مطلع کا ایک قافیہ رفتن بالفتح اور دوسرا رفتن بالضم ہے۔ غالب ایطا کی نسبت لکھتے ہیں: "الف فاعل۔۔ الف نون جمع کا۔۔ الف نون

حالیہ مطلع میں آپڑے تو ایطائے جلی ہے، اگر غزل یا قصیدے میں تکرار قافیہ آپڑے تو ایطائے خفی ہے" (عود صلاا) ایطائے جلی و ایطائے خفی میں یہ فرق غالب کے سوا شاید ہی کسی نے بنایا ہو اور خود غالب بھی تفتہ کو ایک خط میں اس کے خلاف لکھ چکے ہیں (اردوئے معلی ص۱۵) ایطا تکرار قافیہ کا نام ہے مستند کتابوں میں جو قاعدہ درج ہے وہ یہ ہے کہ بیت مصرع کے مصرع اوّل کے قافیے کا اعادہ اگر نظم ایک بیت سے زیادہ کی ہے، تو بیت اوّل کے مصرع ثانی کو چھوڑ کر کہیں اور ایک بار ہونے میں مضائقہ نہیں۔ ایطائے جلی اس صورت میں ہے کہ قافیوں کا ایک ہونا نمایاں ہو، مثلاً شہیداں و عندلیباں۔ ایطائے خفی اس صورت میں ہے کہ قافیوں کا ایک ہونا زیادہ نمایاں نہ ہو جیسے مزدور و گنجور۔ مختصر لفظوں میں (بیت مصرع کے مصرع اوّل کے قافیے سے قطع نظر) ایطائے جلی سخت عیب ہے۔ اگر نظم طویل ہے تو دور دور پر اعادہ ہو سکتا ہے۔ اس معاملے میں بعض اصناف سخن میں نسبتہً زیادہ آزادی حاصل ہے۔ (تفاصیل، المعجم، معیار الاشعار، بحر الفصاحت اور رسالۂ عطاء اللہ میں ملیں گی)۔

اخلاق غالب ان قوانین اخلاق کی پابند ہیں یا نہیں جن کی خلاف ورزی ایک جویائے حقیقت کے لیے ممنوع ہے، اس کا حال سطور ذیل سے معلوم ہوگا:

(۱) غالب لفظ ہوس کے متعلق لکھتے ہیں: "دکنی نے بہ واو مجہول لکھ کر جو بہ وزن طوس لکھا ہے یہ اس کا حق ہے منشی جی۔۔ ایک شعر ابن یمین کا بہ طریق سند لکھتے ہیں:

رزم بر بزم اختیار مکن ہست ما را بہ خود ہزاران ہوس

۔۔ فرہنگ لکھنے والوں نے یہ شعر مصنف کی زبانی نہیں سنا، دوسرا شعر بھی قطعے کا مرقوم نہیں جو ہم قافیے پر تصحیح اور تصدیق کی بنا رکھیں۔۔ ابن یمین کا تین شعر کا قطعہ ہے، فقیر نے دیکھا ہے، مگر اب حافظے میں موجود نہیں، اس میں۔۔ اوپر کے دو شعروں میں قوس اور فردوس قافیہ ہے، ہوس بر وزن کوس ہرگز نہیں"۔

ابن یمین کی شعر زیر بحث کی نسبت دک (۱۲۷) میں یہ مرقوم ہی: "شعر ابن یمین مطلع نیست، فرد بیست از قطعہ و قوافی ایں قطعہ قوس و فردوس است۔"

کلیات ابن یمین دو یا تین جلدوں میں ایران سی شائع ہونی والا تھا، مگر جہاں تک مجھی علم ہی اب تک صرف ایک جلد چھپی ہی جو قطعات و رباعیات و مثنویات پر مشتمل ہی۔ اس جلد میں یا قطعات ابن یمین کی ان مجموعوں میں جو ہندوستان میں طبع ہوئی ہیں "رزم بر بزم الخ" موجود نہیں۔ م میں اشعار ابن یمین کی جو قلمی مجموعی ہیں، ان میں صرف ایک (کلیات م ۱۳۷) ایسا ہی جس میں شعر زیر بحث ملتا ہی، مگر یہ ایک غزل کا شعر ہی کسی قطعی کا نہیں، اور یہ غزل کلیات کی حصۂ غزلیات میں درج ہی۔

"ای دریغا کہ عمر شد بہ فسوس | از لبست ناستادہ داد بہ بوس ۱۹۲ لہ
ساقیا گلشن از نسیم بہار | گشت آراستہ چو روی عروس
زر قدح کن ز حلق بط خون | ہم چو روی عقیق و خون خروس
رزم بر بزم اختیار مکن | ہست مارا بہ خود ہزار فسوس
ہرگز ابن یمین عوض نہ کند | نغمۂ چنگ را بہ نغمۂ کوس"

ابن یمین کا کوئی ایسا قطعہ جس کی قوافی ہَوس فردَوس اور قَوس ہوں، وجود خارجی نہیں رکھتا۔

(۲) غالب کا عقیدہ ہی کہ آتش کی ت صرف مفتوح ہی؛ ان کی حریف اسکی مکسور ہونی پر بھی مصر ہیں، اس سلسلی میں رحیم نی ساطع میں ایک شعر نقل کیا ہی جس کی مصرع ۲ کی متعلق غالب فرماتی ہیں:

"اور اسی قبیل سی یہ مصرع: در خانہ بجز شعلۂ آتیش ندارم، کہ جامع فرہنگ جہانگیری اس کو بہ تای قرشت مکسور دیای معروف سمجھ کر تحتانی کو مشبع جانتا ہی اور آتش بروزن تابش کا مدعی ہی۔ عیاذاً باللہ من سہو الافکار اس مصرع میں آتیش بہ مثناۃ تحتانی مفتوح ہی اور یہ مصرع استاد کی قطعی کا ہی، جس کی قوافی

عیش وطیش وجیش ہیں"۔ ل ۱۳

جہاں میں آتش یا آتیش کوئی لغت نہیں، بل کہ آتبیش (بہ یا) کا تو کہیں ذکر ہی نہیں آیا، آدیشس کی بحث میں جامع نے آتش کو اصلاً مکسور التا البتہ لکھا ہے۔ مصرع زیر بحث کس کا ہے میں یہ بتانے سے قاصر ہوں۔ رحیم احمد اور امین ان تینوں کے یہاں مصرع ثانی کے علاوہ مصرع اول "از بس کہ تنم سوختہ شد ز آتش فرقت" تو موجود ہے، لیکن کسی نے یہ نہیں بتایا کہ شعر کس کا ہے، احمد نے اتنا البتہ لکھا ہے کہ یکے از شعرای متقدمین نظم کردہ (مؤید ص۴۲۳)۔ قیاس کسی طرح اس کا مؤید نہیں کہ آتیش کے ساتھ کے دوسرے قوافی عیش وغیرہ ہیں، اس لیے کہ کسرۂ تا کی صورت میں اشباع سے آتیش بہ کسرۂ تا اور تے مفتوح ہو تو آتاش پیدا ہو گا۔ قطعہ جس کا ذکر غالب نے کیا ہے ہوتا تو غالب اسے ضرور پیش کرتے۔

(۳) غالب نے تیغ میں (ص۱۱) بڑی شدومد سے صاحب مؤید پر اعتراض کیا ہے: "مؤید کے پانچویں صفحے میں۔۔ مولوی جی ۔۔ ایک فقرہ لکھتے ہیں: 'غم گفتار پارسی زباں خورد'، بھلا 'غم گفتار پارسی زباں خورد' کے کیا معنی؟ غم مترتب ہوتا ہے ہلاک پر فوت پر، گفتار کا غم کیا؟ پھر گفتار بھی زبان بھی! یہاں مولوی کی فارسی دانی اور سخن رانی کی ٹھیک نکل گئی"۔ غالب نے احمد کی جو عبارت نقل کی ہے اس میں تحریف ہوئی ہے۔ ان کے اصلی الفاظ یہ ہیں جو سقم سے بالکل خالی ہیں: 'غم تباہی گفتار پارسی خورد'۔

(۴) غالب نے فارسی میں وجود ذال کی جو وجہ قاطع میں بتائی ہے وہ کسی قدر اختلاف کے ساتھ جہاں میں بھی موجود ہے اور احمد نے اسی سے لی ہے۔ غالب نے احمد پر اس کے سرقے کا الزام لگایا ہے۔ (تفاصیل کے لیے رجوع بہ ہرمزد فصل ۲) حالاں کہ مؤید میں اقتباس جہاں کے قبل اور بعد علی الترتیب یہ الفاظ مرقوم ہیں: 'صاحب جہانگیری شیرازی چنیں افادہ فرمودہ کہ'، 'تم افاضتہ'، 'وہکذا فی الرشیدی وایضا فی البرہان منقولاً عنہ'، ص۴۲۴ احمد پر تو کوئی اعتراض ہو ہی نہیں سکتا، رہا صاحب

جہاں، تو دسویں اور گیارھویں صدی کا ایک مؤلف قاطع سے سرقہ کر سکتا ہے تو، یقیناً اس نے چوری کی ہے۔

(۷) غالب تیغ ص۱۵ میں لکھتے ہیں: "درفش کاویانی کے ۱۵ صفحے میں تحت تنبیہہ دربارۂ لغت آہنگ، جو کچھ لکھا ہے خلاصہ اس کا یوں لکھتا ہوں "آہنگ را ماضی کشیدن قرار داده برعایت توضیح لفظ یعنی کشید، برآں افزوده پس در فصل آہنگیدن آورده گفته مصدر آہنگ است کہ بہ معنی کشیدن باشد، بعد نقل عبارت میں نے برہان میں لکھا ہے کہ 'قاعدہ داناں جستہ للہ چوں قاعدۂ استخراج ماضی بر افکندن نون مصدر است ہر آئینہ ماضی آہنگید خواہد بود نہ آہنگ'، مولوی .. نے مؤید .. کے ۸۳ اور ۸۴ صفحے کو سیاہی سے لیپ دیا ہے بارہ معنی آہنگ کے لکھے اور ہر معنے کی سند میں ایک شعر .. اس سے یہ معلوم ہوا کہ مولوی نے سب فرہنگوں کو دیکھ کر دس بارہ شعر نقل کیے ہیں۔ یہ تو سب کچھ ہوا لیکن میرے اس فقرے کا جواب کہاں ہے کہ 'ہر آئینہ ماضی آہنگید خواہد بود نہ آہنگ'، سوال کا جواب نہیں اور خرافات ہزار در ہزار"۔

غالب کا یہ کہنا کہ احمد نے خرافات کا انبار لگا دیا ہے اور اصل اعتراض کا جواب دینے سے اعراض کیا ہے، حقیقت سے دور ہے۔ غالب نے قاطع میں صراحتہً لکھا تھا کہ آہنگ کے جو معنی برہان میں دیے ہیں، ان میں سے بیشتر محتاج بہ سند ہیں (دک ص۲۵)، گو اپنی عبارت کا وہ ٹکڑا جس سے یہ ثابت ہوتا انھوں نے نقل نہیں کیا۔ احمد سند کے اشعار پیش کرنے میں بالکل حق بہ جانب تھے۔ رہا آہنگ کا ماضی کشیدن ہونا تو اس کے متعلق احمد کا یہ اعتراف مؤید میں موجود ہے: "اگر از جامع است البتہ خطا کردہ است" ص۸۴۔

(۸) غالب نے قاطع کی پہلی اشاعت میں لکھا تھا: "مہتمان کارگاہ انطباع جابجا حاشیہ ہا نگاشتہ اند اما ہمہ در اغلاط لغات عربی و چوں صاحب برہان .. در عربی نیز اعمی است لاجرم اغلاط بیشتر بجاست" لیکن یہ

صحیح نہیں کہ کل اعتراضات کا عربی لغات سے تعلق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محشّی کے ۱۸ ایرادات میں سے بیشتر کا عربی سے کچھ سروکار نہیں۔ مخالفین نے جب یہ کہا کہ قاطع میں بہت سی باتیں حواشی سے لی گئی ہیں، مگر ان کا حوالہ نہیں دیا گیا تو غالب نے اشاعت ثانی میں کئی جگہ اس پر اظہارِ طمانیت کیا کہ فاضل محشیانِ برہان بھی میری ہم خیال ہیں، اور عبارت مرقومۂ بالا میں 'ہمہ' کو 'اکثر' بنا دیا (دک ص۷۳) حقیقت سے کسی قدر انحراف اب بھی رہا، اور ایسے مقامات بھی رہے جہاں حواشی کا مطلق ذکر نہیں، گو زیر بحث امور سے متعلق حواشی موجود ہیں۔ غالب نے تیغ ص۱ میں اس سے انکار کیا ہے کہ اعتراض کا سرقہ ہو سکتا ہے (تفاصیل کے لیے رجوع بہ مآثر ص۲۷ و ص۴۰)۔

(۸) قاطع کی دوسری اشاعت کے لیے ایک نیا دیباچہ لکھا تھا، اس میں قاطع پر مخالفین کے اعتراضات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "حاشا کہ در ہیچ محل از عقیدۂ خویش رجوع کردہ باشم" ص۷۔ مگر نامۂ غالب میں وہ اعتراف کر چکے ہیں کہ "آویزہ اور افسوس کے بیان میں مجھ سے۔۔ سہو ہوا ہے" (عود ص۱۴۵) (آویزہ و افسوس سے متعلق تفاصیل باب ۵ میں ملاحظہ ہوں)، اور انھیں دونوں پر موقوف نہیں، اور مقامات میں بھی انھوں نے صراحتاً اپنی رائے بدل لی ہے، گو اس کا اعتراف نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ جس شخص نے صرف دوسری اشاعت دیکھی ہے، وہ اس سے واقف نہیں ہو سکتا۔ تبدیل رائے کی مثالوں میں سے دو اور یہ ہیں:

(الف) پریوشاں کو 'اقصائے ملک دکن' کے 'جنیوں' کی زبان کہا تھا، مگر دوسری اشاعت میں یہ عبارت نکال دی، اور اس کے وجود کا اقرار کیا ہے دک ص۴۲)

خش خانہ کے بارے میں لکھا تھا کہ یہ خیش خانہ کی تصحیف ہے، اشاعت ۲ میں یہ موجود ہے، لیکن اتنا اضافہ کیا ہے کہ خش خانہ اور خیش خانہ مختلف چیزیں ہیں (دک ص۶۵)

(۹) اروند مستعملۂ صاحب دساتیر کے معنی غالب نے صمد بتائے ہیں (دک ص۱۸) اور احمد نے صراحتاً اس کی تردید کی ہے (مؤید ص۵۶) غالب نے تیغ ص۱۳۔

میں تحریر کیا ہے کہ "میرا اور مولوی جی کا بیان ایک ہے۔ الفاظ میں تغیر بالمرادف ہو تو ہو" احمد نے شمشیر میں اس کی بجا تردید کی ہے۔

(۱۰) عبدالصمد محض ایک طرہ نہیں جس سے غالب نے اپنی دستار فخر کی زیبائش کا کام لیا ہو۔ اس ادعا کے باوجود کہ میرے علاوہ کسی کو فارسی کی تباہی کا غم نہیں، اُنھوں نے اپنے ذاتی قیاسات قاطع میں یہ کہہ کر داخل کیے ہیں کہ یہ باتیں عبدالصمد سے معلوم ہوئی تھیں (تفاصیل ہر مزد)

(۱۱) غالب کا آبائی مذہب تسنن تھا (متفرقات ص۱۰۱) لیکن ان کی متعدد تحریروں سے ثابت ہے کہ انھوں نے اسے ترک کر کے تشیع اختیار کر لیا تھا۔ ان کا تشیع ممکن ہے کہ جمہور کے خلاف اس نوعیت کا ہو کہ اس میں تبرا نا روا ہو، لیکن ایسے اصحاب کو جن کے عقائد میں تبرا داخل ہے، انھوں نے ایسے خط لکھے ہیں جن سے ہم عقیدگی مترشح ہے۔ اس کے باوجود انھوں نے ایک فرمائشی مثنوی میں جس کی تصنیف سے اگر وہ چاہتے تو انکار کر سکتے تھے، لکھا ہے۔

فکر بغض صحابہ سودائیست　　خاطر کفر را سویدائیست

متفرقات ص۱۴۵

رفض ماخولیای خام آرد　　صید دیوانگی بہ دام آرد"

ایسے شخص کو ایک خالص علمی بحث میں، اپنے کو ایک کٹر مذہبی آدمی کے رنگ میں پیش کرنا زیبا نہیں، لیکن قاطع کی اشاعت کے بعد جب لوگ برہان کی حمایت پر آمادہ نظر آئے، اور خود ان پر اعتراضات کی بوچھار ہونے لگی، تو عام مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے انھوں نے محض اس بنا پر کہ اس نے آب دہ دست کے متعلق یہ لکھا تھا کہ "اشارہ بحضرت رسول صلوات اللہ علیہ است خصوصاً"، یہ کہنے میں دریغ نہ کیا کہ وہ پیمبر صاحب کی تذلیل کرتا ہے اور اس لیے مرتد ہے:

"سراسر بے پردہ اشرف الانبیا علیہ السّلام کی تذلیل اور توہین ہے، اور جو پیمبر کو ایسا کہے وہ مجموع اہل اسلام کے نزدیک مرتد اور مردود و بے دین ہے، بل کہ

مخالفین بھی جو مسلمان اپنے پیمبر کو بُرا کہے اس کو برا جانیں گے۔ پیمبر کا آب دہ دست، نام رکھنے والا مورد لعنت اللہ و ملائکتہ (کذا) والنّاس اجمعین ہے" (عود ص۱۵۱)

(۱۲) غالب نے قاطع میں پولہ کے معنی برہان کے حوالے سے 'خربزۂ مضمحل' لکھے تھے اور صرف یہ اعتراض کیا تھا کہ 'توافق لسانین' کا ذکر کیوں نہ کیا، جس سے صریحاً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ برہان کے بیان کردہ معنی ان کے نزدیک صحیح تھے۔ دکّ میں انھوں نے سابق عبارت میں کوئی ترمیم نہ کی، لیکن یہ اضافہ کیا: "نے نے بیچارہ توافق لسانین راچہ داند کہ چیست۔ آنرا خود تفرقہ در ہندی و فارسی نیست۔ آنکہ جھکڑ (کذا) و جدھر و گلہری و ہیشہ را در ذیل لغات فارسی و عربی گنجاند اگر پولہ نیز نوشتہ باشد، گو بنویس۔ اما تخصیص خربزۂ مضمحل تماشا کردنیست،" (دکّ ص۵)

پہلے تو اس کی شکایت تھی کہ پولہ کا ہندی ہونا بھی کیوں نہ لکھا، اضافے سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ لفظ غالب کی راے میں جدھر وغیرہ کی طرح فارسی ہے ہی نہیں، اس لیے توافق لسانین کی مثال نہیں ہو سکتا۔ رہے لفظ کے معنی، تو پہلے اعتراض نہ تھا، اضافے سے یہ ٹپکتا ہے کہ 'خربزہ' ٹھیک ہے، لیکن 'مضمحل' کی قید غلط ہے۔ احمد نے قاطع کی اشاعت اکی عبارت کو دیکھ کر لکھا تھا:

"در لغات ہندی مثل دلیل ساطع و نفائس پولا بواو مجہول والف در آخر بہ معنی نرم و میاں تہی بنظر آمدہ نہ نرم بہ خصوصیت میوہ و بر تقدیر اشعار نہ کردن بہ آں از آدم غیر ہندی و آنگاہ در لغات فارسی ہرگز خطا نباشد" ص۱۸۶

اسے دیکھ کر غالب نے تیغ میں یہ تحریر کیا: "... مولوی جی بخلاف دکنی پہ الف کہتے ہیں اور بہ معنی نرم و میاں تہی بتاتے ہیں... اور لغات ہندی میں بتلاتے ہیں۔ برہان والے کا طور یہی ہے کہ لغات ہندی درج کرتا ہے مگر حضرت کا فقرہ کہ 'بہ معنی نرم و میاں تہی بہ نظر آمدہ نہ نرم بہ خصوصیت میوہ'، یہاں تک تو مکذّب قول دکنی ہے کہ بہ معنی خربزۂ مضمحل نوشت پس یہ تو میری سراسر خوشی

ہے خدا مولوی صاحب کی اس توفیق کو زیادہ کرے" صـ۲۳
احمد نے جیسا کہ انھوں نے شمشیر صـ۸۷ میں لکھا ہے ہرگز قول دکنی کی تکذیب نہیں کی۔ ان کے بیان کا ماحصل یہ ہے کہ ہندی میں ایک لفظ پولا بہ معنی نرم و میاں تہی ہندی کتب لغات میں مندرج ہے۔ صاحب برہان نے لغات فارسی کی بحث میں اگر اس کا ذکر نہیں کیا تو وہ مورد اعتراض نہیں ہو سکتا۔ رہا فارسی پولہ تو اس کے متعلق سروری کا قول ہے کہ ماوراء النہر کی زبان میں 'خربزۂ منفحل' کو کہتے ہیں جو کھانے کے قابل نہ رہا ہو۔
(۱۳) علمی مباحث میں غالب کے لہجے کا ذکر کیا جا چکا ہے اور یہ بھی دکھایا جا چکا ہے کہ غالب نے برہان اور احمد کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں، جن سے انھیں کچھ واسطہ نہیں۔ انھیں دونوں پر موقوف نہیں؛ اوروں کے ساتھ بھی غالب کا یہی رویّہ رہا ہے، اور ہندوستانی فارسی دانوں کی تذلیل کا موقع ملے تو اس وقت اس کی فکر انھیں نہیں رہتی کہ حقیقت سے انحراف ہوتا ہے یا نہیں۔ اسکی بہت سی مثالیں ہیں، جن میں سے تین درج ذیل ہیں:
(الف) غالب ذکا کو غلام امام، شہید کے بارے میں لکھتے ہیں: "عید است بادہ شد فلک و ساغر آفتاب، خالصاً للہ فلک ظرف اور آفتاب مظروف ہے۔ یہ شخص ظرف کو مظروف اور مظروف کو ظرف ٹھہراتا ہے۔ اس کو کون مسلّم رکھے گا؟ ..." (اردوے معلّیٰ صـ۲۸۰) دار المجانین کے باشندوں کے بارے میں نہیں کہہ سکتا، لیکن یہ ممکن نہیں کہ کوئی معمولی سمجھ کا آدمی بھی یہ مصرع لکھے، اور اگر غالب نے کہیں اس طرح لکھا دیکھا تھا، تو اسے غلط کاتب پر محمول کرنا تھا جس کے وہ خود شاکی ہیں۔ شہید کا شعر کلیات مطبوعہ میں یوں ہے: صـ۱۲۰

'عید است و شیشہ شد فلک و ساغر آفتاب — از بادہ آفتاب تراود در آفتاب'

(ب) "کالپی کے نواب زادوں میں سے ایک صاحب قتیل کے شاگرد تھے، میں نے ایک خط قتیل کا ان کے نام کا دیکھا ہے، قتیل ان کو لکھتا ہے کہ جامہ گذاشتن بہ معنی

مردِ مسلّم، لیکن، بہت احتیاط کیا کرو، موقع دیکھ لیا کرو جب لکھا کرو میں کہتا ہوں کہ احتیاط کیا اور موقع کیا فلاں مرد یہاں جامہ گذاشت" عود ص۲۴۴

قتیل کے رقعات کا ایک مجموعہ خواجہ امامی نے جو کالپی کے نواب زادوں میں تھے تیار کیا تھا" اور یہ غالب کے حین حیات میں طبع بھی ہو گیا تھا۔ ذیل میں امامی کے نام کے ایک خط کا اقتباس دیا جاتا ہے؛ یقین ہے کہ یہی خط ہے جس کی طرف غالب کے خط میں اشارہ ہے:

"در خط شما لفظ جامہ گذاشتن در حق شخصی بود۔ آیندہ مذکورا ہیچ نباید نوشت۔ خبرہای اراجیف از زبان عوام معتبر نیست، اگر چیزی دلالت بر عظمت و جبروت او داشتہ باشد مضائقہ ندارد، والّا چہ ضرور، خصوصاً عبارتی کہ درو لفظ "جامہ گذاشتن" و مثل آں باشد بہ ہیچ صورت مناسب نیست۔ ہر چند ایں اصطلاح را کم کسی میداند، لیکن، بقرینہ دریافت میتواند شد۔ آیندہ اگر ہیچ چیزی بگوش خورد بہتر اینست کہ ننویسید، چراکہ اگر اصلے دارد بعد دو روز شما ہم خواہید شنید و اگر دروغست نوشتن آں خالی از قباحت نیست و ایں ہمہ آفتہا در تصریح نام شخص است، اگر بہ کنایہ باشد ہیچ قباحتے ندارد" (رقعات مرزا قتیل مط ۱۲۵۷ھ ص۳۳ رقعہ ۱۶)

قتیل نے جامہ گذاشتن کے استعمال کے بارے میں صلاح نہیں دی، وہ یہ کہتے ہیں تم نے فلاں (ظاہرا سعادت علی خاں) کی وفات کی افواہ سن کر مجھے اس کی اطلاع دی ہے اور گو اس موقع پر جامہ گذاشتن کا محاورہ استعمال کیا ہے، مگر اس محاورے سے جو لوگ واقف نہیں وہ بھی مطلب قرینے سے نکال لیں گے۔ آیندہ کو ایسی بات خط میں نہ لکھا کرو۔ (ج) غالب پر ایک اعتراض کے سلسلے میں احمد نے مؤید میں (ص۱۰) لکھ دیا تھا کہ "غالب عربی داں را غیاث گم کردہ باشد" غالب نے جواب میں اور تمام امور سے کامل طور پر قطع نظر کر کے صاحب غیاث کے بارے میں لکھا:

"اگر غالب جامع غیاث اللغات کو آدمی جانتا ہو تو وہ خود آدمی نہیں۔ ایک بار اس . . . کو سراسر دیکھ لیا۔ جب دیکھا کہ ماخذ اس کا فن لغت میں چار شربت اور نہر الفصاحت ہی، [ص۱۰۸] کتاب پر اور مؤلف پر لعنت بھیجی۔ مدرس جی اتنا نہ سمجھی کہ جو میاں انجو کو نہ مانی گا وہ میاں جی غیاث الدین کو کیا جانی گا۔ باری جب رامپور جانی کا اتفاق ہوا اور وہاں کی صاحب زادگان عالی تبار اور روٴسای نامدار سی ملاقاتیں . . . رہیں تو اس شخص کا یہ حال معلوم ہوا کہ ایک ملای مکتب دار تھا نہ رئیس کا روشناس اور نہ اکابر شہر کا آشنا، ایک گم نام مکتب دار۔" تیغ ص۱۶۔

قزوینی نی مقدمۂ المعجم میں غیاث کو 'فرہنگ نفیس' کہا ہی، مگر اس کا ذکر محض ضمناً کیا جاتا ہی، کہنا یہ ہی کہ غالب نی اکابر رام پور کی زبانی جو کچھ لکھا ہی وہ نہ صحیح ہی اور نہ یہ ممکن ہی کہ انھوں نی رام پور میں سنا ہو، اس لیی کہ غیاث الدین عزت، صاحب غیاث وہاں کی دو حکم رانوں، یوسف علی خاں اور کلب علی خاں کی استاد رہ چکی تھی، اور وہاں بڑی عزت کی نظر سی دیکھی جاتی تھی جیسا کہ انتخاب یادگار مصنفہ امیر مینائی (ص۲۲۶) سی ثابت ہی۔ صاحب غیاث کی شاگردی کا اعتراف خود کلب علی خاں کی طرف سی سمجھنا چاہیی، اس لیی کہ انتخاب یادگار کا 'مادۂ تالیف'، بہ قول امیر خود مقدم الذکر نی مہیا کیا تھا (ص۷) اور کتاب انھیں کی فرمایش سی لکھی گئی تھی۔

[۱۴ مئی ۱۹۵۲ء]

x
x

خاتمہ

فہرست علامات | ص= صفحہ، ـــ = ورق + مقالے میں ہے تو یہ مراد ہے کہ کتاب میں اور اسناد بھی ہیں، غلطنامے میں ہے تو اس پر مشعر ہے کہ جس غلطی کی نشان دہی کی گئی ہے وہ اور بھی ہے ÷ یہ اعتراض قبل بھی ہوا ہے ÷÷ غالب کی زندگی میں اعتراض ہوا مگر انھوں نے جواب نہ دیا x x ہندسے کتاب میں نہیں، مقالے میں ہیں، تو ان کا ذمہ دار میں ہوں۔

فہرست مخففات و مآخذ | (۱) فہرست مآخذ مکمل نہیں (۲) بعض کتب سے متعلق ضروری اطلاعات بوجوہ نہیں دی جا سکیں۔ (۳) کسی خطی نسخے کی بابت یہ نہیں بتایا گیا کہ کہاں ہے تو وہ لازماً میرے پاس ہے (۴) مخطوطات و مطبوعات میں یہ فرق رکھا گیا ہے کہ مقدم الذکر کے ورق اور مؤخر الذکر کے صفحے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ دو خطی نسخے: امامی و نگار اس سے مستثنیٰ ہیں (۵) ایک سے زیادہ حصے یا جلدیں ہیں تو نام کے بعد عموماً لفظ حصہ یا جلد مرقوم نہیں، صرف ہندسہ ہے، جیسے مغ ۸ (= ارمغان جلد ۸)۔ کوئی ہندسہ نام کے ساتھ فہرست میں آیا ہے تو وہ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہے۔ (۶) کسی شاعر کے تخلص یا نام سے بشرطیکہ فہرست سے اس کے خلاف معلوم نہ ہوتا ہو، اس کا دیوان یا کلیات مراد ہے، اور ان دونوں میں عموماً فرق نہیں کیا گیا: آتش آتشکدۂ آذر طک ۱۲۴۹ھ آذری جواہر الاسرار م آئینۂ سکندری طع ابطال ابطال ضرورت م ابن بی بی سلاجقۂ روم کی تاریخ طی ابن حسام خاورنامہ م ۱۷۸ ابن یمین م ۱۳۷ وطا اثر شفیعائی اثر م اثیر اثیر اومانی م اختیارات اختیارات بدیعی م ۹۶۸ ون ۱۸۸۸ھ اسدی گرشاسپنامہ طا اسدی الیضاً طی اسرارنامہ شامل عطار اسیر جلال اسیر ن ۱۲۹۷ھ اشترنامہ شامل عطار مگر یہ مثنوی دراصل عطار کی نہیں اشرف م ۳۶۸ وم ۱۹۱۴ (صرف ص ۲۶۴) اعجاز

اعجاز خسروی ن ۱۲۹۳ھ المعجم المعجم فی معاییر اشعار العجم طی امامی امامی ہروی انشای طاہر وحید
طل ۱۲۶۰ھ الوزی الوزی م ۲۵ ون اوحدی م ۱۳۴ یدلیتہ الودلیہ شائل حزیں برزو برزو نامہ
کی کئی ہزار اشعار ش ۴ کے آخر میں ہیں۔ مکمل مثنوی جوشش سے بھی طویل ترہے کا ماہیں ہے برہان
برہان قاطع مطبع طبی مبنی بر نسخہ عبد المجید بستی کتاب المصادر م ۸۲۲ بلخی فارسنامۂ ابن البلخی
طی بلعمی تاریخ طبری فارسی ن ۱۹۱۶ھ بناکتی تاریخ بناکتی بوستاں شائل سعدی بہار
بہار عجم ن ۱۹۱۵ھ بیہقی تاج المصادر م بی بی رہ ابن بی بی پریشاں طب ۱۳۰۶ھ پژدوا
اردا ویرا فنامہ کا ما پژدو ۲ چنگر نگہاچہ نامہ کا ما پیکر ہفت پیکر ن ۱۸۸۶ھ تاریخ ابوالخیر
خانی م تاریخ المعجم از فضل اللہ ط لاہور ۱۸۸۳ھ تاریخ طاہر وحید م ۵۲۳ تاریخ نامۂ
ہرات طلک تحفہ تحفۃ العراقین ن ۱۲۸۴ھ تحفہ سامی م ۶۸۲ تذکرۃ الاولیا م ۶۵۹
(صرف ص ۳۶۹) وم ۶۶۰ تذکرۃ الملوک طی تذکرۂ عطار رہ تذکرۃ الاولیا ترجیعات
شائل سعدی تسلیم تسلیم شیرازی تیغ تیغ تیز جام جم از اوحدی طا جاماسپی مرتبہ مودی جامع
جامع برہاں طا جامع التواریخ طی جامی م ۱۸۰ ون ط جدید جوینی تاریخ جہانگشا ہے
طی جہاں فرہنگ جہانگیری جہانگشا ی نادری طب ۱۲۶۵ھ چراغ ہدایت غیاث کے ساتھ
ط حافظ مطبع حیدری ۱۲۶۹ھ حدائق السحر از رشید وطواط طا جدید حدیقہ حدیقۃ الحقیقت
از سنائی م ۱۸ و طلک ۱۹۱۰ھ حزیں م ۲۰۷ ون ۱۸۹۳ھ حسام رہ ابن حسام حیرتی بہجۃ
المباہج از حیرتی م ۲۲۵ خاقانی ن ۱۹۰۰ھ خالص امتیاز خاں، خالص م خسرو م ۱۲۵
خسرو شیریں از نظامی طب ۱۲۶۶ھ خطوط خطوط غالب خمسۂ خسرو م ۱۲۸ دت ترجمہ
وتفسیر دساتیر دستنبو طبع اوّل دستنبو اس نسخہ کے حواشی میں معانی خود غالب کے ہاتھ
کے لکھے ہوئے ہیں رہ رغ دک درفش کاویانی دولت تذکرۃ الشعرا از دولت شاہ طی ذخیرہ
ذخیرۂ خوارزمی م ۹۶۲ ر رجوع راروحکی تفسیر زاہدی م راوندی تاریخ آل سلجوق طی سائۂ
عبد الکریم از غالب رہ معاصر ۳ رشیدی فرہنگ رشیدی طلک رموز رموز حمزہ طا روضہ
روضۃ الصفا طب ۱۲۷۱ھ رومی ن ۱۹۱۷ء رونی ابو الفرج رونی طا زاکانی عبید زاکانی
کے منتخبات ط برلن زلالی محمود وایاز ن ۱۸۹۰ھ ساطع ساطع برہان سام سام نامہ م ۱۷۹۹

سامی سامی فی الاسامی ۲۰۰۹ ساوجی ریاض الصنائع از الفتی ساوجی م سبد سبد چیں ط
اوّل سبک سبک شناسی از ملک الشعرا بہار طا سروری فرہنگ سروری نسخ م سعدی
طبع ۱۲۶۷ھ با اہتمام ایرانیاں سفر السعادت م ۱۱۸۵ سقا بہرام سقا ۱۴۱ ۲ سکندر
بحری سکندر نامۂ بحری ن ۱۲۸۲ھ سلسلہ سلسلۃ الذہب از جامی م ۱۸۵۰ سلمان سلمان
ساوجی م ۱۸۸۵ (صرف ص ۵۲۳) م ۲۳۷۲ سلیم م ۳۱۱ سنائی م ۲۲ و طبع غیاث
و قصائد ہر دو بشش شاہنامۂ فردوسی ن ۱۸۸۴ء ش خ ایضاً ایرانی نسخہ سال اختتام
۸۶۹ھ شرف شرفنامہ نسخ م شفائی م ۳۰۰ شمشیر شمشیر تیز تر شہریار شہریار نامہ م
۱۷۹۸ صائب ن ۱۲۹۷ھ صادر رطب صد در بندہش صد در کے ساتھ ط ض مکتوب غالب
بنام ضیاء الدین خاں رہ غ ط طبع طا طبع ایراں طالب م ۲۹۲ طالب ام ۲۹۴ طاہر
وحید رہ تاریخ طبع طبع بمبئی طبر تاریخ طبرستان وغیرہ از ظہیر الدین مرعشی ط روس
طبقات طبقات ناصری طک طع طبع علیگڑھ طغرا م طک طبع کلکتہ طل طبع لکھنؤ طہماسپ
تذکرۂ شاہ طہماسپ ط برلن طی طبع یورپ طیبات شامل سعدی ظہوری ن ۱۲۹۶ھ
ظہیر ظہیر فاریابی ن ظہیر اصفہانی اہلِ مطبع کی غلطی سے شامل ظہیر عارف قزوینی
طا عاشق عاشق اصفہانی م عالم تاریخ عالم آرائے عباسی عالی ن ۱۸۹۴ء عرفی ن ۱۹۱۵ء
عرفی افرہاد و شیریں م ۲۵۴ عرفی ۲ قصائد ن ۱۳۰۶ھ عطاء اللہ رسالہ م ۱۶۹۳
عطار م ۲۷ علوی علوی کاشانی م عمعق طا عندلیب کاشانی ط ترکی عنصری ن عود
عود ہندی خ اوّل و انوار احمدی عوفی لباب الالباب طی غ غالب نمبر علیگڑھ میگزین غازانی
تاریخ مبارک غازانی طی غیاث غیاث اللغات ن ۱۹۴۰ء ف افرہنگ اسدی طی
فارسی تمثیلات مرتبہ ولہلم لٹن ط برلن فتح کانگڑہ شش فتح کوٹ کانگڑہ از جلالا م ۲۱۹۸
فخر ویس و رامیں طک فراہی نصاب الصبیان ن ۱۸۹۰ء فرخی فرخ شوشتری م ۲۸۸ فرخی
طا قدیم ×× فرشتہ تاریخ فرشتہ ن ۱۲۸۱ھ فرہنگ بہارستان طا فلکی ط اوّل
فغانی ط ہند فوقی م ۴۱۴ فیاض عبدالرزاق فیاض م قاآنی قصائد طبع ۱۳۰۶ھ قابوس
قابوس نامہ طی قاسم انوار م ۱۷۰ قاموس ط مصر ۱۹۱۳ء قدسی م ۲۰۸ قصائد سنائی طبع

کاتبی م ۱۷۱ کاشفی لطائف الطوائف م ۲۳۲ ، ۲۳۷ کایا کاما اورینٹیل انسٹی ٹیوٹ بمبئی کشف کشف اللغات
کشف المحجوب از ابو یعقوب سجستانی طا کلیات کلیات نظم غالب فارسی ن ۱۹۲۴ء کلیات
عناصر خسرو ن ۱۲۸۸ھ (صرف ص ۴۸۲،۴۸۳) ، ایضاً ن سنہ کلیم م ۳۱۴ و م ۲۳۷۸ (صرف
ص ۲۰۲) ، کمال کمال اصفہانی طب وم ۵۴ کمال خجندی م ۱۶۳ ک ان کلیات نثر غالب
۱۲۷۱ھ کنز کنز اللغات کیمیا ی سعادت م ۱۳۴۶ گزیدہ تاریخ گزیدہ طی مبنی بر نسخہ ،
۸۵۷ھ گنج گنج شایگاں طال لطائف غیبی کا ایک لطیفہ دمط کی نقل پیش نظر، لباب
رب عوفی لیلی لیلی مجنوں از نظامی ن ۱۳۰۵ھ م کتب خانہ مشرقیہ پٹنہ مآثر مآثر غالب متفرقات
متفرقات غالب مجالس المومنین طا × × مجمع مجمع الفصحا طا مجمع الصنائع طل ۱۲۶۱ھ
مجمع الفرس رب سروری محرق محرق قاطع برہان مختاری م مخزن مخزن الاسرار ۱۸۸۴ھ
مخفی م رط کانپور ۱۲۶۹ھ مرزا درمرزبان مرزبان نامہ طی مسعود مسعود سعد سلمان طا قدیم
× × مسیح م ۳۲۰ مصطلحات مصطلحات شعرا ازوارستہ ن ۱۸۹۸ء مط مطبوعہ مطلع
مطلع السعدین م معل اردوی معلی (کریمی) ، معیار معیار جمالی کا وہ حصہ جو لغات سے متعلق
ہے طا روس مغ ماہنامہ ارمغان ، طہران مکاتیب مکاتیب غالب ط ثانی مناقب العارفین
منطق منطق الطیر ن ۱۸۸۶ء منوچہری ک مرتبہ کازمرسکی منوچہری نسخ م ۱۴ و ۱۵ مؤید
مؤید برہان مہذب الاسمام ۸۲۳ میخانہ ط لاہور ن نول کشور ناصر ناصر خسرو طا جدید
ناصر الدین واقعات مسافرت . ناصر الدین قاچار طب ۱۲۹۳ھ ناصری فرہنگ انجمن آرای
ناصری طا نجیب نجیب جرباذقانی م نزہت نزہت القلوب طی نزہت الارواح م
۱۳۵۳ نسیم الربیع م ۳۰ ، نصر آبادی تذکرۂ طاہر نصر آبادی م نطنزی دستور اللغۃ م نظامی
رب خسرو و شیرین نعمت اللہ م ۱۶۸ نفحات نفحات الانس طک ۱۸۵۸ء نفیسی احوال و اشعار
رودکی طا نقی علی نقی کمرہ م ۱۸۹۳ نگار نگارستان م ۴۷۰ نوعی م والہ والہ درویش م ۳۳۲
وحشی م ۲۴۵ وصاف وصاف الحضرت طب ۱۲۶۹ھ ویس ورامین رب فخر ہاتف طاہر وحید
ہرمزد نم عبدالصمد (احوال غالب) ، ہشت بہشت از خسرو طع ہشت بہشت از حکیم الدین
ادریس م ۵۳۲ (صرف ص ۵۰۳) ، ہفت رب ہفت پیکر ہما ایرانی ناول ط ہند یادگار

یادگار غالب حالی یحیی بحیی کاشی م یزدی ظفر نامہ تلک یغما طا یوسف زلیخا غلطی سے فردوسی کی طرف منسوب ن ۵۵۶ھ

تصحیح و اضافہ

(۱) یہ مقالہ مختلف اوقات میں قلمبند ہوا ہے اور اس کا مسودہ کم و بیش ایک سال کی مدت میں بہ اقساط علی گڑھ بھیجا گیا ہے، ص۱۹۸ میں آخری قسط کی روانگی کی تاریخ درج ہے (۲)، حواشی متن کے ساتھ ساتھ حوالۂ قلم ہوئے تھے لیکن کسی وجہ سے ان کی کتابت الگ کرائی گئی اور وہ پلیٹ جس پر ان کی کاپی جمی تھی، ضائع ہو گئی۔ موجودہ حواشی اواخر نومبر ۵۴ء میں تحریر ہوئے ہیں (۳)، "خاتمہ" اور "تصحیح و اضافہ" اواخر دسمبر ۵۴ء میں لکھا گیا ہے۔ (۴)، ص۶ لفظ "لنک" اوستا میں آیا ہے، اصلاً کس زبان کا ہے، اس سے مجھے بحث نہیں (۵)، ص۷ "پازند" اصلاً مخصوص برای زند بدون ہزوارش بخط اوستائی، لیکن رواجاً ہر پہلوی عبارت جو ہزوارش سے خالی ہے، عام اس سے کہ اوستائی خط میں ہے یا مروجہ فارسی خط میں۔ واضح رہے کہ پازند اگر اس زمانے کی ہے جب فارسی پہلوی پر غالب آ گئی ہے تو پہلوی کی رعایت کامل ہر جگہ نہیں ہو سکی ہے (۶)، ص۸ رجوع برای رستخیز بہ یشتہا ۲ ص۳۳۲ اس میں صراحتہً مرقوم ہے کہ رستخیز کا جو اشتقاق ناصری میں ہے غلط ہے (۷)، ص۹ دساتیریوں نے بھی کیومرث کے معنی "بزرگ شکوہ" نہیں دیے، رجوع بہ شارستان از بہرام بن فرہاد ص۲۳ (۸)، ص۱۰ آبتیں (ب بعد الف) مشہور ہے، لیکن، آتبیں (ت بعد الف)، ہونا چاہیے، اوستائی شکل آتویہ ہے (یشتہا ا ص۱۹۱)، (۹)، ص۱۲ رجوع برای ابو الحفص سغدی بہ تفیسی ۲ (۱۰)، ص۱۵ مطبوعات ایران میں عموماً نیشابور (بہ بای عربی)، (۱۱)، ص۹ فرہنگ اسدی کے جو خطی نسخے ملتے ہیں، تصرفات سے خالی نہیں، آقای عباس اقبال کا خیال ہے کہ ان کے شائع کردہ نسخے کی بنیاد جس خطی نسخے پر ہے وہ اور نسخوں کے مقابلے میں "تالیف اسدی" سے قریب تر ہے (۱۲)، ص۱۸ خلیفہ شاہ محمد، مادھو رام، غنیمت

کی کتابیں لغات کے معانی وصوری بحث نہیں کرتیں، ان کا ذکر غیاث کے دیباچے میں اس لیے آیا ہے کہ یہ اس کے مؤلف کے زمانے میں درس میں داخل تھیں (۱۳)، ص۲۱ آجکل ایران میں اس عقیدے کی طرف میلان ہے کہ ایک ہی اسدی ہے اور وہی صاحب قصائد مناظرہ، مصنف گرشاسپ نامہ، مؤلف فرہنگ اور کاتب کتاب الابنیہ ہے۔ مثنوی کا انجام ۴۵۸ھ میں ہوا، اس سے اس کے زمانے کا اندازہ ہو سکتا ہے (۱۴)، ص۲۲ آرزو صاحب کا بیان ہے کہ برہان ایران میں پہلی بار گزشتہ صدی میں چھپی تھی اور یہ نسخہ کتب خانۂ دانشگاہ علیگڑھ میں موجود ہے۔ میری نظر سے جو ایرانی نسخہ گزرا ہے وہ پچیس تیس برس قبل کا مطبوعہ ہے اور سال دو سال قبل آقای طبا طبائی مستشار فرہنگی ایران متعینہ ہند سے معلوم ہوا تھا کہ آقای محمد معین کا مرتبہ نسخہ زیر طبع ہے۔ (۱۵) ص۲۵ ایران میں دساتیری الفاظ کا زیادہ استعمال خود دساتیر کے انطباع کے بعد سے شروع ہوا (۱۶)، ص۲۵ سطر آخر "درس بانی" غالباً "سریانی" ناصری اس وقت پیش نظر نہیں (۱۷)، ص۳۹ ربرای چینود بہ فرہنگ شاہنامہ مؤلفہ آقای شفق طا (۱۸)، ص۴۱ نظامی کے مصرعوں کی ترتیب مخزن مط میں مختلف ہے (۱۹)، ص۴۲ طالب کے شعر کی ردیف اوروں نے "بیخ شد" لکھی ہے، ازآں جملہ شمس الدین فقیر (بیاض فقیر م) (۲۰)، غالب نے معل ص۴۰۲ میں ظہیر (ظہیرای تفرشی ؟) کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ گویا یہ بھی مستند شاعر ہے (۲۱)، ص۴۵ علی کے شعر میں تو چوں مطابق دیوان علی مط (۲۲)، ص۵۵ "کرہ"، ناقہ نیوی کہہ دوید" مثنوی رومی دفتر ام مرتبہ نکلسن ص۱۵۶ (۲۳)، ربرای زردشت بہرام پژدو بہ" مزدیسنا و تاثیر آں در ادبیات فارسی" مصنفہ ڈاکٹر محمد معین طا (۲۴) ص۵۶ میں سطر ۷ "اس بیں ہے" میں ترتیب الفاظ مختلف ہونی چاہیے (۲۵)، ص۵۸ میں "دب" وہی "دب" ہے جو "دبیر" میں ہے۔ ربرای دبیر بہ فرہنگ ایران باستان مصنفہ آقای پورداؤد طا (۲۶)، ص۶۰ فردوسی کے شعر میں "سرپرست" کے معنی "نگاہبان" ٹھیک بیٹھتے ہیں۔ فرہنگ آموزگار طا ص۶۵ میں "نگاہبان" کے علاوہ یہ معانی دیے ہیں: پرستار مال، بزرگتر خانہ (۲۷)، ص۶۳ خاقانی کے شعر کے جو معنی محشی دیوان

مطلع کی دی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اس میں "بی پیر" ہی ہے، مگر ممکن ہے کہ دراصل اس کی جگہ کچھ اور ہو۔ اس سے "بی پیر" کی ایرانیت میں کچھ فرق نہیں پڑتا، دوسری اسناد موجود ہیں (۲۸) ص۶۷ غالب نے رسالۂ عبدالکریم میں صاحب محرق سے ستید، ن ستبید اور ستیدہ کی سند طلب کی ہے (۲۹) ص۷۰ قاموس میں خید کو معرب لکھا ہے، مگر خوید بروزن عید ایرانی بالالتزام واو کے ساتھ لکھتے ہیں (۳۰) ص۷۷ شیخ ابوسعید ابوالخیر نے مدت العمر میں ایک آدھ شعر سے زیادہ نہیں کہا۔ فہرست مخطوطات فارسی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال طبع ۱۹۲۴ء ص۱۸۹ بحوالۂ مقامات ابوسعید (۳۱) ص۷۹ مرتب فرہنگ اسدی طا کے نزدیک "بر روشناں" دراصل "بدروشناں" ہے دکتر محمد معین نے ماہنامۂ یغما (بہمن ۱۳۳۰ھ) میں اس کی تردید کی ہے اور "برروشناں" کی تائید۔ اس کی مجمل بحث مزدیسنا میں بھی ہے (۳۲) ص۸۶ سطر ۷ و ۸ رب مقالۂ لذا ص۱۰۸ بحث بشکوفہ (۳۳) ص۹۱ ستور و استور بالفتح ہے بالضم سہواً لکھا گیا (۳۴) ص۹۳ یہ متیقن ہے کہ استر "ستر" کا مزید علیہ نہیں، ستور و استر میں کچھ تعلق ہے یا نہیں اس کے بارے میں کبھی اور لکھا جائے گا (۳۵) ص۱۰۸ بشکوفہ جن اشعار میں آیا ہے ان کا صحیح متن کیا ہے اور وہ کس کس جگہ ہیں، ان کے متعلق آیندہ لکھا جائے گا، شعر ثانی کا محل وقوع غلط درج ہو گیا ہے (۳۶) ص۱۱۳ "ذا" "اذا" کی جگہ رومی کا تصرف ہے (۳۷) ص۱۲۰ ربرای فراز یہ کتاب دار منتشر مسمیٰ بہ اتیو د ایرانین (۳۸) ص۱۲۷ ف اطی میں "چرگر" نہیں ملتا۔ فرہنگ اسدی، طبع ایران کا اساسی نسخہ بھی اس سے خالی ہے، لیکن مرتب نے ملحقات کے عنوان سے جو لغات شامل کیے ہیں ان میں ملتا ہے۔ عبارت متعلقہ کی جو نقل میرے پاس ہے، (اس میں اغلاط کا امکان ہے) یہ ہے: "چرگر سرود گوے شاعر گوید:

ہمیشہ دشمن تو سوختہ تا ساختہ بزم

چرگر دیگر مفتی بود زینی گوید:

بوسہ و نظم حلال باشد بارے   حجت دارم برایں سخن زد و چرگر"

(۳۹) ص۱۳۰ سطر ۱: مطلب یہ ہی کہ برہان بخش کے امر ہونے کا ذکر ہی نہیں کرتا اور غالب اسے صرف امر کہتے ہیں؛ ظاہر ہی کہ یہ کنایۃً اس لفظ کی کسی دوسری حیثیت سے انکار کرنا ہی (۴۰) ص۱۳۰ بخسیدن کے حسب ذیل معانی برہان میں ہیں: پژمردہ ساختن وگدازانیدن و دررنج داشتن وخرامیدن۔ اور بخساں کے معنی یہ ہیں: پژمردہ وفراہم آمدہ ورنج دیدہ والم کشیدہ وگدازاں وگداختن را نیز گویند وبمعنی خراماں ہم آمدہ است (۴۱) ص۱۳۷ سعدی طبع میں صرف "عاشق" طیبات ن ۱۸۸۵ء میں "عاشق صادق" صادق کے بغیر مصرع ناموزوں ہی (۴۲) ص۱۴۱ اس کا امکان ہی کہ گوشوارہ مصطلحۂ ہندان ایرانیوں کے یہاں مرّوج ہندوستان آئے تھے (۴۳) ص۱۴۲ سطر ۱۲ "تعلق" ٹھیک لفظ نہیں۔ "زرگر" و "پولادگر" کے علاوہ اور اشخاص کا بھی زر و پولاد سے تعلق ہوتا ہی (۴۴) ص۱۴۷ اس سے بحث نہیں کہ رخشا و رخشاں کے رے آج کل ایران میں مضموم ہی یا مفتوح (۴۵) ص۱۴۸ "ترہ" التُّرُہات والتُرَّہات. واحدہا ترہتہ وہی الترہ" لسان العرب جزو ۱۷ ط مصر ۱۳۰۳ھ (۴۶) ص۱۶۶ صوفی مازندرانی کے دیوان م میں ہی:

"ہر کسے را نصیبہ دادند　　　غصہ وغم نصیبہ ما یا نسبتؔ"

(۴۷) ص۱۷۲ "مصنف ہ" المعجم سے جو مثالیں دی گئی ہیں، ان میں سے وہ جو کسی شاعر کے نام کے بغیر ہیں، یا تو مصنف کی عبارت نثر میں ہیں یا کسی شعر یا مصرع میں ہیں، جس کے مصنف کا پتا نہیں (۴۸) ص۱۷۳ مثالیں غالباً منوچہری کے سے مگر اس کا امکان ہی کہ بعض نسخ م میں ہوں (۴۹) ص۱۸۰ معل ص۲۶۳ میں العلمۃ طاقتۃ بغیر حرکات، اور اردوئے معلّیٰ ط اوّل اس وقت پیش نظر نہیں، دستنبو ط اوّل میں العلمہ طاقتۃً (۵۰) ربرائے زمزم وزمزمہ بہ مزدیسنا ص۸۸ (۵۱) ص۱۸۴ فارسی میں چنگز بھی نظم ہوا ہی: "تان تو مگر لشکر چنگز خانست" (ہفت اقلیم م ۱۲۰ ب بنام عبدالعلی، نجاتی گزیدہ ص۵۷۹ میں بھی بدون ی (۵۲) ص۱۸۸ فرخی طاجد کے ایک قصیدے کے چند اشعار:

تادل من زدست من لبستدی　　سر لبرای نگار دیگر شدی
چارہ وراہ خویش گم کردہ ام　　تاتو مرا براہ پیش آمدی ..
دل بتو دادم و دولت لستدم　　مردم تو دیدی بایں بدی
گوئی بیدلی و باش دودل　　لاجرم ای صنم بکام خودی
چشم مخالف ابیا زن بہ تیر　　چوں کف یاراں کہ بزر آژدی" ص۳۹۸

(۵۳) ص۵۳ مصرع نظیری (دیوان ن ۱۲۹۱ھ) "درکشیدم زہراین پیمانہ خوش" ص۱۸۸
(۵۴) ص۱۸۳ "تئیں" ظفر کے یہاں بھی ملتا ہے، تاریخ صحافت اردو میں یہ شعر ۱۸۴۰ء یا ۱۸۴۱ء کے اُردو اخبار سے نقل ہوا ہے:
شعلۂ رخسار پر اس کے ظفر پروانہ دار　　جھونکے ہی دیتی ہے جانِ ناصبور اپنے تئیں ص۱۴۱
(۵۵) ص۱۶۳ زرتشت بہرام پژدو معاصر سعدی کا یہ شعر زرتشت نامہ (کاما) میں ہے:
چو خورشید رخشندہ با ختر　　رسید و جہاں شد برنگ دگر
(۵۶) ص۹۶ "سرشار ز نعمت الخ" میں نے اسی طرح نقل کیا ہے، مگر "نعمتت" یا "نعمتش" ہوگا، ورنہ مصرع ناموزوں ہے۔ (۵۷) نئے مطالب کے اضافے کی وجہ سے جابجا عبارات میں کسی قدر ترمیم کی ضرورت تھی، مگر دیر بہت ہوگئی ہے؛ "غالب بہ حیثیت محقق" الگ سے چھپا تو ضروری ترمیمیں کی جائیں گی۔

٭٭٭

حواشی

۱؎ غالب نے متعدد مواقع پر خسرو کو مستند مانا ہے۔ ایک خط میں جس کا زمانۂ کتابت یقینی ہے کہ انطباعِ قاطع کے بعد ہے، لکھتے ہیں: "شعرائے ایران کلہم اجمعین مسلم الثبوت ہیں۔۔ خسرو بھی ایسے ہی ہیں جیسے اہلِ ایران" (معل ص ۳۸۷)۔ فیضی کو بھی بعض جگہ مستند تسلیم کیا ہے، مگر ایک جگہ فرماتے ہیں: "اہلِ ہند میں سوائے خسرو۔۔ کوئی مسلم الثبوت نہیں، میاں فیضی کی بھی کہیں کہیں ٹھیک نکل جاتی ہے" (معل ص ۳۶۹)، قاطع کی عبارت کا ظاہری مطلب کچھ ہی کیوں نہ ہو، خسرو غالب کے نزدیک مستند ہیں؛

مگر فیضی کا معاملہ مشتبہ ہے۔ ۲ـ غالب کے دادا کی زبان ترکی تھی (ک: ص ۵۱۷)۔ ۳ـ "مطابق اہلِ پارس کے منطق کے یہی فرہ ایزدی لایا ہوں" غالب بنام محمد عباس در بارۂ مناسبت نحو با فارسی (نگار ستمبر ۶۵ء، ص ۴۵) ۴ـ فروزہ = صفت، بتقلید دساتیر۔ ایرانی صفت کے لیے استعمال نہیں کرتے۔ بعض جدید معانی سے قطع نظر، بمعنی تابش ہے: "جہاں از فروزۂ اردی بہشت بباغ ارم طعنہ داشت" مغ ۷، ص ۳۴۳۔ ۵ـ شورامہ پر محرق نے جو اعتراض ہے اس کا جواب ل ۱۴ میں یہ ہے: "اورامہ و شورامہ دو زمزمے ہیں اہلِ پارس کے جیسے ہندی میں ٹپا اور ٹھمری" اورامہ و اورامن ملتے ہیں، مگر شورامہ میرے لیے اجنبی ہے۔ اگر واقعی ٹپا ٹھمری کا ایرانی قائم مقام ہے، جب بھی ادبیات کے لیے اس کا استعمال درست نہیں ۶ـ یہ اشاعت غالب کی تصحیح کردہ اور قرین قیاس ہے کہ سرورق کی عبارت کاتب کے حوالے ہونے سے قبل غالب کو دکھا دی گئی ہو۔ اس سلسلے میں قاطع سے متعلق عبارت ذیل بھی توجہ طلب ہے: "کئی باتیں جس میں جمع ہوں گی وہ اس کو مانے گا: پہلے تو عالم ہو، دوسرے فن لغت کو جانتا ہو، تیسرے فارسی کا علم خوب ہو.. اساتذۂ سلف کا کلام بہت کچھ دیکھا ہو اور کچھ یاد بھی ہو، چوتھے ہٹ دھرم نہ ہو، پانچویں.. کج فہم نہ ہو" معل ص ۳۹۶۔ "عالم" سے مراد اصطلاحی معنی میں عالم ہے، ورنہ فارسی دانی کا الگ ذکر لغو ٹھہرتا ہے۔ قاطع کی قدر شناسی کے لیے "عالم" ہونا لازم ہے، تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس کا مصنف "عالم" نہ ہو ۷ـ رجوع بہ تمہید ہرمزد ۸ـ رجوع بہ بحث نیز فصل ۳، ایک جگہ زند وغیرہ کے ساتھ استا کی قسم کھائی ہے (تفاصیل معاصر ۷، ص ۱۰۱) ۹ـ اس فصل کے مطالب دینکرد، بندہش اور دوسری پہلوی کتابوں کے انگریزی تراجم، اوستا کے انگریزی و فارسی تراجم، جیکسن، ہوگ اور بہار وغیرہم کی کتابوں سے ماخوذ ہیں ۱۰ـ زردشتیوں کی ایک مذہبی کتاب "صد در" فارسی میں ہے اور یہ سو فصلوں یا بابوں پر مشتمل ہے۔ اس کے مطالب کا خلاصہ دبستان مذاہب میں ہے، اور قریب بہ یقین ہے کہ غالب نے اسی کو دیکھ کر یہ کہا ہے کہ زند سو دروں پر منقسم ہے ۱۱ـ کیتبۂ اردشیر پاپکان مع ہزوارشس: "پتکری، زنہ، مزدیسن، الہا، ارتخشتری، ملکان ملکا، اریان منوشیہر

من یزتاں، بردی، الہا، پاپک ملکا" ترجمہ: "ایں پیکر مزدا پرست بغ (خدای) اردو
شیر شاہاں شاہ ایران، دارندۂ نژاد از خدایاں، پسر بغ (خدای) پاپک شاہ" بابک
ا ص ۱۲ مقدمۂ دادستان دینیک کی عبارت نوشتہ اویسٹ:

" The exact pronounciation of Pahlavi can not fully be as-certained in all its details. There is every reason to suppose that the Semetic portion...was never pronounced by the Persians as it was written (unless, indeed in the earliest times); but to transliterate these Semetic by their Persian equivalents, as the Persians pronounce them, would produce a Pazend text, instead of a Pahlavi one ".

۱۲ بہت سی لوگ اس کی قائل ہیں کہ قدیم ایرانی زبانوں میں عربی ذال کی آواز تھی
۱۳ گنجینۂ اعمال اور نامۂ اعمال میں عملاً کچھ فرق نہیں، مگر لفظی فرق ظاہر ہی ۱۴
غالب سمجھتی ہیں کہ فارسی کم از کم عہد کیومرث سی رائج ہی (بحث نہی)، اس صورت
میں وہ ہر اس لفظ کی باری میں جو ان کی نزدیک مستحدث نہیں، یہ کہہ سکتی ہیں کہ
کہ کیومرث اور اس کی جانشینوں کی عہد سی جس طرح ہی اسی طرح چلا آتا ہی ۱۵ واضح
رہی کہ دساتیر میں ہوشنگ وغیرہ کی فرضی کتابوں کی جو اقتباسات ہیں وہ "فرازمی
نژاد" (آسمانی زبان) میں ہیں اور ان میں بھی لفظ خورشید نہیں آیا۔ عربی میں بھی
ایک کتاب جاوداں (یا جاویداں) خرد ہی جس کا فارسی ترجمہ کاما میں موجود ہی۔

غزنی کتاب کے متعلق یہ دعویٰ ہے کہ ہوشنگ کی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اصل کتاب اگر تھی تو مجہول تھی۔ دساتیر میں بھی ہوشنگ کی کتاب کا یہی نام ہے، مگر اس میں جو عبارات درج ہیں، وہ نسخۂ کاما میں نہیں ہیں [۱۶] جیکسن کی زردشت پر جو کتاب ہے اس میں اس کے زمانے سے متعلق ایران شناسوں کے اقوال درج ہیں اور زردشتی روایات میں جو زمانہ مقرر کیا گیا ہے، اس سے بھی مفصل بحث کی گئی ہے۔ روایات کے مطابق سال ولادت ۶۶۰ سال قبل مسیح ہے، مگر اب بعض زردشتی علما بھی گاتھا کی زبان کی شہادت کی بنا پر زمانۂ پیدایش اس سے قبل قرار دینے لگے ہیں، جیساکہ ڈاکٹر ایرج تارپوروالا نے مجھ سے کہا تھا [۱۷] شاہ نامہ میں سکندر دارا کا علاتی بھائی ہے اور یہی خیال غالب کا ہے (ک ن ص ۳۰۵)، لیکن اصلی زردشتی روایات میں دونوں میں قرابت نہیں اور اس کے نام کے ساتھ اکثر لفظ گجستک (یعنی ملعون) آتا ہے۔ دساتیر میں یہ نبی نہیں، لیکن برگزیدہ بندگانِ خدا میں ہے اور اس کے نام کا ایک پندنامہ بھی اس میں ہے [۱۸] غرض یہ کہ کسی ایسے شخص کو جو ساسان پنجم کی نسل سے ہونے کا مدعی ہو، دعوائے نبوت کا موقع ملے اور اس کے ماننے والوں نے آذر کیوان کو نبی کہا بھی ہے، اس کے متعلق مفصلاً کبھی اور لکھا جائے گا [۱۹] "برآوردم ابدام چوں جامہ" فروغ ۳، ایک دوسرا مصرع جس میں ابدام آیا ہے، دبستاں میں بھی ہے [۲۰] وجہ یہ کہ مطبوعہ دساتیر بہت گراں اور خطی نسخے بہت کمیاب تھے۔ سراج الدین احمد کے نام کے ایک خط سے جو میرے نزدیک اس زمانے کا ہے جب دساتیر غالب کی نظر سے نہیں گزری تھی، واضح ہے کہ ایران قدیم سے واقفیت کا دعویٰ اس زمانے میں نہ تھا ک ن ص ۱۵۲ [۲۱] ظاہرا برہان پہلی عام فرہنگ ہے جس میں دساتیری الفاظ درج ہیں، کچھ تعجب نہیں اگر فرہنگ دساتیر صاحب برہان نے دیکھی ہو [۲۲] ابوالحفص سغدی کی فرہنگ کے زمانۂ تالیف سے کسی اور موقع پر مستقل بحث ہوگی [۲۳] سمرقند وغزنی وغیرہ بھی ایران میں شامل سمجھے گئے ہیں، گو آج کل اس کے حدود سے باہر ہیں [۲۴] ان فرہنگوں میں سے بیشتر کے مؤلف یقیناً ایرانی ہیں، بعض کے متعلق کامل یقین کے ساتھ نہیں کہا

جا سکتا کہ ایرانی ہیں، مگر قرائن ضرور اس پر دلالت کرتے ہیں۔ جہاں کی فہرست ماخذ میں اور ایرانی فرہنگیں بھی ہوں تو عجب نہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ فرہنگوں کی مکمل فہرست پیش کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے [۲۵] تاج المصادر رودکی سے منسوب کی گئی ہے، مگر رودکی غالباً زوزنی کا مصحّف ہے [۲۶] برنی نے قواس کا نام محمد الدین لکھا ہے اور اس کے حوالے سے میں نے جو کچھ تحریر کیا ہے اس کے یہاں اس [illegible] زیادہ نہیں۔ میں نے فرہنگ قواس نہیں دیکھی اور میں یہ کہنے سے قاصر ہوں کہ اس کا مواد غزنی ہے یا ہند۔ فرہنگ نگاری کا جب سے آغاز ہوا ہے، کسی فرہنگ نگار نے اپنی کتاب کے لیے اتنا مواد فراہم نہیں کیا، جتنا صاحب جہاں نے جمع کیا تھا۔ بہار عجم بھی ایک قابلِ فخر کارنامہ ہے۔ فرہنگ ابوالفضل ماخذ غیاث میں ہے [۲۷] سروری کے متعدد خطی نسخے ہند میں ہیں لیکن غالب کی نظر سے گزرنا قرین قیاس نہیں۔ دیباچے میں شاہ ایران کی مدح ہے، مگر غالب کہتے ہیں کہ ہندی المولد ہے۔ سرمۂ سلیمانی کے صرف ایک نسخے کا مجھے علم ہے جو بقول روسی مرتب معیار روس میں ہے۔ صحاح الادویہ کے بھی صرف ایک نسخے کا مجھے علم ہے اور یہ کاما میں ہے [۲۸] یہ اشعار بہار و مصطلحات دونوں میں ہیں، مگر چونکہ مصطلحات غالب کے پاس رہی ہے (خطوط ص ۲۳۶)، قیاس چاہتا ہے کہ اسی سے لیے ہوں [۲۹] یہ سب اشاعت ۲ میں بھی ہے اور اس سے تناقض پیدا ہو گیا ہے [۳۰] غالب آذر کیوان کے آگے سر تسلیم خم کرنے کو تیار ہیں لیکن اس کے تلامذہ کو ناقابلِ اعتبار سمجھتے ہیں، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس کی جو وجہ بتاتے ہیں وہ استاد میں بھی پائی جاتی ہے۔ "اور یہ جو .. تلامذۂ آذر کیوان نے ان الفاظ (جیبو وغیرہ جو بزعم غالب منافقینِ ایران کے مخترعات سے ہیں)، کا استعمال (کذا)، یا صراط کا ذکر لکھا ہے .. یہ لوگ تو واضعین کے اخلاف .. سے .. تھے، کیوں نہ لکھتے؟" ل ۱۱ [۳۱] جاماسپ زردشت کا داماد اور اس کی نبوت پر ایمان لانے والوں میں تھا، اس کے متعلق غالب نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مقابلہ عبارت ذیل سے کیا جائے: "جادوگرے زردشت نام .. گفت کہ .. یزداں بہ پرستیدن آتش فرماں دادہ .. وایں حکایت خود

انوذ جی است از خصمی دیو با بنی آدم" ک ن ص ۲۹۳ ۳۲ غالب کو اس کی بڑی فکر
رہتی تھی کہ عبارت شاندار ہو، لیکن اپنے کو اغلاط سے محفوظ رکھنا اور ابہام پیدا نہ ہونے
دینا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ "در نام آوران .. نہ گشتہ" کا مطلب اس سے زیادہ
نہیں کہ جاماسپ سے لے کر قاآنی تک کسی ایرانی نے فرہنگ نہیں لکھی۔ انھوں نے پہلے
"نام آوران پارس" کو زمانے کے لحاظ سے دو طبقوں میں تقسیم کیا ہے، ایک میں جاماسپ
اور ساسان پنجم ہیں اور دوسرے میں آذر کیوان، اور اس کے بعد "نام آوران پارس"
از رودکی تا قاآنی کا تقابل "سخن گسترانِ ایران" سے کیا ہے جو زماناً "نام آورانِ پارس"
سے مؤخر اور غالب سے مقدم ہیں۔ پارس در اصل ایک صوبے کا نام ہے (سعدی و حافظ
کا وطن، شیراز اسی صوبے میں ہے) اور ایران کے مرادف کے طور پر بھی مستعمل ہے۔ اگر پارس
ایک خاص صوبے کے لیے آیا ہے تو پہلی بات یہ ہے کہ پہلے گروہ کے کل لوگ پارس کے باشندے
ہونے چاہییں اور دوسرے میں کوئی پارس کا رہنے والا شامل نہ ہونا چاہیے، مگر جاماسپ
باشندۂ پارس نہیں اور قاآنی شیرازی ہے۔ دوسری یہ کہ اس کی تردید نہ ہو سکے کہ
ان اہلِ پارس نے جو آذر کیوان کے بعد ہوئے ہیں، فرہنگ لکھی ہے اور یہ غالب کے مقصود
کے خلاف ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ پارس جز ہے اور ایران کل، تقابل کے لیے ضروری تھا
کہ ایران کے قبل "باقی حصص" یا اسی قسم کے اور الفاظ ہوتے۔ پارس ایران کا مرادف ہے تو
جاماسپ وغیرہ کو رودکی وغیرہ سے جدا کرنے والی کون سی چیز ہے؟ نام آوری اور
سخن گستری میں تقابل نہیں، سخن گستر بے تکلف نام آور ہو سکتا ہے اور رودکی
وغیرہ درحقیقت نام آور ہیں۔ مگر یہ دونوں صورتیں غالب کے ذہن میں نہیں ——
ہندوستان میں ان زردشتیوں کو جو ایران سے یہاں آکر بسے ہیں پارسی کہتے ہیں،
غالب نے صرف اس بنا پر "نام آوران پارس" سے زردشتی نام آورانِ ایران مراد
لیے ہیں (غالب کو اس کی خبر نہ تھی کہ آذر کیوان ایک نئے مذہب کا بانی تھا جس میں
زردشت کو کچھ اہمیت حاصل نہ تھی) اور ان کے مقابلے میں "سخن گسترانِ ایران" مسلمان
شعرا کے لیے لائے ہیں۔ وجہ تقابل مذہب ہے، وطن نہیں یہ بالکل رواج کے خلاف ہے

اور غالب کو اس کا بالکل حق نہیں "تمام آورانِ پارس" میں سعدی و حافظ بھی داخل ہیں۔ "اور سخن گسترانِ ایران" سی زرتشتی شاعر زرتشت بہرام پژدو، معاصر سعدی خارج نہیں کیا جاسکتا۔ عبارت منقولہ کی اور قباحتیں دیکھیے: "پس از ۔۔ بودہ اند" سی صریحاً یہ مطلب نکلتا ہی کہ آذر کیوان رودکی سی اور قاآنی خود غالب سی پہلی گزرا ہی، حالانکہ غالب کو یہ بات دبستانِ مذاہب سی معلوم ہوئی ہوگی کہ آذر کیوان کا سال وفات ۱۰۲۷ھ ہی اور وہ اس سی بھی ناواقف نہ تھی کہ قاآنی ان کا ہمعصر تھا۔ فرزبود و فرجود ساتیری الفاظ ہیں، بیاں و بپاں بیکار محض ہیں، بہیں و بنشیں میں سی صرف بہیں کافی تھا، بنشیں بے ضرورت اور محض بطور قافیہ آیا ہی۔ "بنا جہاں ۔۔ گردند" اگر صرف شاندار نام رکھنی سی لوگ کتابوں کی مطالب کو بے چون و چرا قبول کر لیا کرتی تو قاطع برہان و درفش کاویانی میں کب شان کی کمی تھی؟ ۳۳ برہان کا صـ۲۲۴ غالب کی نظر سی ضرور گزرا ہوگا، اس میں کچھ باتیں ایسی ہیں جن پر قاطع میں اعتراض ہوا ہی ۳۴ فرہنگ نگار، سروری نے شرح گلستاں نہیں لکھی، اس کا مخطوطہ میں ہی ۳۵ برہان نے اپنے نام سی پہلے اپنے باپ کا نام لکھا ہی، غالب کا ایک اعتراض یہ ہی کہ یہ دستور کی خلاف ہی، دوسرا یہ کہ "خلف"، کسی کا نام نہیں ہوسکتا۔ اپنے نام سی پہلے اوروں نے بھی باپ کا نام لکھا ہی، ان میں سی علی شیر نوائی کے تذکرے کے مترجمین میں سی ایک، اور صاحب جہاں اس وقت میری ذہن میں ہیں۔ صرف ایک کتاب قاموس ۳ صـ۱۳۶ میں "خلف" نام کی دس آدمیوں کا ذکر ہی اور خلف بیگ مؤلف میخانہ کی والد کا نام ہی صـ۲۹۸، اساتذۂ ایران کی کلام میں بھی ہی: "میر تاج الدین ملک بوالفضل نصر ابن خلف" عبدالواسع جبلی (مجمع صـ۱۸۹) "زیرا کہ چو معشوقۂ تو خواجہ خلف است" منوچہری ۳۶ غالب یہ مانتی ہیں کہ برہان کی بزرگوں میں کوئی ایران سی آیا ہوگا (دک صـ۵۵) لیکن اس کی باوجود اسی "بوہرہ" کہتی ہیں (دک صـ۲۳ وغیرہ)، غالب نے برہان کے ہندی المولد ہونے کا ثبوت نہیں دیا، امین نے تذکرۂ روضۃ الجنان مصنفہ ملا حیدر شاہجہانی کے حوالے سی لکھا ہی کہ برہان اپنے لڑکے کے ساتھ ایران سی ہند آیا تھا (قاطع القاطع صـ۱۱۶)، لیکن میرا خیال ہی کہ یہ کتاب وجود

خارجی نہیں رکھتی۔ اس نام کی کوئی کتاب نکل بھی آئے، تو مجھے یقین ہے کہ اس میں برہان کا حال نہ ہوگا، ایتھے کی کتاب میں اس قسم کی اور باتیں بھی ہیں۔ روبک کو باوجود تلاش برہان کا حال کہیں نہیں ملا اور مجھے بھی اس میں ناکامیابی ہوئی ہے ۳۷ دفتر اوّل میں نے بالاستیعاب نہیں دیکھا ۳۸ حواشی برہان روبک نے بہ اعانت تارنی چند رمتر لکھے تھے، مگر غالب عمر بھر اس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ حکیم عبدالمجید اور ان کے شائع کردہ نسخے کے مصححین کے تحریر کردہ ہیں۔ روبک نے جا بجا برہان پر اعتراض بھی کیے ہیں جن میں سے کچھ حواشی کا حوالہ دیے بغیر قاطع میں بھی شامل ہیں (دیباس کی بحث میں جہاں اعتراض کی تردید ہے، حواشی کا ذکر ہے)۔ صاحب ساطع برہان نے غالب کی طرح غلط فہمی میں پڑ کر حواشی کے بعض اعتراضات کی تغلیط کی تو غالب نے قاطع کی اشاعت ۲ میں انھیں اس طرح ملامت کی: "آہ از مرزا رحیم بیگ کہ . . . ایں ہفت فاضل جلیل القدر را کارپردازان مطبع نام نہادہ اند۔ من ہیچ نمی گویم اما سعدی را چہ کنم کہ میگوید: "سنگ بدگوہر اگر کاسۂ زریں شکند قیمت سنگ نیفزاید و زر کم نشود"، ص۲۱ نسخۂ عبدالمجید کی تصحیح جن اصحاب نے کی ہے وہ حکیم صاحب کے سوا جو مشاہیر میں ہیں، غالباً معمولی "کارپردازان مطبع" سے زیادہ نہ تھے، یہ محض غیر معروف لوگ ہیں۔ فصل آخر میں بھی حواشی سے متعلق بعض ضروری باتیں درج ہیں۔ ح ۳۹ فہرست مخطوطات انڈیا آفس ۴۰ خطوط ص۱۲۹ ۴۱ "لفظ" کا نہیں "حرف" کا محل ہے، آگے چل کر جو لفظ "غصّہ" آیا ہے یہ بھی بے محل معلوم ہوتا ہے ۴۲ یہ اعتراض کہ برہان لغات غریبہ درج کرتا ہے لفظ "غریب" کے صحیح معنی سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ہے۔ ۴۳ ژولیدہ بیانی کا تعلق طرز تحریر سے ہے، بیان ژولیدگی کے باوجود صحیح ہو سکتا ہے ۴۴ غالب برہان کے مطالب سے بھی اچھی طرح آگاہ نہیں، وہ دک ص۸۱ میں لکھتے ہیں کہ برہان یہ نہیں جانتا کہ لولو کے معنی موتی ہیں، لیکن برہان کے باب اوّل کی فصل اوّل کے دوسرے لغت آب کے تحت مرقوم ہے: "کنایہ از لولو و جواہر" ۴۵ ایران میں اب کوئی بھی ہدایت کا شمار محققین میں نہیں کرتا؛ مجمع و ناصری دونوں اغلاط فاحشہ سے مملو ہیں، مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں کام کی باتیں بھی ہیں۔ ہدایت نے برہان

کے متعلق غلط بیانی بھی کی ہے؛ اس کا انطباع فرمانروائے ہند کے حکم سے نہیں ہوا، اس کی تصحیح سے کسی زردشتی کو سروکار نہ تھا، اور نہ جہاں تک ناموں سے پتا چل سکتا ہے کہ روبک کے سوا کسی مسیحی کا اس کی ترتیب و تصحیح سے تعلق تھا[۴۶] آزفنداق بمعنی قوس قزح ف اص۲ میں ہے، اور اسدی اپنی عام روش کے مطابق یہ نہیں بتاتا کہ الف ممدود ہے یا مقصور اور زفارسی ہے یا عربی۔ ق کا کوئی خاص باب اس کتاب میں نہیں؛ اور یہ لفظ باب کاف میں مندرج ہوا ہے۔ گرشاسپ نامہ میں بھی یہ لفظ ایک جگہ آیا ہے۔ ص۱۵۵ اور مرتب حبیب یغمائی نے متن اور لفظ نامے دونوں میں اسے ق ہی سے ضبط کیا ہے جو بخوبی ممکن ہے کہ ف اکی بنا پر ہو۔ اسدی کا مصرع جو ف ا میں بھی بطور سند آیا ہے اور جس کے علاوہ اس لفظ کے ادبی استعمال کی مثال مجھے نہیں ملی یہ ہے: "کماں آزفنداق شد از الہ تیر" میں فی الحال یہ کہنے سے قاصر ہوں کہ برہان کی پیش کردہ شکلوں میں سے کون کون صحیح ہیں، مگر یہ متیقن ہے کہ آفنداک جو برہان میں نہیں، مگر غالب نے اس کے حوالے سے لکھی ہے، غلط ہے[۴۷] کچھ الفاظ جن کے شمول پر اعتراض ہے برہان میں اور کچھ ملحقات میں ہیں[۴۸] یہ اس کثرت کے ساتھ ہے کہ روبک کی رائے میں برہان کو اسی وجہ سے حکیم کہا جاتا ہے (مجھے اس سے اتفاق نہیں) سیکڑوں دواؤں میں سے دو کا بیان درج ذیل ہے: "ابخوسا۔۔ بزبان سریانی دوائیست کہ برگ آں سیاہ مائل بسرخی باشد و آں را ابوخلسا و شنکار نیز گویند۔ نقرس را نافع است" "اطاط۔۔ بندق ہندیست و آنرا ریٹھا گویند۔۔ اگر آرد آنرا با سرمہ بیامیزند و در چشم کشند احولی را ببرد و بعضے گویند باقلای ہندیست و آں سخت بود و نقطہای سیاہ دارد"[۴۹] استعارے یا کنائے کا جو مطلب برہان نے دوسرے فرہنگ نگاروں کی تقلید میں لکھا ہے، وہ صحیح ہے یا غلط اس سے مجھے بحث نہیں، میں صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ غالب یہ بتانے سے قاصر رہے ہیں کہ اصلی مآخذ کیا ہیں، حال آنکہ اساتذہ کا کلام زیر نظر ہوتا تو یہ زیادہ دشوار نہ تھا[۵۰] ایں آذر سے متعلق قاطع کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے: "بجواب ایں دشنام نہ دادن عین قصور است۔۔ در کتاب برہان مادر۔۔ نیست باور۔۔ بود۔۔

ولیفرض محال مراد نہ از مادر کسے است کہ ایں ہمہ برآشفتہ است" ص۱۸ ۔ وہ ایک دوسری جگہ "چادر .. بیحیائیست" کو ذہن میں رکھ کر تحریر کرتا ہے: "گر برادر را برادر دیگر نمی باشد کہ خواہر را بجای آں آوردہ است و پیش تماشائیاں اظہار کردہ" ص۴۸ ۵۱ ابین (ص۶۳) اور احمد (ص۳۱) دونوں نے لکھا ہے کہ مثل غالب پر صادق آتی ہے۔ ۵۲ غالب نے دیباچۂ تیغ میں لکھا تھا: "اگر میری طرف سے ازالۂ حیثیت کی نالش دائر ہو جاتی تو میاں (ابین) پر کیسی بنتی؟ مگر میری کبر نفس نے ازالۂ حیثیت کے لفظ کو گوارا نہ کیا۔ یہی ناگوارا بعد کو گوارا ہوگیا اور انھوں نے ابین کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔ حاکم میں اگر اس کی صلاحیت ہوتی کہ ابین کے فارسی عبارات کا خود مطلب سمجھے اور چند مولویوں نے جھوٹی گواہیاں دے کے معاملہ بگاڑ نہ دیا ہوتا تو ابین کی سزا یقینی تھی لیکن، ظاہرا حاکم کا رخ خراب تھا اور غالب اسی کو قرین مصلحت سمجھے کہ عدالت سے باہر ابین سے تصفیہ کرلیں۔ انھیں اس ضرورت کا احساس بھی نہیں ہوا کہ ابین عدالت میں اپنے قصور کا اعتراف کرکے ان سے معافی چاہے۔ عرضی کے کچھ الفاظ یہ ہیں: "بہ فہمائی (کذا)، چند گرامی رؤسائے شہر باہم رضا مندی ہوئی، اب مجھ کو کچھ دعوی بابت مقدمہ نہیں رہا" (غ ص۴۷)۔ یہ ابین کی کامل فتح تھی اور غالب کے لیے مقدمہ ہار جانا اس سے کہیں بہتر ہوتا۔ ۵۳ غالب نے قاطع کی اشاعت اول در رجوع بہ اشعار خاقانی فصل ۴، خسرو پرویز نبیرۂ نوشیرواں کا زمانہ خود نوشیرواں سے قبل قرار دیا تھا، شاہنامہ کے مطالب ذہن میں ہوتے تو یہ ممکن نہ تھا۔ اشاعت ۲ میں غالب نے تصحیح کردی ص۱۴۰ ۵۴ شرح قصائد انوری از ابوالحسن فراہانی م ۵۵ خسرو کے سوا شاید ہی کوئی ہندی فارسی گو ہو جسے غالب رحمت الہی کا سزاوار سمجھتے ہوں، ظاہرا یہ بھی انکے نزدیک ایرانیوں کے لیے مخصوص تھی ۵۶ اس مباحث کی تفاصیل اور اس کے متعلق غالب کی روش کا مفصل ذکر معاصر حصہ ۵ و ۷ میں ہے۔ ۵۷ یہ الفاظ عبدالقادر کے نہیں، غالب نے کلام فیضی کا پسندیدۂ جمہور ہونا ظاہرا عبدالقادر کے حوالے سے لکھا ہے، لیکن، غالب کے برخلاف عبدالقادر کا بیان ہے کہ عرفی و ثنائی کا کلام مقبول عام تھا، اور فیضی کی کوشش کے باوجود

اسے حسن قبول حاصل نہ ہو سکا (منتخب التواریخ م ۳ ص ۲۱۳ ، ۲۱۷)۔ ۵۸ رجوع بہ معاصرا
ص ۱۵۱ ۔ ۵۹ بہار ہندوستان کے بڑے فارسی گویوں میں محسوب تھیں، نہ ان کا دیوان
ہے نہ اس کا کسی نے ذکر کیا ہے اور نہ معاصر فارسی تذکروں میں ان کا ترجمہ ہے۔ ان کے فارسی اشعار
جو اس وقت ملتے ہیں ان کی تعداد ۶ سے زائد نہیں ۶۰ صائب نے شیدا کی غزل پر
غزل لکھی ہے، معاصر حصہ ۷ ص ۱۱۰ ۔ ۶۱ کلمات الشعرا ص ۷۵ ۔ ۶۲ دیوان واقف
ط ۱۸۸۷ء میں نہیں، لیکن دیوان م ۲۵ ۴ ۱۳ھ میں ہے ۶۳ قتیل نے یہ مطلب لکھا ہے:
"کوچۂ تو از کشتہ شدن عاشقاں تمامش دریای خوں شدہ بود و خاکے در آنجا غیر از بدن
کشتگاں نبود" (ثمرات البدائع ص ۲۳۲) "خاک نبود" کے متعلق اس کا قول ہے: "این
محاورہ را ہمیشہ ہندی میدانستم" ص ۲۳۳ ۔ ۶۴ اس کے متعلق بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے،
مگر طول کلام کے خوف سے اس وقت کچھ نہیں کہتا ۶۵ رجوع بمعاصر حصہ ۲ (جہان غالب)
۶۶ "چوں بتبریز نزول فرمودند از آنجا کہ توجہ اقدس بہ اصطرلاب و کرہ و سائر آلات
رصدی درجۂ کمال داشت آختہ بیگی را فرمودند کہ دریں شہر کہ محل آثار قدیمہ
است کرہ تفحص نماید، آں سادہ لوح کرۂ چند با مادیانہا آورد۔ آنحضرت بجہت تفاول
خریدند" اکبرنامہ جلد ا کلکتہ ص ۲۱۹ ۔ غالب و ابوالفضل کے بیانات میں جو فرق ہے اس سے
قطع نظر یہ واضح ہے کہ غالب کرہ و اصطرلاب کو ایک سمجھتے تھے ۶۷ "نبز د اوست ہمہ علم
عمر خطاب" فرخی ص ۱۳ "عمرؓ و عثمان و بوبکر و علی بینم ہمی" قصائد سنائی ص ۸۷ ، ناصر
خسرو ص ۱۱۲ + ، مختاری ۱۷ھ "، ہمہ نام بوبکر و عمر شود"، ش ۴ ص ۲۲ ۶۹ نامیرندہ
دک ص ۱۲۹ میں ہے، مگر قاطع کے انطباع کے بعد غالب نے لکھا ہے: "میرندہ کہو کیوں نہ
بنایا؟ صیغۂ فاعل متروک رہا، صرف صیغۂ مفعول یعنی مردہ پر قناعت کی اور یہ جو
فردوسی کے یہاں .. ہے: "ممیراں کسے را و ہرگز ممیر" مجاز ہے امر بھی اور تعدیہ بھی"! ص۔
کمال یہ ہے کہ قاطع کی اشاعت ۲ تحریر ص کے بعد طبع ہوئی ہے، لیکن اس میں "نامیرندہ"
موجود ہے۔ "مجاز . . بھی" میری سمجھ میں نہ آیا۔ میرانیدن سے میرانیدم بلعمی میں بھی ہے:
"زندہ را میرانیدم" ص ۵۹ ، "ممیر" ناصر خسرو کے یہاں بھی ہے: "کا میرا (امیر عزنی والف)"

ہزار سال ممیر" ص۱۷۰۔ واضح رہے کہ مردن کا مضارع مرد بھی مستعمل تھا: "چو روزی برآید خورند و مُرند" شش خ ۱۲۵ ا، اسدی ص۲۲۔ ۷۰ رشیدی نے چام کے معنی "خم وچم" لکھے ہیں، لیکن سامانی کی عبارت میں چم وخم "پنہاں کنیم الخ"۔ یہ میری تحریری یادداشت میں چم وخم۔ عنایت اللہ شیرازی کا یہ شعر بھی قابل توجہ: "تا کاکل وزلف نیکواں خم بخم است ٭ تا شیوۂ رفتار بتاں چم بچم است" منتخب التواریخ ۷۱ ؎ پیر اسیر کے مطبوعہ دیوان اور بعض خطی نسخوں میں نہیں ملا ۷۲ جامع التمثیل م ۸۹۹ عبداللہ قطب شاہ کے عہد کی تالیف ۷۳ مرغوب القلوب فخری کی مثنوی جو معیار کے ساتھ چھپی ہے، یہ غلطی سے شمس تبریزی کی طرف بھی منسوب کی گئی ہے ۷۴ ص۱۲۱ ۷۵ ص۱۰۴ ۷۶ س لی ۷۷ مغ ۶ ص۱۳۹ ۷۸ آئین اکبری ام زیر سید احمد خاں ص۲۶ ۷۹ رشید یاسمی کی کتاب ابن یمین پر ص۹۹ ۸۰ بہار ۲ ص۸۶ ۸۱ ظہور اسلام عہد خسرو پرویز سے قبل اور ایرانیوں پر عربوں کا حملہ اس کے مقتول ہونے کے بعد ہوا ہے ۸۲ فرآئین نو اہ دساتیری ہے ۸۳ مستحدث کی جو تعریف غالب نے کی ہے صریحاً غلط ہے ۸۴ اس سے قطع نظر کہ دساتیر مجعول ہے، یہ فرہنگ نہیں کہ اس میں کل لغات کے ملنے کی توقع کی جا سکے۔ ہزاروں لغات ایسی ہیں جو زباں زد عام نہیں (اور خود غالب نے بھی ایسے بہت سے الفاظ استعمال کیے ہیں) محض اس بنا پر ان کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۸۵ یہ اشعار لباب ۲ میں بھی ہیں، لیکن میں نے احوال رودکی ۳ کے مطابق نقل کیے ہیں ۸۶ مؤید ص۱۳۷ میں سراج اللغتہ سے آرزو کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بودنہ (طائری) بای عربی کے ساتھ ہے اور جامع میں بھی ورتیج کے تحت بودنہ ہی لکھا ہے، مگر اردو میں بای فارسی سے رائج ہے اور میں اس وقت یہ کہنے سے قاصر ہوں کہ فارسی میں صرف بای عربی سے ہے یا بای فارسی کے ساتھ بھی ۸۷ در بہشت بریں گر گشادہ میخواہی بکن بمردم محتاج در فراز اینجا" صائب مطص۲، لیکن صائب ۳۴۲ ص۳۴۲ میں "بکن" کی جگہ "مکن" ۸۸ در باب عباسیاں، مثنوی بدیعتہ الودیعہ ۸۹ "ما ترک مراد را یدانیم واں باغچۂ ضبطی شد او جداست" کلیات ص۵۸، یعنی وہ باغچہ شد او جو ضبط کیا گیا تھا۔ فارسی میں کچھ عربی مصادر اسم مفعول کی طرح مستعمل ہیں، اور یای

زائد بھی کچھ مصادر کے آخر میں ملتی ہے، مگر "ضبطی" میری نظر سے نہیں گزرا، ہاں، اردو یا ہندی فارسی میں ہے۔ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ خود غالب نے ہندی یا کے مفعولیت استعمال کی ہے ۹۰ میرے علم میں کوئی ہندی فارسی داں ایسا نہیں جس نے گرفت کو مفتوح الرا کہا ہو، اس کے متعلق کے رمکسور ہے ہند میں اختلاف نہ تھا کہ کسی گروہ کو کشف اللغات سے استناد کی ضرورت پڑی ہو اور نہ یہ صاحب کشف کا اجتہاد ہے۔ یہ بات بھی سمجھ میں نہ آئی کہ سعدی کا شعر مؤید کسرہ موجود ہے تو کشف کی سند دینے کی کیا حاجت تھی۔ یہ بھی نہیں کہ اس میں سعدی کے شعر سے استشہاد کیا گیا ہو ۹۱ شاہنامہ میں گرفت شگفت کا قافیہ ۱۵۴ جگہ آیا ہے: جلد اول ۵۰، دوم ۴۴، سوم ۴۸، چہارم ۳۲ (ممکن ہے کہ شمار کرنے میں غلطی ہو گئی ہو اور در اصل دو چار زیادہ یا کم ہوں)۔ گفت وخفت کا قافیہ نو دس جگہ سے زیادہ نہیں، اور گرفت رفت بالفتح اور اس سے قبل دوسرے الفاظ کا قافیہ اس سے بھی کم آیا ہے ۹۲ شاہنامہ میں تہمتن اسفندیار کے لیے بھی آیا ہے ش ۲ ص۱۴۷ ص۱۴۸ ۔ بہمن کے لیے شاہنامہ میں نہیں آیا، کہیں اور ہو تو ہو ۹۳ بند گی کی سند معقول مجھے نہیں ملی ۹۴ "پیلان تہم طعمۂ ماراند از ین مور" قاآنی ص۱۸۱ ۹۵ معیار ص۸۹ بسمل = نیم کشتہ اور اس کے سوا کچھ اور معنی نہیں، لیکن ص۸ میں یہ مصرع: "چوں مرغ نیم بسمل بر گرد نابود" جب خود بسمل نیم کشتہ ہے تو نیم بسمل کیا ہوگا فخری نے اس پر غور نہیں کیا۔ بسمل = خستہ کی سند ممکن ہے مل جائے مگر اس وقت پیش نظر نہیں ۹۶ شاہنامہ میں نہیں، جہاں میں بنام عنصری ۹۷ قرب قیامت کا ذکر ہے فرانسیسی مترجم نے اس شعر اور "بشادی الخ" میں خاور کا ترجمہ مغرب ہی کیا ہے ۹۸ تاریخ گزیدہ۔ شمالی دہستانی ۹۹ قوامی رازی ہفت اقلیم ۱۰۰ این یمین ۱۰۱ غالب نے تیغ میں کرگدن کے پہلے کاف کو عربی جاننا برہان کا "حمق" قرار دیا ہے ۱۰۲ واضح رہے کہ عہد حاضر کے تلفظ سے قطع نظر، اگر الف کے بعد کا حرف آخر کلمہ ہو تو اس کی رعایت قافیے میں نہیں ہوتی، مثلاً نار، و بُن (بالضم) کا قافیہ نہیں ہو سکتا ۱۰۳ مصرع زکی دہلوی شاگرد غالب: "واللہ ابروے بت نے بیر میں گرہ" دیوان

ص۱۴۲ ۱۰۴ کچھ ایسے امور جن کا تعلق اخلاق سے ہے اور فصول میں بھی ہیں ۱۰۵ یہ شعر جہاں میں اسی طرح ہے اور اس کے ساتھ غزل کا تیسرا شعر بھی بہ اختلاف بعض الفاظ مندرج ۱۰۶ خدا جانے یہ بات غالبؔ نے کہاں دیکھی۔ محرق میں "درخانہ الخ" نہیں ۱۰۷ "عرف میں آبدست کس عضو کے غسالے کو کہتے ہیں، ہم تو اتنا پوچھ کر چپ ہو رہتے ہیں" عود ص۱۵۱ کہاں ہندوستان کا روزمرہ اور کہاں فارسی "آبدہ دست" جس طرح برہان میں ہے اور فرہنگوں میں بھی ہے اور برہان مرتد ہے تو ان سب کے مؤلف بھی مرتد ہیں۔ یہ دیکھیے کہ رومی لفظ آبدست کس موقع پر اور کس طرح استعمال کرتے ہیں:"شمس الحق است رازم تبریز شد نیازم او قبلۂ نمازم او نور آب دستم" ص۵۶۰ ۱۰۸ یہ دونوں قتیل کی کتابیں ہیں، قتیل و صاحب غیاث کو ایک جگہ "خران نامشخص" بھی کہا ہے عود ص۱۷۱۔

تتمۂ تصحیح و اضافہ

(۱) ص۴ فروزہ۔ صفت دساتیری ہی (فرہنگ ایران باستان ص۱۵۱) (۲) ص۲۱ مصنف حدائق العشاق محمد رضی تبریزی نے بھی اپنے نام سے پہلے باپ کا نام لکھا ہی (حدائق کانپور ۱۲۷۱ھ ص۵) (۳) ص۳۶ مفتی صاحب کا خط تجلیات میں ہی (۴) ص۴۷ غالب کی تحریروں سے یہ ثابت نہیں کہ صہبائی کی زندگی میں انھیں بُرا کہا ہو (۵) ص۶۳ روز روشن میں شاداب سمرقندی کا شعر ذیل ہی:

درطریق دردمندی پیر باشد پیر گفت　　نے جواں ہر کس کہ باشد میتواں نے پیر گفت

(۶) ص۷۹ کتب لغات میں چخامہ بھی ملتا ہی اور اس سے اس خیال کو تقویت ملتی ہی کہ چکامہ کا کاف فارسی ہی، مگر حال کے ایرانی کتب میں عموماً بکاف عربی (۷) ص۸۱ "زازمودن" لوگ الف پر مد بھی دیتے ہیں (۸) ص۹۳ اسپ اصلاً صحیح آجکل ایران میں کاف عربی سے ہی (۹) ص۱۲۲ غلبکیں کا کاف فارسی ہی یا عربی اس کے متعلق اس وقت کچھ نہیں کہہ سکتا (۱۰) چنگر نگہا چہ کاج آخر کہیں عربی ملتا ہی کہیں فارسی۔ (۱۱) ص۲۱۸ "میران .. ممیر" غالباً نظامی کا مصرع ہی۔ (۱۲) ص۱۱۶ "چغند" مطبوعات جدید ایران میں چغند

ضمیمے

غالب بحیثیت محقق

پہلا ورژن

اور ظلم کے انواع ہیں۔۔ از آں جملہ ایک کتمانِ حق اور اعلانِ باطل بہ اصرار (تیغ صـ۲)

غالب کے کلیات کا خاتمہ جس فخریہ رباعی پر ہوتا ہے، اس کی بیتِ آخر یہ ہے:

"غالب اگر ایں فنِ سخن دیں بودے   آن دیں را ایزدی کتاب ایں بودے" (صـ۵۱۷)

فارسی شاعری کے روایات نظم میں اس قسم کی تعلّی کو روا رکھتے ہیں، اور اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی لیکن جب نثر میں یہ کہا جائے کہ "میں نے فارسی کی تحقیق کو اس پایہ پر پہنچایا ہے کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں" (خطوط: ۱۹۱) یا جب اپنے سوا ہندوستان کے کل فارسی داں بالاعلان غیر مستند قرار دیئے جائیں (قاطع صـ۱۳۱)، تو یہ دیکھنا ضروری ہو جاتا ہے کہ یہ دعوے حقیقت سے کس قدر مطابقت رکھتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ غالب شاعر تھے، اور بہت شاذ و نادر ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص شاعر اور محقق بھی ہو۔ یہاں ان لوگوں سے بحث نہیں، جو "پیشِ مُلّا طبیب و پیشِ طبیب مُلّا و پیشِ ہیچ ہر دو، پیشِ ہر دو ہیچ" کے مصداق ہیں۔ یہ حضرات بہ یک وقت سب کچھ ہو سکتے ہیں۔ دوسری یہ کہ غالب کی باقاعدہ تعلیم زیادہ نہیں ہوئی (خطِ غالب بنام ضیاء الدین شائع کردہ جناب ڈاکٹر عبدالستار صدیقی ہندستانی الٰہ آباد جنوری ۱۹۳۳ء) اور بعد کے ذاتی مطالعے سے جو استاد کی رہنمائی کے بغیر ہوا، ان کی بنیادی کمزوریاں دور نہ ہو سکیں۔ تیسری یہ کہ ان میں اختلاجِ ذہن، ضعفِ حافظہ، خود پرستی، ناتواں بینی، زود رائی، سہل نگاری اور ضد انتہائی درجے کی ہے، اور جن طبائع میں یہ خصوصیات پائی جائیں، انھیں تحقیق سے کچھ سروکار نہیں ہو سکتا۔ چوتھی یہ کہ غالب ان اخلاقی قیود سے بھی آزاد ہیں۔ جن کی پابندی دبستانِ تحقیق کا ابجد خواں بھی اپنے لیے لازمی سمجھتا ہے۔ ہندوستان کے مشہور فارسی داں عبدالرشید، آنند، وارستہ، بہار، قتیل اور صہبائی جولانگاہِ طعن و طنز

کے زہر آلود تیروں کی آماجگاہ رہے ہیں، فارسی دانی میں ان سے بہ مراتب بہتر تھے، یہ دوسری بات ہے کہ ادبی حیثیت سے وہ غالب کے مقابل نہیں۔ افسوس کی جگہ ہے کہ غالب نے یہ محسوس نہیں کیا کہ ان کی شاعری، ان کی انشاپردازی اور ان کی ظرافت انھیں زندگیِ جاوید بخشنے کے لیے کافی ہے، اور ایسے کام میں ہاتھ ڈالا جس کے لیے نہ وہ طبعاً موزوں تھے، اور نہ جس کے لیے انھوں نے کچھ زیادہ تیاری کی تھی۔ غالب اپنی زبان سے اپنے کو محققِ اکمل اور ہمہ دانِ عدیم النظیر کہیں، اور اپنے منزّہ عن الخطا ہونے کا اعلان کریں، ان کے مداح انھیں "شہنشاہ ممالکِ علوم عربی و فارسی" کا لقب دیں، لیکن ان کے معلومات اتنے قلیل، ان کے اغلاط اتنے مختلف الانواع اور کثیر التعداد ہیں کہ بزمِ محققین کی صفِ نعال میں بھی ان کے لیے جگہ نکالنی مشکل ہے۔

فصلِ اوّل

ایرانِ قدیم سے محققانہ واقفیت کا غالب نے کبھی صراحۃً دعوے نہیں کیا، لیکن کنایۃً وہ ضرور اس کے مدعی ہیں۔ زردشتیوں کی مقدس کتابوں کے متعلق جو کچھ انھوں نے لکھا ہے وہ بعض جزئی باتوں کو چھوڑ کر دساتیر سے نقل کر دیا گیا ہے۔ اس کا مقابلہ اصل حقیقت سے کیا جائے تو اس نتیجے پر پہنچنا ناگزیر ہے کہ غالب کو سچی باتیں کہنے کا اتنا شوق نہیں، جتنا نئی باتیں کہنے کا ہے، اور دوسرے فارسی دانایانِ ہند کی مخالفت ان کا پیشہ ہو گیا تھا۔

زردشتیوں کی وہ کتاب جسے ان کی نظر میں وہ مرتبہ حاصل ہے جو مسلمانوں میں قرآن کو ہے، اوستا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کا وہ حصّہ جو گاتھا کے نام سے مشہور ہے، کم از کم ۳ ہزار برس قبل کا لکھا ہوا ہے۔ غالب کے یہاں اوستا کا ذکر برائے نام ہے، اور غالباً وہ اسے اور زند کو ایک سمجھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ہخامنشیوں کے عہد میں جو اوستا تھی وہ ۲۱ کتابوں یا فرگردوں اور ۸۱۵ فصلوں پر منقسم تھی۔ عہد ساسانی کی اوستا بھی ۲۱ کتابوں پر منقسم تھی، لیکن، اس زمانے میں ان کی صرف ۳۴۸ فصلیں باقی رہ گئی تھیں، ان کے کلمات کی تعداد وسٹ کی تخمین کے مطابق ۳۴۵۷۰۰ تھی۔ دین کرد سے جو عہد مامون کی تصنیف ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں عہد ساسانی کی اوستا مکمل تو موجود نہ تھی مگر اس کا بہت بڑا حصّہ باقی تھا۔ دستبردِ زمانہ نے اسے بھی محفوظ رہنے نہ دیا، اور اب جو کچھ رہ گیا ہے وہ عہد ساسانی کے ایک ربع سے زیادہ نہیں۔ موجودہ اوستا کے

کلمات کی تعداد ۳۰۰۰۰ بتائی گئی ہے۔ اوستا کی مختلف دفتروں کو اوستائی زبان میں نسک کہتے ہیں، فصول یا ابواب کے لئے "در" کی اصطلاح استعمال نہیں ہوئی فصول کے لئے فرگرد، یا کردہ، یا "ہا" کی اصطلاحیں ملتی ہیں۔ غالب نے زردشتیوں کی ایک مذہبی کتاب صد در کا خلاصہ دبستانِ مذاہب میں دیکھا ہوگا، یہ کتاب سو فصلوں یا بابوں میں منقسم ہے۔ یہ خیال کہ زند جو ظاہراً ان کی رائے میں اوستا سے مختلف نہیں سو دروں میں منقسم ہے وہیں سے لیا گیا ہے۔ اوستا خصوصاً اس کے قدیم ترین حصے گاتھا کی زبان سنسکرت سے بہت ملتی ہے، اسے دساتیر کی زبان سے کچھ نسبت نہیں۔ دساتیر کی زبان جیسا کہ عام طور پر معلوم ہے مصنوعی ہے، اور فارسی کے قالب میں ڈھالی گئی ہے۔

زند اوستا کی پہلوی تفسیر ہے، اس کے جو اجزا اب تک باقی ہیں ان کی کلمات کی مجموعی تعداد ۱۴۰۱۶۰ بتائی گئی ہے۔ اس کے فصول یا ابواب کے لئے بھی "در" کی اصطلاح مستعمل نہیں ہوئی۔ پازند، زند سے مختلف نہیں، فرق صرف یہ ہے کہ یہ پہلوی خط میں نہیں، اوستائی خط میں لکھی جاتی ہے، اور ہزوارش سے خالی ہے۔ ہزوارش، پہلوی کے ان ارامی لغات کو کہتے ہیں، جو صرف لکھے جاتے ہیں، تلفظ میں ان کے ہم معنی ایرانی لغات آتے ہیں، غالب کا یہ خیال کہ پازند اور دساتیر کے ترجمے اور تفسیر کی زبان ایک ہی ہے بے بنیاد ہے۔ یہ فارسی ہے مگر اس میں مصنوعی الفاظ شامل ہیں، اور عربی الفاظ سے احتراز کیا گیا ہے۔ پازند کا نمونہ جو خردہ اوستا سے لیا گیا ہے، ملاحظہ ہو، اصل دساتیر اور اس کے تفسیر و ترجمہ کا نمونہ سخندانِ فارس میں دیکھا جا سکتا ہے۔

"بنام یزدانِ ہرمزد خدائے اوزونی گرز، خرہ اوزایات سروشِ اشوی
تگب تن فرمانِ خنگفت زین زین اوزار سالار داہان ہرمزد بیاری، برسات"

زردشتیوں کے صحیح عقائد مذہبی کے متعلق غالب کو دساتیر نے دھوکا دیا۔ "پارسیوں کے کیش میں تناسخ بیشتر ہے بہ حسب درجات خیر و شر نکوکار کم آزار اچھی صورت پائیں گے اور بدکاروں کو، بری صورت ملے گی۔ نفوس کاملہ آواگون سے چھوٹ جائیں گے، کواکب بن جائیں گے" (لطیفہ ۱۱)۔ یہ آبادیوں کا عقیدہ ہے جو دساتیر کو کلام الٰہی مانتے ہیں، زردشتیوں کو اس سے مطلقاً سروکار نہیں۔ غالب کہتے ہیں کہ "فشارِ قبر اور پرسشِ نکیرین اور حشر اجساد اور میزان اور نامۂ اعمال اور عبورِ پل" زردشتیوں کے یہاں نہیں۔

(لطفیہ ا دشت) - اس میں صرف اس قدر صحیح ہے کہ فشارِ قبر اور پرسشِ نکیرین اور نامۂ اعمال زردشتیوں کی کتابوں میں نہیں ملتا - باقی کے متعلق پورے داؤد مترجم گاتھا کا قول دیکھیے:-

"خود زرتشت موظف است تا دامنہ رستاخیز پندار و گفتار و کردار مردمان را در گنجینۂ اعمال نگہداری کند - در روز حساب واپسین آنچہ از انسان در طیِّ زندگانی از بدی و خوبی سرزد در مقابل ہم مے سنجند - اگر در ترازوے اعمال کفۂ خوبی سنگین تر شد این فتح راستی و شکست دروغ است ...

پس از آن ہنگام گذشتن از پل چنوات کہ در روئے رودے از فلزِ گداختہ برافراختہ اند فرا رسد نیکوکاران خرّم و خوش از روے آن گذشتہ .... بہ بارگاہ اہورا مزدا درآیند .... آنچہ را کہ در جہان خاکی آرزوے داشتن آن داشتند با آنان بخشیدہ شود - اگر در روزِ مارہ بدی فزونی کند آنگاہ مردِ گنہگار .... از سر پل چنوات اندر رود ثرروت ثقیلِ گداختہ سرنگوں گردد بگوخ دیو و کلبۂ دروغ درآید - اگر بدی و خوبی یکساں باشد ... جاے آناں را سرائے ممتزج ... گویند" مقدمہ صفحہ ۵۷

تعجب ہے کہ غالب لفظ رستخیز یا رستاخیز کے صحیح معنی بھی نہیں جانتے - جیسے انھوں نے کئی جگہ استعمال کیا ہے - پل چنود کا ذکر گاتھا میں کئی جگہ آیا ہے، اور زردشتیوں کے مذہبی ادب میں اس کی تفاصیل موجود ہیں - پل صراط کا تصور مسلمانوں نے زردشتیوں سے لیا ہے - قرآن میں اس کا کہیں بیان نہیں، بعض اصحاب کا یہ خیال البتہ صحیح نہیں کہ صراط چنود یا چنوات کا معرّب ہے -

ایران قدیم کی تاریخ کے متعلق غالب کا دار و مدار شاہنامہ یا اِدھر اُدھر سے سنی ہوئی باتوں پر ہے - البتہ ہے کہ دساتیر کی، دوستی میں انہوں نے ان مطالب کی جو شاہنامہ سے ملتے ہیں بزعمِ خود تصحیح کر لی ہے - کیومرث فردوسی کے بیان کے مطابق دنیا کا پہلا بادشاہ ہے، پہلا انسان نہیں - زردشتیوں کے اعتقاد کے بموجب وہ پہلا انسان ہے، لیکن جب تک وہ زندہ رہا تنہا رہا - اس کی نسل اس کی موت کے بعد چلی - اس کی بادشاہی کا سوال کسی طرح پیدا ہی نہیں ہوتا - غالب دساتیر پر اعتماد کر کے اسے پسرِ یاسان لکھتے ہیں (کپن صفحہ ۱۵) یہ آبادیوں کا عقیدہ ہے، زردشتیوں کو اس سے کچھ تعلق نہیں - غالب نے کیومرث کو کاتب

عربی سے لکھا ہے اور اس کے معنی 'بزرگ شکوہ' بتائے ہیں۔ یہ تو میں اس وقت نہیں کہہ سکتا کہ ان کا ماخذ کیا ہے، لیکن اس کے غلط ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔ یہ اوستا میں گیہ مرتن ہے، گیہ کے معنی جان ہیں اور مرتن کے معنی مُردنی یا دوسرے لفظوں میں انسان۔ سیامک اور ہوشنگ کو غالب نے علی الترتیب کیومرث کا بیٹا اور پوتا لکھا ہے (ک ن صفحہ ۱۵۰)، یہ شاہ نامہ اور دساتیر کے مطابق ہے، لیکن اصلی زردشتی عقیدے کے بموجب سیامک کیومرث کا پوتا اور ہوشنگ سیامک کا پوتا ہے۔ جم کے معنی غالب نے قائد بتائے ہیں۔ یہ نہ معلوم کہاں سے لیا ہے۔ اس کے معنی غالباً 'توام' کے ہیں۔

غالب "عہد ہوشنگ و جمشید و کیخسرو" کی پارسی قدیم کا آشنایانہ انداز میں ذکر کرتے ہیں (خطوط صفحہ ۲۰۸)، لیکن سوال یہ ہے کہ اس زمانے کی فارسی کا انھیں حال کس طرح معلوم ہوا۔ میں ان سے اس کی توقع نہیں کرتا کہ وہ اس سے واقف ہوں گے کہ ان میں سے کم از کم دو ہند و ایران کے مشترک اساطیر سے تعلق رکھتے ہیں، مگر انھیں یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ ہوشنگ و جمشید فردوسی کے بیان کے بموجب بھی زردشت سے ہزاروں سال قبل گزرے ہیں۔ اس زمانے کی تحریر کون سی ہے کہ زبان کا پتا چل سکے؟ اگر یہ کہا جائے کہ غالب دساتیر کی زبان کو اس زمانے کی زبان سمجھتے ہیں تو اوّل تو اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ خود دساتیر کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ آسمانی زبان میں ہے جو روئے زمین پر نہیں بولی جاتی۔ اس سے قطع نظر، اصل دساتیر میں لفظ خورشید جس کی وجہ سے یہ بحث چھڑی ہے مستعمل ہی نہیں ہوا۔ ترجمہ و تفسیر میں آیا ہے تو اس کی زبان اواخر عہد ساسانی کی زبان بتائی گئی ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ زند میں آیا ہوگا مگر اس سے قطع نظر کہ زند ہوشنگ و جمشید درکنار کیخسرو کے بھی بعد کی ہے، غالب خود ہی دعوے کرتے ہیں کہ زند معدوم محض ہے۔ اب خورشید سے متعلق انکے دعوی کو لیجیے اور یہ دیکھیے کہ وہ کہاں تک صحیح ہے۔ فرماتے ہیں: "پارسی قدیم۔۔ میں خر بہ خاے مفتوح نور قاہر کو کہتے ہیں، اور چونکہ پارسیوں کی دید و دانست میں بعد خدا کے آفتاب سے زیادہ کوئی بزرگ نہیں ہے،۔۔۔ آفتاب کو خر لکھا، اور شید کا لفظ بڑھا دیا، شید یہ۔۔۔ یاے معروف۔۔۔ روشنی کو کہتے ہیں" خطوط صفحہ ۲۰۸۔ حقیقت یہ ہے کہ گاتھا میں آفتاب کے لیے صرف ہور آیا ہے 'ہا' ساکن، واو مفتوح اور را مکسور ہے۔ (یہی لفظ ہماری اردو میں سورج ہے۔) اوستا غیر گاتھا میں ہورخشت بھی آیا ہے۔ جو پہلوی میں خورشت ہے۔ یہ فارسی میں خورشید ہو گیا ہے

ہور بہ واو مجہول فارسی میں بھی آفتاب کے معنی میں ہے۔ "ہور" یا "خور" کے وہ معنی نہیں جو غالب نے لکھے ہیں۔ خشت یا شید درخشاں[11] کے معنی میں ہے۔ قدیم ایرانی . . . زبانوں سے مطلقاً واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے غالب نے اور غلطیاں بھی کی ہیں: انھوں نے بڑی دھوم دھام سے برہان پر یہ اعتراض کیا ہے (قاطع صفحہ ۳۶) کہ اس نے اویشرہ کے معنی پاک لکھے (اور معانی بھی دیئے ہیں، مگر یہاں صرف اسی سے بحث ہے) حالانکہ اس کے معنی ناپاک کے ہیں، اصل لفظ ویشرہ = پاک، اویشرہ میں الف نفی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ قدیم ایرانی زبانوں میں الف نفی موجود ہے، لیکن جہاں تک میرا علم ہے، فارسی میں یہ الف نہیں آیا (یہاں نامرداد کی قسم کے الفاظ سے بحث نہیں۔) اجنیان اور اخواستی اہمہ وغیرہ جو دساتیر میں ہیں اور "امیر" جو غالب نے خود پیش کیا ہے کسی قابل اعتماد کتاب میں میری نظر سے نہیں گزرا۔[12] اویشرہ اور ویشرہ میں دراصل وہی نسبت ہے جو اسوار اور سوار، افسوس اور فسوس میں ہے۔ پہلوی فرہنگوں میں اویشرک بہ معنی پاک درج ہے، پہلوی کے کاف کی جگہ فارسی میں ہائے مختفی ہے جس کا کام فی الواقع فتحہ تہ کا اظہار ہے۔ غالب نے خندق کو کندہ کا معرب لکھا ہے (قاطع صفحہ ۱۳۴) یہ بھی صحیح نہیں، پہلوی میں کندک تھا۔ فارسی کندہ میں ک ہائے مختفی سے بدل گیا ہے۔ غالب نے تہم کے معنی فلک نہم بتلائے ہیں یہ بالکل بے بنیاد ہے۔ پشت ہا جلد دوم کے مقدمے میں ہے: "تہم . . . در فرس ہخامنشی دگاتھا و سائر قسمت ہائے اوستا بمعنی دلیر و پہلوان است . . . در پہلوی فارسی تہم شدہ چناں کہ فردوسی گفتہ است: "تہم ہست در پہلوانی زبان بمردی فزوں از نژاد مہاں" صفحہ ۱۳۹۔ دساتیر میں تہم کے متعلق یہ عبارت ہے: — "چہ سراسر جہاں یک کسے است تینے دار داز ہمہ تہا دآں را تہم گویند" صفحہ ۱۴۷۔ دساتیر میں تہم تن فلک نہم کے معنی میں مستعمل ہے (اور یہ بھی صاحب دساتیر کا اختراع ہے) تہم نہیں۔ سب سے تعجب انگیز غلطی جو غالب سے ہوئی ہے اور جس کے لئے کوئی عذر ان کی جانب سے نہیں پیش کیا جا سکتا یہ ہے کہ انھوں نے دبستاں میں یشتن و یشتہ یائے تحتانی سے لکھا ہوا دیکھا اور اس کے بعد بھی یہ دعویٰ کیا کہ پشتن و پشتہ ہے (بہ بائے فارسی منظوم)۔ یشتن اور اس کے مشتقات کا علم زردشتیوں میں اس قدر عام ہے کہ وہ ان شراب فروشوں سے بھی جن کی دہلی میں دکانیں تھیں پوچھ لیتے تو پشتن و پشتہ نہ لکھتے۔ یہ بھی نہیں کہ دبستاں کے کسی نسخے کا وہ حوالہ دیتے ہیں جس میں بائے فارسی سے ہے۔ اس کے برخلاف وہ مقر ہیں کہ "اتفاق کاروان

کارداں کا بتانست بر غلط نوشتن ،، (قاطع صفحہ ۱۴۴) یعنی یہ کہ کوئی ایسا نسخہ جس میں پ سے ہو ان کی نظر سے نہیں گزرا۔ ان کے دعوے کی دلیل صرف یہ ہے کہ پشتن پوزیدن کا مصدرِ مضارعی ہے۔ پشت کے متعلق مقدمۂ پشت ہا جلد ۱ صفحہ ۱۴ میں ہے: — کلمۂ پشت در اوستا یشتی آمدہ و از مادۂ کلمۂ یسنا ست و در معنی ہم باآں یکے است یعنی ستایش و نیایش و پرستش و فدیہ۔ یشتن در پہلوی یعنی ستودن و عبادت کردن و فدیہ آوردن است۔"

فصلِ دوم

دساتیر کو غالب نے اپنا "ایمان و حرزِ جان" کہا ہے، اور یہ کتاب برسوں ان کے پاس رہی بھی ہے، لیکن نہ انھیں اس کے مندرجات سے صحیح واقفیت ہے، اور نہ اس کے خاص الفاظ کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ دساتیر میں بشمولِ پندنامۂ سکندر ۱۶ صحیفے ہیں، اور صحیفۂ زردشت تیرھواں ہے۔ (فہرست مندرجات دساتیر مطبوعۂ مرتبۂ ملا فیروز)۔ غالب کا بیان ہے کہ "۱۴ صحیفے ہیں ... ان میں ساتواں یا آٹھواں ... زردشت پر نازل ہوا ہے۔" (لطائف (لطیفہ ۱) ان کے الفاظ سے جو یہاں نقل نہیں ہوئے یہ بھی مترشح ہے کہ آٹھواں صحیفہ اور زند ایک ہے۔ اگر یہ ٹھیک ہے تو پھر اس دعوے کا کہ زند یکسر ناپید ہے، کیا حشر ہوگا؟ اسی لطیفے میں وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ "ساسانِ پنجم کہ وہ اپنے کو خاتم پیمبرانِ پارس ظاہر کرتا ہے، ان صحیفوں کا زبانِ دری میں مترجم ہوا ہے۔" ساسانِ پنجم ایک خیالی ہستی ہے، لیکن یہ صحیح ہے کہ ترجمہ اس کی طرف منسوب ہے، اور وہ ان پندرہ پیمبرانِ ایران میں سے ہے جن کے نام کے صحیفے دساتیر میں ہیں، مگر اس کے صحیفے میں اس سے وعدہ کیا گیا ہے "در تخمۂ تو پیغمبری ہمیشہ ماند۔" صفحہ ۳۰۳ اور اس نے خاتمیت کا دعویٰ کبھی نہیں کیا۔ زردشت کی معراج کا ذکر دساتیر میں ہے: —

"سہ گونہ سخن بتو دادم ... یکے در خواب ... دویم در میانِ خواب و بیداری ... سیوم در بیداری کہ از تن گسیختی و با فرشتہ از آسمانہا گذشتی۔ صفحہ ۱۷۷۔

غالب دساتیر کی قدامت کے قائل ہیں اس لیے انھیں یہ کہنے کا حق نہیں پہنچتا کہ زردشت کی معراج زردشتیوں کے اصلی عقائد میں نہیں۔ (دشت)

غالب اس کے منکر ہیں کہ تسلطِ عرب سے قبل ایران میں سیمناد بہ معنی سورہ رائج تھا (قاطع
صفحہ ۱۳۳) مگر یہ لفظ دساتیر میں آیا ہے (صفحہ ۱۰۲)، اندام بہ معنی بدن، غالب
کی رائے میں ما اندام ہے یا ابدان (قاطع صفحہ ۴۶)، مگر یہ دساتیر میں ہے (صفحہ ۳)
اور آذر کیوان کی اس مثنوی میں بھی نظم ہوا ہے، جس کی شرح جام کیخسرو ہے - اس کی
نقل راقم کے پاس ہے جو جام کیخسرو (کاما) سے لی گئی ہے - بندہ دساتیر میں باے
فارسی سے ہے - (صفحہ ۹۴)، مگر غالب قاطع میں اسے یائے عربی لکھتے ہیں (صفحہ
۵۰) اروند کے معنی غالب یہ بتاتے ہیں :-

"نہ چیزے اندوے بروں رود و نہ چیزے بدرون آید نہ زیادہ شود، نہ کم
گردد" (تیغ صفحہ ۱۴) —

یہ لفظ دساتیر میں کئی جگہ آیا ہے (صفحات ۲۲۷، ۲۳۵، ۲۴۱ وغیرہ)، لیکن
جس عبارت کا مطلب غلط سمجھ کر غالب نے اروند کو صمد کا ہم معنی کہا ہے وہ غالباً یہ ہے:-

"وآن چناں کہ نہ گراید و نہ پرید و بتو چیزے، و نہ گسلد و نہ جدا شود از تو چیزے می پلید
پایہ یزداں اروند گوہر اوست و زو بیروں وجدا نیست، چناں کہ ہستی از اروند گوہر وے است
تا ہیچ رود در و پیوند و پیوست دگر دو بیکرنہ بند د" صفحہ ۲۳۸ (ترجمۂ انگریزی صفحہ ۵۵)

اروند دساتیر میں عین و خلاصہ و زبدہ کے معنی میں ہے، جیسا کہ ملا فیروز نے
بھی اپنی فرہنگ دساتیر میں لکھا ہے (صفحہ ۴) - دیباس دساتیر میں صرف ایک جگہ
ہے، (صفحہ ۲۲۷)، غالب کا بیان کہ چند جگہ ہے، بالکل غلط ہے (قاطع صفحہ ۳۰)
دساتیر کی مجہولیت جب ملا فیروز، آزاد، حالی، شبلی، سے مخفی رہی، تو اس کے لیے غالب کو زیادہ
الزام نہیں دیا جاسکتا، لیکن یہاں پر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس کا مطالعہ غالب کے لیے کسی
طرح مفید نہیں ہوا - اول تو اس کی وجہ سے ان میں یہ زعم باطل پیدا ہو گیا کہ وہ ایران قدیم سے
اپنے معاصرین کے مقابلے میں کہیں زیادہ واقفیت رکھتے ہیں - اگر یہ نہ ہوتا تو وہ زند پازند
زبان کے بارے میں ڈھیلے سر و پا باتیں نہ کہتے (قاطع صفحہ ۱۳۸ دشت) جن کی انہوں نے عبدالصمد
سے تصدیق کرائی ہے - دوسرے یہ کہ دساتیر کے مطالعے سے ان میں یہ رجحان آگیا کہ ایران
قدیم کے متعلق ہر وہ بیان جو دساتیر میں نہیں آیا ہے، مطابق نہیں، اس سے انکار کیا جائے -
جینوئ کی قدامت کے وہ اسی وجہ سے قائل نہیں - تیسرے یہ کہ بہت سے مصنوعی الفاظ جو

صاحب دساتیر کے اختراع کردہ ہیں، غالب کی زبان پر آگئے یا غالب انھیں تسلط عرب سے قبل کی زبان کے الفاظ سمجھنے لگے مثلاً تراج، فرجود[۱۵۲]، فرسنداج، تیمسار، فرزبود، آرش (معنی ا)، ہدیماس، نولہ، فروزہ، سنجر وغیرہ ۔ چوتھے یہ کہ بعض اصلی الفاظ کے صحیح معانی کے متعلق غالب دھوکا کھا گئے۔ اس کی مثال فصل اول میں آچکی ہے۔

فصل سوم فارسی فرہنگیں کتنی ہی ناقص کیوں نہ ہوں، فارسی کا محقق انھیں نظر انداز نہیں کرسکتا، غالب فرہنگوں کی مندرجات، انکے جامعین کے طریق کار اور ان کے زمانے سے بہت ہی محدود واقفیت رکھتے تھے۔ شرف نامہ جس کا جامع ایک ہندی ہے، قدیم ترین فرہنگ ہے، جس کا کسی حد تک انھوں نے مطالعہ کیا ہے۔ ایک نسخہ جو ان کی نظر سے گزرا تھا، اس کی نسبت اکتوبر ۱۸۶۱ء کے خط میں یہ رائے ظاہر کی ہے:۔

«کسی احمق نے شرف نامہ میں سے کچھ لغات، اکثر غلط، کمتر صحیح، چن کر جمع کیے ہیں۔ نہ دیباچہ ہے کہ اس سے جامع کا حال معلوم ہو نہ خاتمہ ہے کہ عہد و عصر کا حال لکھے» (خطوط صفحہ ۲۳۱)۔

مگر قاطع میں شرف نامہ کی جو عبارتیں ہیں، وہ فی الواقع شرف نامہ میں موجود ہیں۔ (قاطع صفحہ ۴۳ و صفحہ ۱۴۱)۔ کشف اللغات کی قاطع میں مذمت کی ہے، مگر ان کے اس قیاس سے کہ یہ برہان کے بعد کی ہے (قاطع صفحہ ۱۱۰) یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ وہ اس کتاب سے اچھی طرح واقف نہیں۔ یہ جہانگیری کے ماخذوں میں ہے، گو اس نے کتاب کا نام نہیں، صرف مصنف کا نام اپنے دیباچے میں لکھا ہے۔ کشف کے مصنف کا نام اس کے دیباچے میں ہے، اس کے ماخذوں سے بھی جن کے نام دیباچے میں ہیں، اس کے زمانۂ تالیف[۱۵۴] کا کسی حد تک اندازہ ہوسکتا ہے۔ جہانگیری، سروری، شرفنامۂ یلمانی، اور صحاح الادویہ برہان کے وہ ماخذ ہیں جن پر اس کی بنا رکھی گئی ہے۔ برہان کا کوئی نقاد جو اپنی ذمہ داری کا ذرا بھی احساس رکھتا ہے، انھیں نظر انداز نہیں کرسکتا، خصوصاً غالب کے لیے جنھوں نے برہان کو لفظ تراشی کا الزام[۱۵۵] دیا ہے اور متعدد لغات کے متعلق دعوی[۱۵۶] سے کہا ہے کہ یہ کسی فرہنگ میں نہیں مل سکتے، ان کا مطالعہ تو واجبات سے تھا، مگر، جہانگیری کے سوا شاید کسی کی صورت بھی انھوں نے نہ دیکھی ہو۔ جہانگیری ان کے زمانے میں بہت رائج تھی، اور قاطع کے نقاد، سعادت،

رحیم، احمد اور امین ہیں سے کوئی ایسا نہیں جو اس کی طرف رجوع ضروری نہ سمجھا ہو، غالب
کی تحریروں سے اس کے بعض مقامات سے واقفیت کا پتا چلتا ہے (قاطع صفحہ ۷، لطائف
)، لیکن، یہ ثابت نہیں ہوتا کہ برہان کے اہم ترین ماخذوں میں ہونے کی حیثیت سے
غالب نے اس کا کما حقہٗ مطالعہ کیا ہو۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ وہ اپنے تمام معاصرین
کے خلاف جمال الدین انجو جامع جہانگیری کو ہندوستانی بتاتے ہیں۔ اس کی تذلیل
میں بھی وہ کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے (مثلاً تیغ صفحہ ۷، مکاتیب غالب طبع ثانی صفحہ
۶۱) مگر اس کا آغاز اس وقت سے ہوا ہے، جب ان کے مخالفین نے اس کی مدد سے برہان
پر ان کے اعتراضات کا جواب دینا شروع کیا ہے۔ برہان کے متعلق ان کے معلومات کا کیا
عالم ہے، اس کا حال فصل چہارم سے معلوم ہوگا۔ رشیدی برہان کے ایک معاصر نے لکھی ہے
لیکن اس کا زمانہ اختتام برہان کے کچھ بعد ہے۔ یہ بھی غالب کے زمانے میں بہت رائج تھی،
اور ان کے کئی نقادوں کا ماخذ رہی ہے۔ غالب نے غالباً اسے نہیں دیکھا ورنہ وہ اسے
برہان کے ماخذوں میں نہ شمار کرتے۔ جہانگیری کی طرح غالباً اس کی تحقیر کا بھی کوئی موقع
ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ آرزو پر انھوں نے اعتراض کیے ہیں، سراج اللغۃ کا دفتر
اوّل تو غالباً ان کی نظر سے نہیں گزرا، لیکن اس کا دفتر ثانی جو چراغ ہدایت کے نام
سے موسوم ہے، عجب نہیں انھوں نے پڑھا ہو۔ مصطلحات الشعراے وارستہ بھی ہرا
انھوں نے دیکھی ہے، مگر وہ اس کی تحقیق کے قائل نہیں (مکاتیب غالب طبع ۲ صفحہ
۶۱) — بہار کی بہار عجم کسی حد تک ان کی زیر مطالعہ رہی ہے۔ سند کے بہت سے
شعر جو ان کی تحریروں میں ملتے ہیں، بیشتر اسی سے لیے گئے ہیں، مگر بہار پر بھی ان کے
اعتراضات ہیں۔ آرزو، وارستہ اور بہار کو حزیں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر داد دی ہے
(قاطع صفحہ ۱۲۲)، مگر حزیں کے ایک مطلع پر اعتراض کرنے سے خود نہ چوکے۔ (
خطوط صفحہ ۲۴۳)۔ وارستہ کا نام مخالفین حزیں کی فہرست میں
غالب کے سوا کہیں نظر نہیں آیا۔ بہار اگر بعض اعتراضات کی تائید کرتا ہے تو کچھ اعتراضات
کو غلط بھی قرار دیتا ہے۔ ان تینوں پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ یہ ہر اس شخص کو جو کابل
قندھار، کیچ و مکران سے آتا ہے ایرانی سمجھ کر اس سے فارسی کی تحقیق کرتے ہیں، اور
اس گمان میں رہتے ہیں کہ اہلِ زبان سے دریافت کیا ہے۔ یہ لوگ ہندوستانیوں

ہیں سے ان شعرا کے کلام کی سند ضرور پیش کرتے ہیں جنھیں اپنے خیال میں وہ فارسی داں سمجھتے ہیں، لیکن، یہ بالکل غلط ہے کہ ہر اس شخص کو جو کابل و قندہار وغیرہ سے آئے محض اس کے وطن کی وجہ سے مستند قرار دیتے ہیں۔ (قاطع صفحہ ۱۲۲) ان اصحاب کی سب کتابیں میں نے نہیں دیکھیں، لیکن جو ان کی متداول کتابیں ہیں، ان سے غالب کا الزام صحیح ثابت نہیں ہو سکتا۔ معاصرین کی فرہنگوں میں غیاث اللغات کے متعلق ان کا دعوے ہے کہ اول سے آخر تک دیکھی، مگر وہ صاحب غیاث سے بہت خفا ہیں کہ تینوں کی کتابیں ان[22] کے ماخذوں میں ہیں (تفاصیل کے لیے راست صفحہ ۴۴)

قاطع میں انھوں نے شرف نامہ اور جہانگیری کے خود حوالے دیے ہیں اور متعدد لغات کے لئے فرہنگوں کی سند[23] طلب کی ہے۔ اس کتاب میں یوں کہ انھوں نے کل ہندوستانی[24] فرہنگ نگاروں کے غیر مستند ہونے کا دعوے کیا ہے، یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ اس وقت تک وہ شرف نامہ اور جہانگیری کے جامعوں کو ہندی نہیں ایرانی سمجھتے تھے، اور یہ خیال ان کے دماغ میں نہ آیا تھا کہ کل، فرہنگ نگاروں کو ہندی اور بنا برین غیر مستند قرار دیں۔ یہ بات ان کے ذہن میں اس وقت آئی جب انھوں نے یہ دیکھا کہ وہ قصر عالی جو انھوں نے اپنے قیاسات کی مدد سے بنایا تھا، ان کے معترضین جہانگیری، رشیدی وغیرہ کی اعانت سے ڈھا رہے ہیں۔ کمال غالب نے یہ کیا ہے کہ قاطع کی اشاعت ثانی میں شرف و جہانگیری کے حوالے اور وہ عبارتیں جن میں فرہنگوں کی سند مانگی ہے۔ علی حالہ رہنے دی ہیں۔ اگر ہندیوں کے سوا کسی نے فرہنگ نہیں لکھی اور یہ یک سر غیر مستند ہیں، تو سند کس فرہنگ کی دی جائے؟ مزہ یہ ہے کہ عربی کے لیے منتہی الارب تک کی سند کافی سمجھتے ہیں (قاطع صفحہ ۹۹) حالانکہ وہ ایک ہندی نے لکھی ہے۔ انکا دعوے ہے کہ غیر مسلم ایرانیوں میں جاماسپ اور ساسان پنجم سے لے کر آذر کیوان تک کوئی فرہنگ نگار نہیں ہوا، اور مسلم ایرانیوں میں رودکی سے تا آج تک کسی نے فرہنگ لکھنے کی طرف[25] توجہ نہیں کی۔ فارسی کی کل فرہنگیں ہندیوں نے تین چار سو برس کے اندر لکھی ہیں۔ جن فرہنگ نگاروں کے ایرانی ہونے کے متعلق ان کے معترضین نے صراحتہً یا کنایتہً لکھا ہے، ان میں سے وہ صاحب جہانگیری کے ایرانی ہونے کے منکر ہیں، مگر اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کرتے۔ ظاہراً اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتیں "محقق اکمل" کی

شان کے خلاف ہیں۔ قطران اور اسدی کی فرہنگوں کا تتبع (صفحہ ۸) میں ذکر کیا ہے، لیکن آگے چل کر قطران کی فرہنگ بحث سے خارج ہو گئی ہے۔ فرہنگ اسدی کے وجود سے محض قیاسی دلیلوں کی بنا پر انکار کیا ہے۔ اور دلیل بھی ایسی تو دی کہ بہ نسبت اس کے مکڑی کے جالے کو مضبوط کہنا روا ہے۔[۲۵]

"پھر مولانا (یعنی احمد) تتمہ کے صفحہ ۶ میں اسدی، طوسی اور حکیم قطران[۲۶] کو دو فرہنگوں کا مؤلف بتاتے ہیں، اگر اسدی طوسی نے فرہنگ لکھی ہوتی تو محمود غزنوی کے عصر سے آج تک سب فرہنگ نگاروں کا ماخذ وہی ہوتا اور اختلافِ لفظ و معنی کسی لغت میں راہ نہ پاتا۔ لیس فلیس"

جب فرہنگوں کی عمر تین چار سو برس سے زیادہ نہیں، محمود غزنوی کے عہد کے فرہنگ نگار کہاں سے آ گئے؟ غالب اگر کوئی اور زبان نہیں اُردو ہی کی حالت پر غور کر لیتے تو محض اس بنا پر کہ فارسی میں لغات کے معانی اور شکلِ ظاہری کے اختلافات موجود ہیں، فرہنگ اسدی کے وجود سے انکار نہ کرتے۔ نہ صرف یہ کہ اُردو میں دکن، گجرات، دہلی، لکھنؤ کی زبانوں میں فرق ہے، اور میر و سودا کے عہد کی زبان اور غالب کی زبان میں اختلاف ہے۔ خود دہلی کی زبان غالب کے زمانے میں ایک نہیں۔ غالب مجھے پر کے استعمال کو ناجائز قرار دیتے ہیں، ظفر اور معروف استعمال کرتے ہیں، تئیں غالب کے نزدیک پنجاب کی زبان ہے، اور قابل مضحکہ، لیکن، آزاد، حالی، نذیر احمد، سید احمد خاں سب کی زبان پر ہے۔ یہ بھی نہیں کہ اردو کی فرہنگیں اہلِ زبان کی لکھی ہوئی موجود نہ ہوں۔ عربی کا بھی وہی حال ہے جو اُردو کا ہے۔ یہ بات بھی غالب نہ سوچی کہ اسدی کی فرہنگ کا جامع ہونا ضرور نہیں، ممکن ہے کہ اسدی ہمیشہ کے لیے زبان کا [illegible] تسلیم کر لیا گیا ہو، مگر اس کے باوجود اختلافات ان لغات کے بارے میں ہوں جو اسدی کی فرہنگ میں نہیں ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ یہ فرہنگ جہانگیری اور سروری کے ماخذوں میں ہے۔ اس کے قلمی نسخے غالب کے عہد میں موجود تھے، اور ان کی وفات کے چند سال بعد ہورن نے اسے طبع بھی کیا تھا، اور اس کے بعد ایران میں بھی چھپ چکی ہے، مگر مجھے یقین ہے کہ اگر وہ چند سال اور زندہ رہتے اور ہورن کا نسخہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا، جب بھی ان کا انکار باقی رہتا۔ وہ خود اسدی کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ طلب کرتے، اور

ایسا نسخہ بھی انھیں دکھایا جا سکتا جب بھی انکار کا کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈ ہی نکالتے۔ فرہنگ ابو الحفص سغدی، فرہنگ منصور شیرازی، معیار جمالی، فرہنگ سروری کاشی وغیرہ سی جنکے نام دیباچۂ جہانگیری میں ہیں، (سعادت ستہ نے اس کے ماخذوں کی مکمل فہرست دی ہے اور موئد صفحہ ۶ میں ایک نامکمل فہرست ہے)، غالب نے مطلق بحث نہیں کی، مگر اس دعوے پر آخر دم تک قائم رہے کہ ہندیوں کے سوا فارسی فرہنگیں کسی نے نہیں لکھیں۔

فرہنگ نگاروں کے طریق کار سے ناواقفیت ہونے کی وجہ سے انہوں نے برہان پران باتوں کے لیے بھی اعتراض کیا ہے جو دوسری فرہنگوں میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک لغت کی مختلف شکلوں کو الگ الگ دینا، یا خاص خاص شاعروں کے مستعملہ استعارات و کنایات جو عام زبان میں داخل نہیں ہوئے، فرہنگ میں درج کرنا۔ غالب اس طرح معترض ہوتے ہیں کہ یہ جرم (اور پہلی بات اصولاً صحیح بھی ہے) برہان سے پہلے کسی سے سرزد ہی نہیں ہوا۔

فصل چہارم قاطع کا آغاز ۱۸۵۸ء میں اور اس کا انطباع ۱۸۶۲ء میں ہوا۔ خود غالب نے لکھا ہے کہ اس میں بار بار کاٹ چھانٹ ہوئی ہے۔ غالب کو اس کی صحت کا اس قدر اہتمام تھا کہ غلط نامہ شائع کردہ مطبع پر قناعت نہ کر کے بذات خود ایک غلط نامہ تیار کر کے لوگوں کو بھیجا تھا۔ اس کی اشاعت ثانی بھی غالب کی زندگی میں ہوئی اور اس سلسلے میں غالب کے قلم سے ۱۸۶۵ء تک کتابیں نکلتی رہیں۔ غالب سے یہ امید تو ضرور ہونی چاہیے کہ انھوں نے کسی ایسی بات کے لیے برہان کو مورد اعتراض نہ ٹھہرایا ہوگا جو خود انھوں نے نہیں لکھی، اور اگر احیاناً کوئی ایسا اعتراض ہو گیا ہوگا تو اسے واپس لے لیا ہوگا، لیکن، انہوں نے ایسے اعتراض کیے ہیں اور باوجود اس کے کہ مخالفین نے ان کی توجہ اس طرف منعطف کرائی، غالب نے اظہار افسوس درکنار، ایک اعتراض بھی واپس نہیں لیا۔

برہان سنہ ۱۰۶۲ھ میں اختتام کو پہنچی۔ مصنف یا کسی اور شخص نے بعد کو حواشی یا جا بجا اضافے بھی کیے جو ملحقات برہان قاطع کہے جاتے ہیں۔ اس کے چھاپنے کا خیال پہلی بار روبک کے دماغ میں آیا جس نے دو ایرانیوں اور کئی ہندوستانیوں سے اس کی تصحیح میں مدد لی، اور اسے ۱۸۱۸ء میں شائع کیا۔ انگریزی دیباچہ اس نے خود اور فارسی

کریم حسین بلگرامی سے لکھوایا تھا، حواشی اس نے تارنی چرن متر کی اعانت سے تحریر کیے تھے، اور اس کا اس نے خود اعتراف کیا ہے۔ ملحقات کو اس نے حواشی سے ہٹا کر کتاب کے آخر میں جگہ دی ہے، لیکن اس نے خود بھی ملحقات میں بہت سے لغات کا اضافہ کر دیا ہے، یہ اضافے رموز کے ذریعے ملحقات سے ممیز ہیں۔ برہان دوسری بار سنہ ۱۸۳۲ء میں اور تیسری بار سنہ ۱۸۳۴ء میں طبع ہوئی۔ طبع ثالث کے ناشر حکیم عبدالمجید تھے، اور انہوں نے اسے لارڈ ہیڈنگ کے نام معنون کیا تھا۔ سر ورق پر طبع ثالث اور روبک کے نسخے کی نقل ہونا صراحتہً لائح ہے۔ حواشی اور ملحقات مع اضافۂ روبک اس میں بجنسہ موجود ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ انگریزی اور فارسی دیباچے شامل نہیں کیے گئے اس کی تصحیح میں انہوں نے ۶ آدمیوں سے مدد لی تھی، جن کے نام انہوں نے یہ دیے ہیں:۔

"مولوی بدیع الدین، مولوی عبداللہ، مولوی مجیب الرحمن، حکیم عبداللہ، عبدالصمد، عبدالماجد"

غالب نے اور مطبوعہ نسخے دیکھے تھے یا نہیں، اس کا پتا نہیں، لیکن، انہوں نے صراحتہً لکھا ہے کہ برہان پر اعتراض کے وقت یہی نسخہ پیش نظر تھا۔ حالی کا یہ بیان کہ قاطع کی تصنیف کے وقت صرف قلمی نسخہ غالب کے پاس تھا، غالب کی تصریح کے خلاف ہے، بلکہ انکی کسی تحریر سے اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ کسی زمانے میں کوئی قلمی نسخہ انکی نظر سے گزرا تھا۔

(۱) غالب معترض ہیں کہ ملحقات میں بہت سے الفاظِ مشہورہ، داخل ہیں جن میں یہ الفاظ بھی ہیں:—

"باورچی، یمن، یونانی، چادر، حلوا، داروغہ، رائے پتھیا، تانور، صندل، طوطی، عجیب، غلام، قان، قاب، یکیاب، لشکر، اتم، ترم، داہی"

اس سے قطع نظر کہ یہ اعتراض اصولاً غلط ہے، یہ الفاظ ملحقات میں ہیں، روبک کے بڑھائے ہوئے ہیں، اور ان کے ساتھ رموز موجود ہیں۔ صاحب برہان کو ان کے لیے مورد اعتراض نہیں قرار دیا جا سکتا۔ (میں اس بحث میں اس وقت پڑنا نہیں چاہتا کہ ملحقات کس کے قلم سے ہیں) ایک بالکل بے بنیاد الزام یہ ہے کہ ہوسے زائد مرکبات جن کا جزو اول ہفت ہے، برہان اور ملحقات دونوں میں ہیں۔ (تفاصیل کے لئے ملاحظہ صفحہ

(۲) زمزم کو زم زم لکھنے پر اعتراض ہے (قاطع صفحہ ۱۲)، مگر برہان میں زمزم ہی ہے۔

(۳) اعتراض ہے کہ آذرم کی بحث میں یہ جملہ بات لکھی ہے کہ "اپ را گویند کہ سمند زین آن دونیم باشد" (قاطع صفحہ ۱۵)، برہان میں اسپے نہیں، زین اسپے ہے۔

(۴) یہ اعتراض ہے کہ آرفنداک، برائے قرشت، آزفنداک، آذفنداک اور آفنداک مستقل فصلوں میں اور آورنگ اور اس کی ۳ دوسری ترکیبیں، تین مستقل فصلوں میں درج کی ہیں، اور اس طرح ایک ورق ضائع کیا ہے صفحہ ۱۹)۔ حقیقت یہ ہے کہ آرفنداک برائے قرشت نہ حکیم عبدالمجید والے نسخے میں ہے نہ کسی اور مطبوعہ یا قلمی نسخے میں ہے جو میری نظر سے گزرا ہے۔ رہی یہ بات کہ ہر لغت کے لیے ایک مستقل فصل، یہ بالکل بے بنیاد ہے۔ برہان باب کو گفتار اور فصل کو بیان کہتا ہے۔ یہ کل لغات جن کا اوپر ذکر آیا ہے ایک ہی فصل میں ہیں، اور انھوں نے صرف ۱۲ سطریں لی ہیں۔ برہان شائع کردۂ عبدالمجید میں بالعموم ایک ورق میں ۱۴۴ سطریں ہیں۔

(۵) "ماہوچی چشمۂ خضر" پر اعتراض ہے کہ یہ کیا بلا ہے (قاطع صفحہ) حالانکہ برہان میں ماہی و چشمۂ خضر ہے۔ غالب کا یہ قیاس بھی غلط ہے کہ ماہی چشمۂ خضر ہونا چاہیے، اس لیے کہ اس صورت میں تتابع ہوگا، معنی "زبان دردہان جنبیدن" ٹھیک نہ ہوں گے۔ اگر برہانِ مطبوعہ میں ماہوچی چشمۂ خضر ہوتا بھی تو اسے غلط کاتب پر محمول کرنا تھا۔ یہ کون سی زبردستی ہے کہ خود غالب کی کتابوں کو کاتبوں نے ستیاناس کر دیا، اساتذہ کے دواوین کو غارت کر دیا، لیکن کاتبوں کا تصرف نہ ہوا تو برہان میں۔

(۶) غالب برہان کی عبارت کے ضروری اجزا نقل نہیں کرتے، اور ایک ٹکڑے کو لے کر اس پر معترض ہوتے ہیں:—

"صاحب برہان قاطع در شرح لفظ خانہ گیر مے فرماید کہ آن قمار دزیاد ستارہ خانہ گیر طویل ہزاران منسوب باشد" کیست تا معنی فقرہا خاطر نشان من کند۔ ہمانا این کلام سمندش ہزار دست خواہد بود" (قاطع)

برہان کی عبارت یہ ہے:—

"خانہ گیر۔۔۔ گیرندۂ خانہ را گویند و بازی چہارم است از جملہ ہفت

مازی سرو کہ آن فارہ زیاد ستارہ خانہ گیر طویل ہزاران منضوبہ باشد۔"

برہان کی عبارت میں کچھ قباحت نہیں۔

(۷) سلک لآلی کی بحث میں غالب نے لکھا ہے کہ برہان لفظ لولو بمعنی مروارید سے واقف نہیں (قاطع صفحہ ۱۸)۔

حالانکہ اس کے بیان اول کی دسویں سطر ہی میں "آب" کے تحت یہ الفاظ ہیں:۔ "وکنایہ از لولوئے و جواہر" یا تو غالب نے برہان کو محض جابجا سے پڑھا ہے، یا بالارادہ برہان کی تحقیر کی غرض سے یہ لکھا کہ وہ لفظ 'لولو' بہ معنی مروارید سے واقف نہیں۔

(۸) حواشی برہان مطبوعہ کے متعلق غالب عمر بھر اس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ یہ حکیم عبدالمجید اور ان کے شائع کردہ نسخے کے مصححین کے لکھے ہوئے ہیں حالانکہ اس کے سرورق پر یہ مرقوم ہے کہ یہ نسخہ "روبک کے طرز پہ ہے۔

(۹) یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ برہان خود اپنے باپ کو تبریزی لکھتا ہے اور غالب خود بھی معترف ہیں کہ اس کا باپ یا دادا تبریز سے ہند آیا ہوگا (قاطع صفحہ ۵۵) مگر اس پر بھی اُسے "بوہرہ" کہتے ہیں۔ ایرانی الاصل آدمی بوہرہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟

فصل پنجم[۲۹]

غالب کی فرہنگوں سے ناواقفیت کا ذکر فصل چہارم میں آچکا ہے۔ اس کے بعد، فارسی کی تحقیق کا ایک ہی ذریعہ غالب کے پاس رہ گیا ہے اور وہ ایرانیوں کی نظم و نثر کا غائر مطالعہ ہے۔ (عبدالصمد کی تعلیم خارج از بحث ہے)، اس فصل سے یہ پتا چلے گا کہ فارسی ادب پر غالب کی نظر کیسی ہے، شعرا سے وہ کس قسم کی واقفیت رکھتے ہیں، فارسی سے دوسری زبانوں کے تعلقات کی نسبت ان کی معلومات کا کیا عالم ہے، مختلف عہدوں، مختلف طبقات اور مختلف علاقوں کی فارسی سے وہ کس حد تک باخبر ہیں، قواعد زبان سے متعلق ان کا علم کیسا ہے اور اشتقاق میں اُن کا ذہن کس طرح کام کرتا ہے۔ یہ بحث بہت طویل ہے، لیکن جگہ اور وقت کی قلت کی وجہ سے محض چند باتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے:۔

(۱) رودکی کا تخلص غالب کی کتابوں میں عموماً گ سے ہے، اس کا نام ابوالحسن لکھا ہے، اور اس کا زمانہ ماۂ ثالثہ بتایا ہے (قاطع صفحہ ۶ و لطیفہ ۱۱)، لیکن اس کی کنیت ابو عبداللہ، نام جعفر اور سال وفات ۳۲۹ھ ہے۔ رودکی کا کاف

عربی ہے فارسی نہیں (کتاب الانساب سمعانی گب ۲۶۲۔ رودکی کے لیے سمعانی کا حوالہ سب سے پہلے غالباً قزوینی نے دیا ہے)۔ غالب دقیقی کو محمودی شاعر لکھتے ہیں (لطیفہ ۱۱)، لیکن وہ سامانیوں سے تعلق رکھتا ہے۔ شاہنامہ انھوں نے پڑھا ہے۔ لیکن اس کے متعلق ان کے بیانات بیشتر غلط ہیں۔ قاطع اشاعت اوّل میں یہ شعر:۔

دکنوں نوشود در جہاں داوری کہ موسٰی بیاید بہ پیغمبری،

(بحث شرح شبانِ ماہودار)، کیخسرو کی زبان سے ہے، فردوسی نے منوچہر کی زبان سے کہا ہے، (شاہنامہ نول طبع ۳ جلد ا صفحہ ۱۱۲) غالب نوشیرواں کو جسے فردوسی نے صحیح طور پر خسرو پرویز کا دادا لکھا ہے، اس کے بعد سمجھتے ہیں (قاطع ا بحث شعر خاقانی)، غالب "گرفت" کے متعلق لکھتے ہیں کہ فردوسی اسے ہزار جا با شگفت، قافیہ کردہ است، حقیقت یہ ہے کہ شگفت کا قافیہ گرفت ۲۵ جگہ آیا ہے، بدیں تفریح کہ جلد اول ۵، دوم ۲۴، سوم ۴، چہارم ۳۲۔ (یہ ممکن ہے کہ شمار میں دو چار زیادہ یا کم ہو گئے ہوں)۔ اس بیان میں کہ گفت گفت وخفت کا قافیہ سو جگہ آیا ہے، بہت مبالغہ ہے، سارے شاہنامہ میں دس جگہ سے زیادہ نہ ہوگا۔ اس سے بڑھ کر ارزانش کے بارے میں ان کا یہ دعوٰی ہے کہ شاہنامہ میں ہزار جگہ آیا ہے (تیغ صفحہ ۱۳)، جو نسخہ میرے پیش نظر ہے اس میں ایک جگہ بھی نہیں آیا۔ یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں کہ فردوسی نے لفظ پیوند کو استعمال کیا ہے۔ (لطیفہ ۱۱)۔ حدیقۂ سنائی کے حوالے سے ۲ شعر نقل کئے ہیں (خطوط صفحہ ۶۰) یہ شعر درحقیقت اوحدی کی جامِ جم میں ہیں۔ پہلا شعر یہ ہے:۔

پسرے با پدر بہ زاری گفت کہ مرا یار شو بہ ہمرہِ جفت

خاقانی کے ایک نہایت مشہور قصیدے کے دو ابیات کے دو مصرعوں کو ملا کر ایک بیت بنا دی ہے:۔ "پرویز و ترنج زر کسریٰ و ترہ زرّین وزّین ترہ کو برخواں رو کم ترکوا برخواں" پہلا مصرع غلط بھی ہے:۔ اصل اشعار یہ ہیں:۔

کسریٰ و ترنج زر پرویز و ترہ زرّیں برباد شدہ یکسر از یاد شدہ یکساں۔
پرویز کنوں گم شد، زاں گمشدہ کمتر گو زرّیں ترہ کو برخواں رو کم ترکوا برخواں

انوری کے دو شعر بہت غلط لکھے ہیں (خطوط صفحہ ۱۰۷) ان کی تصحیح تبصرۂ خطوط غالب شائع کردہ معاصر میں کی گئی ہے۔ نظامی کو سعدی و رومی کا ہمعصر

بتایا ہے (لطیفہ)، لیکن یہ دو یہ ماقبل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا ایک شعر جامی کے نام اور خسرو کا شعر جامی کے نام لکھ دیا ہے:۔

"اے کس ما بے کسی ما ببیں — قافلہ شد واپسی ما ببیں"

"بہ قصر دو لتم مانی وار ز نگ — طراز سحر مے بستند بر سنگ"

دوسرا شعر نظامی کی خسرو شیریں میں مجھے نہیں ملا، مگر یہ بیان کہ یہ خسرو کا ہے مخالفین غالب کی کتابوں میں ہے۔ میں نے اب تک خود اس کی تحقیق نہیں کی۔ مناقب العارفین کے غلط حوالے سے کراکا کو جو رومی کی بہو اور ان کے ایک دوست کی بیٹی تھیں، شاہزادی اور رومی کی زوجہ لکھ دیا ہے۔ ایک مقطع جس کی ردیف "گلہ دارد" ہے مغربی کی طرف منسوب کر دیا ہے، حالانکہ خود پہلے یہ لکھ چکے ہیں کہ اس زمین میں اس کی کوئی غزل نہیں، اور یہ صحیح بھی ہے۔ حافظ کا مشہور شعر:۔

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ — کہ عنقا را بلند است آشیانہ

جامی کے نام لکھا ہے اور آپ نے خلاف واقعہ مصرع بنا کر قافیے میں غلطی کرنے کے ثبوت میں پیش کیا ہے (لطیفہ) سحابی کی ایک مشہور رباعی کو جس کا ایک مصرعہ یہ ہے:۔ "چی باید دید و م نہ چی باید زد" ، سرمد کی تصنیف بتایا ہے۔ شفائی کی نسبت ان کا بیان ہے کہ اس کے اور عرفی کے زمانے میں اتنا ہی بُعد ہے جتنا ان کے اور برہان کے زمانے میں ہے۔ یہ دونوں ہمعصر تھے۔ عرفی ۹۹۹ھ میں جوان مرا ہے بقول صاحب میخانہ عمر ۴۰ سال کی بھی نہ تھی۔ شفائی کی عمر بقول تقی اوحدی ۱۰۲۳ھ میں تخمیناً ۵۰ سال تھی، اس کا سال وفات ۱۰۳۹ھ ہے۔ طالب آملی کا شعر:۔

"لب از گفتن چناں بستم کہ گوئید — دہن بر چہرہ زخمے بود بہ گشت"

م کے متعدد قلمی دواوین میں اسی طرح ہے، غالب نے ردیف بدل کر "شد" کر دیا ہے۔ "گلہ دارد" کی ردیف کے دو مشہور شعر قدسی کی طرف منسوب کیے ہیں، ہم میں اس کے دیوان کے متعدد نسخے ہیں کسی میں اس ردیف کی غزل نہیں۔ ان شعروں کے متعلق میں نے معاصر میں جو کچھ لکھا تھا اس وقت صرف اتنا اضافہ کروں گا کہ نتائج الافکار مصنفہ قدرت اللہ میں انھیں نور جہاں بیگم کے نام درج کیا ہے۔ حزیں کے دو مختلف شعروں کے ایک ایک مصرع کو لے کر ایک ایسا شعر بنا دیا ہے جو

جنہیں کے کلیات میں نہیں، میں اس بارے میں معاصر میں لکھ چکا ہوں - یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قاطع میں سند کے اشعار کی تعداد بہت کم ہے -

(۲) پہلوی، پہلوی قدیم، دری وغیرہ کے صحیح مفاہیم کا غالب کو علم نہیں اور ان ناموں کو بڑی بے احتیاطی سے استعمال کرتے ہیں - یہ بات کہ فارسی کی کئی قسمیں بتائی گئی ہیں، انھیں معلوم ہے، لیکن اس سے جو نتائج نکل سکتے ہیں، اس پر انھوں نے غور نہیں کیا، ورنہ برہان میں ایک لغت کی متعدد شکلیں دیکھ کر حیرانی کا اظہار نہ کرتے - ایران کی مقامی بولیوں اور بول چال کی زبان سے انھیں شاید ہی کچھ واقفیت ہو، ورنہ دالو چاپیدن کے وجود کے منکر نہ ہوتے اور ایک رباعی کو جس میں گزرہ، ادزبرہ، درہ، اور سرہ، کا قافیہ آیا ہے، تصرف شاعرانہ کی مثال میں پیش نہ کرتے - عہد حاضر کے ایک شاعر کا مصرعہ ہے: — لولو مے آو مے خورہ، بول چال میں مضارع کی دال کو ہائے مختفی سے بدل دیا ہے - اس کی مثالیں مجمع الفصحا یا آتش کدۂ آذر میں بھی ہیں -

(۳) یہ حالی کا وہم ہے کہ عبدالصمد نے غالب کو فارسی اور سنسکرت کا متحد الاصل ہونا بتا دیا تھا - بیچارے غالب نے کہیں اس کا دعوے نہیں کیا، بلکہ وہ تو اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ میں زبان علمی ہند سے مطلق واقف نہیں - اردو چھوڑ کر ہندوستان کی دوسری زبانوں سے ان کی ناواقفیت کا یہ عالم ہے کہ ف کو ہندوستانی حرف سمجھتے ہیں، ورنہ فرتاب اور فرشاد کو ہندوستانی لفظ نہ بتاتے - رہی یہ بات کہ توافق لسانین کی کچھ صحیح اور کچھ غلط مثالیں انھوں نے پیش کی ہیں، تو یہ ان سے بہت پہلے آرزو کر چکے ہیں، اور قاطع کی اشاعت سے بیشتر صہبائی نے گلستان سخن میں لکھا تھا کہ سنسکرت اور فارسی کے توافق کی مثالیں بہت ملتی ہیں، اور اس کے ساتھ مثالیں بھی دی تھیں - آرزو ہوں یا صہبائی و غالب توافق کا علم انھیں تھا - اس کی وجہ انھیں معلوم نہ تھی - آرزو نے تو عربی اور فارسی اور عربی اور ہندی کے توافق کا بھی ذکر کیا ہے - اس سے پتا چلتا ہے کہ توافق سے ان کی کیا مراد ہے - اس سلسلے میں، خسر کو جو فارسی لغت ہے، سسر کا مفرس سمجھنا بھی قابل توجہ ہے (خطوط صفحہ ۳۵۶)

(۴) غالب فارسی لغات کو عربی اور عربی لغات کو فارسی سمجھتے ہیں - تسخر کو عربی

لکھا ہے، حالانکہ ایرانیوں نے اسے لفظ "مسخرہ" سے بنایا ہے، جس کا مادّہ عربی ہے، صحاح جوہری، لسان العرب، قاموس کسی میں بھی تمسخر نہیں، عربی مصادر پر جو خاص کتابیں زوزنی، بیہقی اور بستی نے لکھی ہیں ان میں بھی اس کا نشان نہیں۔ اس کے استعمال کی قدیم ترین مثال جواہر الاسرار آذری (متوفی ۸۶۶ھ) میں ملتی ہے۔ سرداب کو عربی الاصل کہنا بھی غلط ہے۔ "تذرو" معرّب نہیں، فارسی ہے اس کا معرّب تدرج فرہنگوں میں لکھا ہے اس میں ذال عربی نہیں۔ افسوس بھی فارسی ہے عربی نہیں، (اس پر اعتراض ہوا تو غالب نے رائے بدل دی) فازہ عربی ہے، غالب کا یہ خیال کہ یہ ترانے فارسی ہے اور فارسی لغت ہے غلط ہے۔ بسمل کی نسبت اوّلاً انھوں نے بڑے زور شور سے یہ رائے ظاہر کی کہ تسلط عرب سے قبل کا ایرانی لفظ ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کے مستحدث ہونے کا بھی اقرار کیا، اس کا پتا چلانا مشکل ہے کہ واقعی ان کی رائے کیا تھی۔ بسملہ عربی کا مصدر ہے، "بسمل" اسدی کے گرشاسپ نامہ میں مستعمل ہوا ہے اور اس کی فرہنگ میں بھی ہے۔ منوچہری نے بھی استعمال کیا ہے، اخوذن بہ معنی آفرینش (مستعملہ رودکی بقول اسدی) کے متعلق انھیں یقین ہے کہ فارسی نہیں، لیکن قطعی طور پر اس کے عربی ہونے کے بارے میں انھوں نے کچھ نہیں لکھا یہ بے شبہ فارسی ہے، وامعیتاہ اور وردا میں جو الف ہے وہ غالب کے نزدیک ایک ہے (خطوط صفحہ ۱۰۱)۔ یہ فاحش غلطی ہے۔

(۵) ہندوستانی لغات کو فارسی کہا ہے اور فارسی کو ہندوستانی ہندوستانی فارسی کو ایرانی فارسی اور ایرانی فارسی کو ہندوستانی سمجھے ہیں :۔ والان (مستعملۂ صاحب رموز حمزہ وغیرہ) کو ہندی اور مندل کو (کچھا وچ کے معنی میں) جو ہندی ہے فارسی کہا ہے۔ روشنائی کو بہ معنی مداد (آثار غالب) استعمال کیا ہے۔ بے پیر کو ہندوستانی فارسی اور لہٰذا ناقابل استعمال قرار دیا ہے۔ انھوں نے اس امر پر بھی تعجب کیا ہے کہ یہ جلال اسیر کے یہاں آیا ہے، لیکن اس کے مطبوعہ دیوان میں نہ جناب ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کو ملا اور نہ مجھے ملا۔ میں نے ایک قلمی نسخے میں بھی تلاش کیا۔ لیکن اس میں بھی نہ تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نہ نکالا جا سکے گا کہ ایرانی نہیں۔ اس سے قطع نظر کہ قیاس اس کا مؤیّد ہے یہ لفظ خاقانی، طالب آملی،

صائب (دو شعر)، اور اشرف وغیرہ کے یہاں ملتا ہے۔ "جہاں خاقانیا، شخصے است
زیر دو دستایں شخص رار امروز فردا"، صفحہ ۷۹۵۔ غالب نے فرستادن کا مضارع
فرلید استعمال کیا ہے، اعتراض ہوا تو ایرانیوں کی سند دینے کے بدلے یہ کہنے پر اکتفا
کیا کہ اگر قافیے کے طور پر آئے تو مضائقہ نہیں۔ اصل یہ ہے کہ فرلید ہندوستانیوں
کے یہاں ملتا ہے، کسی ایرانی کی نظم و نثر میں میری نظر سے نہیں گزرا۔ غالب
کندیدن کو کندن کا مصدرِ مضارعی بتاتے ہیں، لیکن قاعدے کے مطابق
مصدرِ مضارعی کنیدن ہونا چاہیے۔ غالب سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ یہ بھی
ایرانیوں کے یہاں اب تک نہیں نظر آیا، ہندوستان میں بہت زمانے سے رائج ہے؛
چنانچہ مویدالفضلا، مدارالافاضل وغیرہ میں ملتا ہے۔ (یہاں اس سے بحث نہیں
کہ مصدرِ مضارعی واقعی کوئی چیز ہے یا نہیں) غالب انتقام کشیدن کو صحیح اور
انتقام گرفتن کو ہندی محاورے کا ترجمہ سمجھتے ہیں (عود صفحہ ۵۸) انتقام کی فارسی
زوزنی، بیہقی وغیرہ کی کتابوں میں جو صرف عربی مصادر سے بحث کرتی ہیں، کینہ ذکر ہے
صراح اور کنز سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ یہ لفظ گرفتن اور کشیدن دونوں کے
ساتھ مستعمل ہے۔ بلجی کہتا ہے:۔

"کین پدر ما طلب کردی۔۔ و با دشمنانِ ما کینہ گرفتی" (صفحہ ۱۹۴)

طوس کیخسرو کے حکم کے خلاف اس راہ سے گیا ہے، جہاں اس کے علاتی بھائی
فرود کا مسکن ہے، دونوں میں لڑائی ہوتی ہے اور موخر الذکر قتل ہوتا ہے۔ فردوسی
رستم کی زبان سے سفارش کرتا ہے:۔ "واز و شاہ را کیں نباید گرفت"، شاہنامہ
جلد ۱ صفحہ ۳۳۳۔ کینہ اور کیں ایک ہے اس لئے اگر انتقام گرفتن استعمال میں
آیا تو کچھ قباحت نہ ہوئی۔ اب خود اس کی سندیں ملاحظہ ہوں:۔ "قہر تو روز و شب
ز عدو انتقام گیرد"، کلیات قاآنی صفحہ ۵۰، "کے تواں از خود گرفتن انتقام ما"،
علوی کاشانی و ۹۵، "زہم چشماں گرفتم انتقام سینہ صافی ہا"، ۲/۲ جلال اسیر
"پر انتقام جہاز فلک نمے تواں گرفت"، صفحہ ۱۷۹۔ عہد حاضر کے ایک ناول "ہما"
میں ہے:۔ "انتقام را زیں آدم خواہد گرفت"، صفحہ ۱۳۰۔ سرشار کے متعلق
غالب کا بیان ہے کہ "در لسانِ فارسی میں صفت ہے پیالے کی۔ معنی لفظی اسکلبرز

نشاریب کو لبریز کیوں کر کہیں گے؟ .. فارسی میں تتبع اردو کا جائزہ" (عود صفحہ ۱۹۹)
جلال اسیر دمحبت، احسان، استغنا، چشم، تغافل، اشک، خجالت، جلوہ، دل،
حیرانی کی صفت لایا ہے۔ اس کے یہ مصرع بھی قابل توجہ ہیں:—
برنگے نویش را دریکانہ سرشار میدانم ہنوز از بے دماغی خویش را سرشار میدانم
صفحہ ۷۷ - فیاض کا مصرع ہے:— سرشار ملامتم چہ سازم؟ یحییٰ
کاشی: چو ریح گل سرشار، کہتا ہے - و ۲۴۲ - حزیں کا مصرع ہے:— آن قدرے
بہ قدح ریز کہ سرشار شویم صفحہ ۷۹ ق - ہما میں ہے:— حسن علی حال آن جام
نشاط سرشار بود تشخیص - لغات کے اشتقاق کی لغت بھی غالب نے جو کچھ لکھا ہے
وہ ایسا ہے کہ اگر کسی دوسرے کے قلم سے نکلتا تو غالب اسے نہ معلوم کتنا سخت
وسست کہتے - برشر اشان بہ معنی امت ایک لغت برہان میں لکھا، قاطع میں
اس کے وجود سے انکار کیا، جب سند دیکھی، تو غلطی کا اقرار کیے بغیر یہ کہنے لگے کہ
یہ برسال ہے - س ش سے بدل گیا، اور س سے پہلے تین حروف بڑھ گئے۔
لولو برہان میں صورت عیب معنی میں ہی اسے اصطلاح مشترکہ ہند و ایران لکھ
کر اس کی اصل عربی لؤلؤ بہ معنی مروارید بتاتے ہیں - دونوں میں کچھ سروکار نہیں
لولو ایران میں اب بھی مستعمل ہے، اسی مقالے میں ایک معاصر شاعر کا مصرعہ نقل ہوا
ہے جس میں یہ لفظ آیا ہے - قاآنی کے یہاں بھی ہے، "نقش نہ گشت بود سراس زلولو"
اصل حقیقت آونیت صاحب کے مضمون سے جو [illegible] ۱۹۲۶
[illegible] hamedam child killing demoniac
سے چھپا ہے معلوم کی جائے - ترہات کو جو عربی لفظ ترہ کی عربی جمع ہے فارسی
ترہ اور آت بہ معنی مانند سے مرکب بتایا ہے (صفحہ ۵۲) اس اعتراض کا کہ آت مانند
کے معنی میں نہیں آیا، کبھی جواب نہیں دیا، اور نہ یہ مانا کہ ترہات عربی ہے -
(۷) فصل نہم کے اس حصے میں فارسی سے متعلق غالب کے اغلاط بیان کیے
جائیں گے، اس کا اعتراف ہے کہ ان میں سے بعض اس فصل کے اور حصوں میں یا
دوسری فصلوں میں بھی جگہ پاسکتے تھے - غالب اس کے قائل نہیں کہ قرار گاہ
اضداد سے ہے - قرار کردن بستن در تو ہو سکتا ہے، گشادن در نہیں ہو سکتا

متوخرالذکر کی دہ سندیں جو ان کے مخالفین نے پیش کی ہیں، اُن سے قطع نظر کرکے نئی سندیں درج کی جاتی ہیں۔ ممکن ہے دو ایک کے معنی کی نسبت اختلاف کیا جائے گو باقی کو بے چون و چرا تسلیم کرنا پڑے گا۔ واضح رہے کہ غالب کو اس سے اتفاق ہے کہ کل فرہنگ نگار فراز کو لغات اضداد میں شمار کرتے ہیں۔ اس اجماع کو انھوں نے خلافتِ یزید پر اہلِ شام کے اجماع سے مناسبت دی ہے:—

"ہمہ جمالِ تو بینم چو چشم باز کنم ہمہ شرابِ تو نوشم چو لب فراز کنم"

(رومی صفحہ) "دوش ہنگام فراز در رحمت بجہاں آمد از عالمِ بالا ملکے سوے زمیں"، انوری ۹۷، "بعالم تا در فیض تو باز ست: کفِ امیدِ ارباب فراز ست"، حزیں صفحہ ۲۸۲۔ "زہرہ بست ہوشیدہ چشم چوں دولتِ بروی تو در توفیق را فراز کنید" یہ شعر ۴۰۸ میں صائب کے نام لکھا ہے، مگر مطبوعہ کلیات اور بعض قلمی نسخوں میں جو نظر سے گزرے نہیں ملتا۔

گنجِ شائگان

میں جو ایک ایرانی تذکرہ نگار کی تصنیف ہے، غالب کے ایرانی ہم عصروں کے یہ اشعار ہیں:— سروش:— "رمضان رفت ای ابتسمۂ خوباں طراز جام در دہ کہ در مے کدہ کردند فراز" صفحہ ۲۳۷، شہاب: "...... بروے خلق کردہ در خرمی فراز"، صفحہ ۳۱۶، نامی:— "مقیم کعبہ گرم در بروے بست چہ غم کہ پیر میکدہ ام در بروے کردہ فراز" صفحہ ۱۴۴۔ اس کتاب کے حاشیۂ صفحہ ۸۶ پر فراز کا لغات اضداد سے ہونا لکھا ہے۔ یغما کا شعر ہے:— "ہستیِ خویش و دیگراں پاک فکند پر گراں تا بر رخت فراز شد چشم خدائے بیں من"، کلیات صفحہ ۱۷۶۔ نثر میں لکھتا ہے:— "کلبۂ... درویشاں... باز... و چشم جہانداری فراز" صفحہ ۵۳۔ قاآنی کے کلیات میں ہے صفحہ ۳۰۹:—

"دو چشم باز و دو گوش تمام فراز ماندہ براہ کہ کے بشارتِ فتح آید از معسکر شاہ"

بہار کا شعر ہے:— "ہمہ چشمہا بسوے تو باز: ہمہ گوشہا سوئے تو فراز"، (مجمع الفصحا جلد ۲ صفحہ ۱۰۰) برہان میں لشکوفہ = شکوفہ ایک لغت ہے۔ غالب نے ایک شعر فردوسی کا دیا ہے جس میں یہ آیا ہے، لیکن ان کا دعوےٰ ہے کہ یہ اشکوفہ ہے، کاتبوں نے غلطی سے لشکوفہ کر دیا ہے، لیکن متداول مطبوعہ نسخوں سے قطع نظر نویں صدی ہجری کے ایک قلمی نسخے میں بھی جو ایران کا لکھا ہوا ہے، اسی طرح ہے۔ اور فردوسی کے یہاں

دو جگہ آیا ہے غالب نے جو شعر نہیں دیا یہ ہے :—

بہ ہنگام بشکوفہ و گلستاں　　بیاورد لشکر ز نابلستاں

جلد ا صفحہ ۱۳۰ — حقیقت یہ ہے کہ یہ ب زائد نہیں، اصلی ہے۔ پہلوی میں وہ تھا فارسی میں ب سے بدل گیا جیسے بافتن، بچّہ، بیار، بد وغیرہ کے واو فارسی میں ب ہو گئی ہیں۔ استر = خچّر کے الف اور سین کو غالب مضموم لکھتے ہیں، مگر اس عقیدہ کا جو جمہور کے خلاف ہے، ان کے پاس ثبوت موجود نہیں۔ تمام فرہنگوں میں دونوں حرف مفتوح درج ہیں، شعرا کے کلام سے فتحۂ تا کے ثبوت میں بہ کثرت اشعار پیش کیے جا سکتے ہیں، ازاں جملہ خاقانی کا یہ شعر ہے جو تحفۃ العراقین میں ہے :—

با قفل زمانہ تو فرج استر　　با جہرۂ لعل گردنِ خر،

آج تک ایک شعر جس سے ضمۂ را ثابت ہوتا ہو، میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس کی فتحے کی سند طیان مرغزی کا یہ شعر ہے جو رشیدی نے دیا ہے :—

آن خسیس حرامزادہ چو است　　ہم چو خر خرخری کند پیوست

اسے استر کے فتحے کا بھی ثبوت سمجھنا چاہیے۔ غالب ستر مخفف استر کو بہ ضمّتین کہتے ہیں یہ بہ فتحتین ہے۔ پورہائے جامی کا مصرع ہے : — زبوں ہم چو اشتر حرون چو ستر، قافیہ برزد (مؤیّد صفحہ ۱۳۱) غالب کی رائے میں ستو بہ تو فرہنگوں میں بہ فتحہ سین و واؤ مجہول ہے، ستر کا مزید علیہ ہے۔ یہ بھی جمہور کے خلاف ہے اور لطف یہ ہے کہ غالب نے اسی خود ایک جگہ اسی کتاب (قاطع) میں جس میں اُسے ستر کا مزید علیہ کہا ہے، مذہب جمہور کے موافق استعمال کیا ہے : — "ایران یک سالہ و دو سالہ . . آورد — قربان روا . . گفت من اصطرلاب تو اشتم و تو ستور آوردی"

صفحہ ۱۴۶ — تعجب ہے کہ غالب نے یہ مشہور شعر بھی نہیں سُنا : — "ز سم ستوران در آں پہن دشت زمیں شش شد و آسمان گشت ہشت"۔ غالب کا یہ خیال تو نہیں کہ میدان رزم میں خچّروں کے سوا کسی چارپائے کی رسائی نہ تھی؟ ستور اوستا میں ستور ہے اور چارپایان بزرگ مثل شتر و اسپ و گاو و خر کے لیے مستعمل۔ فردوسی کہتا ہے : — "ہمی بچہ را باز داند ستور چہ ماہی بدریا چہ در دشت گور"، جلد صفحہ ۲۰۰۔ ظاہر ہے کہ یہاں خچّر کی مادہ مراد نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اسے بچہ نہیں ہوتا۔ برزد

میں رستم کے بارے میں ہے: — "یکے پہلواں بر ستورے نوند" (ملحقات شاہنامہ جلد ۴ صفحہ ۲۸۴) - رستم "خچر" پر نہیں چڑھتا تھا، ہر شخص جانتا ہے کہ اس کے گھوڑے کا نام رخش تھا اسی میں یہ مصرع بھی ہے: — چہ تازی بریں دشت ہرزہ ستور، یہاں رخش کی طرف اشارہ ہے، یہ نام اوپر آچکا ہے - صفحہ ۲۸۲ - اویشرہ کی بحث آچکی ہے، لیکن، فارسی سے سند نہیں دی گئی ہے، زرتشت بہرام پژدو کہتا ہے: — ہماوند اورمزد امش ودیدار - اویشرہ پاک ... دام دیبدار، جیسد دو نثر میں ہے: — درود ایزد تعالیٰ بردان اویشرہ زراتشت سفتمان، صفحہ ۲ - قران بروزن قفان کے استعمال پر اعتراض ہے گویہ مانتے ہیں کہ شعرائے ایران کو عربی الفاظ میں تصرف کا حق ہے منوچہری کہتا ہے: — درگشتن ایں قصیدہ ہمہ اہل قران است، اس کے یہاں اور بھی اس طرح آیا ہے اور ناصر خسرو کے کلیات میں بھی ہے - ملحقات میں آیا ہے گلوگیر، ہے، غالب کہتے ہیں کہ یہ کبھی نہیں سنا، بتانا تھا کہ خاقانی کے یہاں ایسے گلوگیر آیا ہے: — ازیں حریف گلو بر حذر گریہ حذر زیں آیابے گلو بر آبا نمودہ آبا، کلیات جلد ا صفحہ ۲۰۳ - سرتراش، موتراش کے معنی میں غالب کی رائے میں "غرابت تام رکھتا ہے" "ملّا" کے یہاں ایک دو جگہ سے زیادہ نہیں دیکھا گیا" حجّام سے زیادہ چلاّد کے لیے موزوں ہے - مگر حقیقت یہ ہے کہ حجّام کے معنی میں کثیر الاستعمال ہے جیسا کہ ذیل مثالوں سے معلوم ہوگا - بلعمی پیمبر صاحب اور اصحاب کے لیے استعمال کرتا ہے، اگر اس میں قباحت کا شائبہ بھی ہوتا تو احتراز کرتا —

حضرت رسالت پناہ .. یاران خود را فرمود کہ ... سرہا را تراشید، ہیچ کدام اجابت نکردند - اوّل آں حضرت برخاست و سر مبارک بتراشید (صفحہ ۷۱۴) - نظامی سکندر نامہ بحری میں کہتا ہے: — بجز سرتراشی کہ بودے غلام، صفحہ ۱۲ - شفیعا ئے اثر کی مثنوی مذمت حجام میں دو جگہ آیا ہے: — کہ سرباز لیست ایں جا سرتراشی، ہر آں کس سرتراشی کرد خواہش، و $\frac{۵۹}{۴}$ - تاریخ طبرستان مطبوعہ ۱۸۵۰ء — (سال اختتام کتاب ۱۸۸۸ھ) میں ہے "بدست مبارک خود سر او را بتراشید ... و کلاہ درویشانہ بہ سر او نہاد" صفحہ ۳۴۱ - ایضاً برادران او لا دادہم سرتراشیدند ... و دستار بر سر بستند" صفحہ ۱۱۰ - راحت الصدور (گب)

میں ہے: ”سر بتراشند۔ او موے در کیسہ نہاد“ صفحہ ۲۱۷۔ محسن تاثیر کا یہ مصرعہ
چراغ ہدایت میں ہے: ”شمشیر بانداز دکس تیغ سرتراشی“۔ حافظ کا نہایت مشہور شعر
ہے: ”ہزار نکتۂ باریک تر ز مو ایں جاست۔ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند“ سودی
اور شفائی کا شعر یا مصرعہ مؤید برہان میں دیکھا جائے۔ صفحہ ۲۷۔ رموز حمزہ
میں ہے: ”سرت را تراشیدہ در ہفت آب کشید“۔ تراشیدہ کی سند مانگی ہے، قیاس
کو تسلیم نہیں کرتے۔ کلیم کی یہ بیت مؤید میں موجود ہے: ”ساحل دریا سے
جودت از دو فور تشنگاں پامال آرزو: چوں آبگینہ نشکر است“، آزفنداک کی تین شکلیں
برہان میں ہیں، لیکن سب کے آخر میں ک ہے۔ غالب برہان پر طعن کرتے ہیں
کہ وہ صحیح شکل نہ بتا سکا۔ کہنے کے قابل بات یہ تھی کہ اس کے ادبی استعمال کی واحد
مثال گرشاسپ نامہ میں ہے، اور اس میں ک کی جگہ ق ہے، اور فرہنگ سدی میں
بھی اس طرح آیا ہے۔ ممکن ہے کسی دوسری زبان کا لفظ ہو۔ میں ابھی تک اس
کی مکمل تحقیق نہیں کر سکا۔ دوسیدن = چسپیدن غالب کے نزدیک برہان کا بنایا
ہوا مصدر ہے۔ سند مانگی ہے: ”عربی مصادر کے متعلق ایک ایرانی کتاب
میں الصاق کے معنی دوسانیدن لکھے ہیں۔ (اس سے دوسیدن کا وجود
ثابت ہے۔ غالب نے صراحتہً دوسانیدن پر اعتراض نہیں کیا، اگر جب اصل موجود
نہیں تو فرع کہاں سے آئی؟) جام جم اوحدی میں دوسیدن کے مشتقات دو
جگہ آئے ہیں۔ برہان نے نعمت کدہ کے معنی بہشت لکھے ہیں۔ غالب معترض ہیں۔
خاقانی تحفۃ العراقین میں کہتا ہے: ”چوں راہ عراق در کشیدم نعمت کدۂ بہشت
دیدم“، غالب اس شعر سے واقف ہوتے تو یقیناً معلوم ہوتا کہ برہان نے بہشت
کو نعمت کدہ کیوں کہا۔ یہ تو فرہنگ نگاروں کی تقلید ہے جو شعرا کے خاص
خاص استعاروں اور کنایوں کو بھی فرہنگ میں داخل کرتے ہیں اور کبھی کبھی شعرا
کا مدعا سمجھنے میں بھی غلطی کرتے ہیں۔ اصولاً غالب کا اعتراض صحیح ہے، مگر ان
کی غرض تحقیق ہوتی تو وہ فرہنگ نگاروں کے مطمح نظر کو سمجھنے کی کوشش کرتے
کنبار پر اعتراض کیا ہے کہ یہ دراصل کنب فارسی سے ہے۔ یہ صحیح ہے، لیکن کنبار
بہ کاف عربی کنبار کا معرب ہے۔ بیرونی کی الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ میں

اسی طرح ہے۔ غالب پوچھتے ہیں کہ "ذب بہ معنی نگاہ داشتن" کس کی بولی ہے؟ جواب یہ ہے
کہ ان لوگوں کی بولی ہے جن کی زبان پر دبستاں ہے۔ جہانگیری میں رودکی کے کلام
سے اس کی سند بھی درج ہے "دانش گمنہ جہاں میں" بہ معنی دانشمند ہے۔ غالب کا
اعتراض ہے کہ "اطلاق ایں صفت جز بر خداوند روا نباشد چہ ایں لفظ .. مراد از
دانش آفریں است"۔ اس سے قطع نظر کہ دانش گر بمعنی دانشمند کی سند میں رودکی
اور جہانگیری نے ضیاء سرخسی کا شعر پیش کیا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا آہن اور
زر کے خالق شمار ہوتے ہیں جنھیں آہن گر اور زرگر کہا جاتا ہے؟ اور غالب کے
اس شعر میں ساقی گری کی شرم رکھو آج ورنہ ہم ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مے جس قدر
ملے، ساقی گری کے کیا معنی ہیں؟ غالب کے قول کے مطابق تو ساقی آفریں ہونے
چاہئیں۔ یہ کام خود ساقی کا تو نہیں ہو سکتا۔ برہان کے کسی نسخے میں غالب نے
اودر بہ سکون ثالث دیکھا ہے اور اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ہرگز التقائے
ساکنین روا داشت"۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ غالب کی رائے میں فارسی میں اجتماع
ساکنین نہیں ہوتا۔ دو ساکن کیا، فارسی میں تین تک یکے بعد دیگرے آسکتے
ہیں، اس کی مثالیں بے شمار ہیں، گوشت، پوست، راست وغیرہ۔ غالب اعتراض
کرتے وقت فکر سے مطلق کام نہیں لیتے۔ القندن اور القندہ کو برہان کا ایجاد
بتایا ہے، القندہ اسدی کی فرہنگ میں آیا ہے اور گرشاسپ نامہ میں یہ مصرعہ
ہے کہ "کہ نیز ایچ القندی از جاہ اوست"، رودکی کا مصرعہ احوال و اشعار
رودکی جلد ۲ میں ہے "دوا بدایں خم گوش را القندہ پیش" صفحہ ۸۹ ۔ کلیات
ناصر خسرو میں بھی آیا ہے۔ سبل کے معنی "جانور خستہ و گلو بریدہ" لکھتے ہیں۔ خستہ کی سند
میری نظر سے نہیں گزری۔ فرہنگ اسدی میں اس کی جگہ "کشتہ" درج ہے
اور اسے عربی کہا ہے۔ بخیر اور بحیل کے وجود سے منکر ہیں یہ صحاح الادویہ (بخار)
میں موجود ہیں۔ "چین چین" کو سید واو یا از تنگ دلوں کی زبان کہا ہے۔ (قاطع
صفحہ ۱۴) مگر یہ سروری میں آیا ہے، اور قاآنی کے کلیات میں تین جگہ ہے۔
"خم خم، چین چین گرہ گرہ سر زلفش" اور موزہ حمزہ میں بھی چین چین موجود ہے۔ خم خم
کو بھی قاطع کی اشاعت اول میں غلط کہا تھا، مگر وہ عبارت جس میں یہ مطلب تھا

درفش میں حذف کردی گئی ہے۔ ابدام جیسا کہ آگے لکھ چکا ہوں، آذر کیوان کی مثنوی
میں ہے: — "چو ابدا جہا برگذشتم رواں رسیدم سوئے پاک فرخ رواں"، غالب افسوس
کو یہ معنی استہزا التسلیم نہیں کہتے۔ نظنری کی دستور اللغت میں ہے "ببستنہ نیز الافسوس
داشت" ۲۲۴۱، بیہقی کی کتاب میں "استخار افسوس داشتن" ۱۸۵، اور کنز اللغات
میں بھی یہی ہے "و آن قوم برو سے خندیدو افسوس کردند"، بیہقی صفحہ ۱۴۴۰۔ غالب کے
مذہب کے خلاف فسوس دریغ کے معنی میں بھی آتا ہے۔ رضا قلی خاں ہدایت صاحب
مجمع الفصحا معاصر غالب کا شعر ہے "تراں روسے دزلیخا کہ بد شد سرخی شنگرف
تراں موسے فسوسا کہ بدش سبزی زنگار" جلد ۲ صفحہ ۱۰۶۔ جانک (جام + ک)
پر اعتراض کیا ہے کہ کسی نے نہیں لکھا، حالانکہ ظہیر اکے کلیات میں ہے، "جانکے
دروست دیناد دلعل: ۲ ۔ نہ کبھی ہوتا جب بھی اس کی صحبت میں کلام نہ تھا۔
یہاں ایک مختصر فہرست ایسے الفاظ کی دی جاتی ہے جن کے آخر میں کاف آیا ہے بغیر
اس کے کہ معنی میں کچھ اضافہ کرے: — بانگک، دانگک (زرودکی)، ہر رو نہ
مراتر یک کشتی تو بازرتمک اے شوخک بے ترک آخر چہ و بالست ایں (سنائی
صفحہ ۹۹) گرگک، سگک، گربہ، چشمک، کافرک، روباہ بچک، خرگوشک
(کلیات خاقانی)، ساعتک، لولیک، مرغک، دخترک، نازکک، کبکک،
معشوقک، عندلیبک، یاسمینک، شاخک، پایک، رخسارک، لب نک،
قمریک، صاصلک، طوطیک، آہوک، بلی ولک (دیوار + منوچہری مرتبہ کازمرسکی)
خالک، خلخالک، زرتک، مالک، گنبتک، داک، زالک، سالک، فالک،
(دیوان رومی) مفلسک، ودلک، شاعرک، قاآنیک، خادمک، پیشترک،
(کلیات قاآنی)، غالب نے آمال ہا مستعملۂ صائب کو غلط قرار دیا ہے۔ عربی
جمع کی جمع فارسی قاعدے سے بنانا بہت عام ہے، اور اس پر اعتراض قلت تتبع
کی دلیل ہے۔ ایسے الفاظ کی ایک مختصر فہرست درج ذیل ہے: — مناقب
(دیوان عنصری)، بلعمی مسائل ۷، الوان ۱۷، عجائب ۳، اخبار ۴۰، صحف
کتب ۲۰۵، حوادث ۱۰۴، جمال الدین اصفہانی۔ اطراف، اقطار۔ خجستہ
کاشانی اشکال، اطفال (مجمع جلد ۲ صفحہ ۱۲۱) - منوچہری الفاظ، ابیات،

منازل، الحان۔ رومی افقال، آمال، اعمال، اقبال۔ قاآنی کے یہاں صورہا بھی آیا ہے۔ "آب زیر کاہ"، کے معنی بربان میں خوبی و نیکی مخفی و رواج و رونق خس پوش بھی دیے ہیں، غالب اسے نہیں مانتے، خاقانی کہتا ہے: سہ ہر ناسازی درسازو دل بر ناخوشی خوش کن کہ آب زیر کاہست و کمالت زیر نقصانی، غالب کرگدن کے کاف اوّل کو بے سند کاف فارسی بتاتے ہیں۔ کرگدن گرشاسپ نامہ میں آیا ہے اور اس کے ایرانی مرتّب نے کاف عربی سے لکھا ہے۔ کرگ کے کاف اول کو تولڈیکے نے بھی عربی کہا ہے۔ یہ شاہنامۂ فردوسی میں آیا ہے۔ تجک تبرزین کے معنی میں بربان میں ہے۔ غالب اس کے وجود کے قائل نہیں، پوچھتے ہیں، کہ ماخذ این بے خبر کدام فرہنگ است؟ سوزنی کا مصرعہ ہے:۔ ترکی ثمن کیشتن من بر کش تجک، لباب الالباب عوفی جلد ۲ صفحہ ۱۹۵۔ ریدک کو ریدے طفل کی تصغیر بتاتے ہیں، قاطع صفحہ ۱۴۳۔ لمریدَ = طفل سند کے بغیر قابلِ قبول نہیں۔ ریدک پہلوی میں کثیر الاستعمال ہے، مگر اس میں دال کی جگہ ت ہے۔ برسان کو بمعنی امت مستقل لغت مانتے ہے، مگر ان کی رائے میں بے مضاف الیہ نہیں کہا، حقیقت یہ ہے کہ برسان کسی طرح مستقل لغت قرار نہیں دیا جا سکتا، اور نہ یہ امت کے لیے مخصوص ہے۔ کہہ سکتے ہیں کہ "شیفتہ شعر فارسی برسانِ غالب مے گوید" اور مضاف الیہ ہو بھی تو بعض صورتوں میں قابلِ استعمال نہیں، مثلاً یہ کہہ سکتے ہیں "بو خُتا برسانِ عیسیٰ بود"، یہ نہیں کہہ سکتے کہ "دیناً برسان او را کشتند"، فرہنگ نگار اس شعر سے یا اسی قبیل کے کسی اور شعر سے دھوکا کھا گئے ہیں:۔ گر کسے گوید کہ در گیتی کسے برسانِ اوست، گر ہمہ پیغمبرے باشد بود یافہ درا ے، منوچہری۔

فصل ششم

:۔ غالب اور فنون ادبیہ: ۔ غالب عروض سے بہت ہی محدود واقفیت رکھتے ہیں۔ حالی نے جو ان کی عروض دانی کا دعوے کیا ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں کہ انھوں نے کسی مشکل زمین میں قصیدہ کہا ہے۔ ہاں، چند غزلیں مجتث مثمن مخبون، رمل مثمن مخبون اور منسرح مثمن مطوی منحور یا مجدوع میں ہیں۔ یہ فارسی میں کثیر الاستعمال ہیں اور ان میں شعر کہنا کچھ زیادہ دشوار نہیں۔ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ انھوں نے رمل مثمن مخبون،

(یعنی فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلاتن) کو ہزج مثمن سالم لکھا ہے (مکاتیب صفحہ ۱۵) اور اسے ایک نئی بحر بتایا ہے۔ یہ بالکل نئی بحر نہیں اور معیار الاشعار میں موجود ہے۔ رومی کے دیوان میں بکثرت غزلیں اس زمین میں ملیں گی، مثلاً تو مرا جان جانی چہ کنم جان و جہاں را الخ صفحہ ۷۴، چو سحر گاہ ز گلشن بت عیّار برآید الخ صفحہ ۲۴۳۔ صرف ردیف دال میں ۷ غزلیں ہیں۔ جیسا کہ طباطبائی نے اپنی شرح میں دکھایا ہے غالب کا ایک مصرع ناموزوں بھی ہے، اور ایک موزوں مصرعہ کو انھوں نے ناموزوں بھی کہا ہے (تفاصیل آثار)۔ فن قافیہ سے متعلق ان کے معلومات بہت ناقص ہیں، اس فن کی مستند کتابیں شاید ہی ان کی نظر سے گزری ہوں۔ یہ بات کہ روی قافیہ کے آخری حرف اصلی یا اس کے قائم مقام کو کہتے ہیں۔ انھیں عمر بھر معلوم نہ ہوئی۔ عیوب قافیہ کے بارے میں جو کچھ انھوں نے لکھا ہے بیشتر غلط ہے۔ ردی اور اقوا کے متعلق ان کے اقوال سے آثار میں بحث ہوگی، یہاں ایطا کے بارے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان کا یہ قول کہ "الف فاعل ... الف نون جمع کا ... الف نون حالیہ ... مطلع میں آپڑے تو ایطائے جلی ہے، اگر غزل یا قصیدے میں بہ طریق تکرار قافیہ آپڑے تو ایطائے خفی ہے" (عود صفحہ ۲۷)، کچھ اصلیت نہیں رکھتا، اور وہ خود بھی تفتہ کے نام کے ایک خط میں اس کے خلاف لکھ چکے ہیں، (خطوط صفحہ ۹۰) ایطا تکرار قافیہ کو کہتے ہیں وہ قافیہ جو مطلع کے مصرعہ اول میں آتا ہے اس کی تکرار اس کے مصرعہ ثانی میں نہیں ہو سکتی لیکن ایک بار اس نظم میں کہیں اور آسکتا ہے۔ جلی و خفی کے فرق کی بنا اس پر نہیں کہ قافیہ مطلع میں آیا ہے یا کہیں اور۔ اس کا انحصار اس پر ہے کہ قوافی کا ایک ہونا بہت زیادہ نمایاں تو نہیں۔ جوانان اور پیران میں ایطائے جلی ہے۔ لیکن، رنجور اور مزدور میں ایطائے خفی، حالانکہ اصولاً دونوں میں فرق نہیں ہو سکتا۔ فن قافیہ کی کتابوں میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ طویل نظموں میں کتنے فاصلے پر تکرار قوافی جائز ہے۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بعض اصناف سخن میں شاعر کو نسبتہً زیادہ آزادی ہے۔ (ملاحظہ ہو معیار الاشعار طوسی

والمعجم فی معاییر اشعار العجم)۔ غالب نے تفتہ کو لکھا ہے کہ "غلامانہ و مستانہ و مردانہ و ترکانہ و دلیرانہ و شکرانہ سب ناجائز و نامستحسن، ایطا اور ایطا بھی قبیح" خطوط صفحہ ۹۸۔ یہ بات ایسی ہے جو شمس قیس سے سخت گیر نے بھی نہیں لکھی، چنانچہ المعجم (صفحہ ۲۰۹) میں ہے:- "و چوں نون جمع بہائے بیان حرکت موصول شود روا باشد کہ آں را روی سازند چنانکہ انوری ۔۔۔۔ ۔ دریں قطعہ گفتہ است کہ تا روز روشن نیوشی و نوشی سماع مغنی شراب مغانہ چو اندر آلغ و ادہمی تا نشستہ فرو رنجبی حرزہ صوفیانہ کہ احوال عالم نوائے ندارد ولا چندازیں حالتِ ابلہانہ کلیات انوری لول میں (صفحہ ۲۲۴ و صفحہ ۲۲۵) بیت اوّل کے بعد دو بیتیں اور ہیں جو المعجم میں نہیں ان کے بعد بیت دوم و سوم۔ غالب نے رضی الدین نیشاپوری کی ایک غیر مقفّٰع بیت کو مطلع کہا ہے (خطوط صفحہ ۴۲) مجھے یہ پتا نہیں کہ یہ کسی نظم کی ابتدائی بیت ہے یا نہیں، لیکن ہو بھی تو اردو میں ابیات غیر مصرّع کو مطلع کوئی نہیں کہتا۔ غالب نے اپنے شعر ذیل کو حسن مطلع بھی کہا ہے، مگر نہ یہ مطلع ہے اور نہ مطلع کے بعد کا شعر:- یہ فتنہ آدمی کی بربادی کو کیا کم ہے + ہوا تو دوست جس کا دشمن اس کا آسماں کیوں ہو (خطوط صفحہ ۳۰۸) حسن مطلع کو اہل اردو کچھ ہی کیوں نہ سمجھتے ہیں، اس کی تعریف رشید و طواط نے یوں کی ہے:- "ایں صنعت چناں باشد کہ شاعر جہد کند تا اوّل بیت از قصیدہ مطبوع و مصنوع و لفظ لطیف و معنی غریب و بدیع آورد و از کلماتے کہ بفال نیک نباشد احتراز کند۔۔۔" حدائق السحر صفحہ ۳۰۔ غالب نے مطلع کے بعد کی بیت کو بھی حسن مطلع کہا ہے (عود صفحہ ۱۳)۔

فصل ہشتم منطق و فلسفہ، تصوف و نجوم سے غالب کی واقفیت واجبی ہی واجبی ہے، طب عملی کچھ جانتے ہوں گے، مگر نظری حیثیت سے ان کا علم بہت محدود ہوگا۔ ان کے معلومات عامہ بھی بہت کم ہیں۔ قاطع میں (بحث فرید صفحہ ۹۲) کے قباد کی نسبت لکھتے ہیں کہ اس نے "سلطنت جدّ خود از پدر خود گرفتہ بود" حالانکہ اُسے سلطنت اپنے دادا سے ملی تھی۔ کمال یہ ہے کہ جب صاحب محرق نے غالب کے قول کا اعادہ کیا تو لطائف میں اس پر اس طرح اعتراض کیا کہ گویا ہمیشہ سے غالب اس کے خلاف کہتے رہے ہیں:- "اور یہ جو منشی جی لکھتے ہیں کہ آں بادشاہ سلطنت

جد خود را از پدر خود گرفتہ بود"، یہ سراسر خلاف قران السعدین اور منافی کتب تواریخ ہے۔۔۔ امیر خسرو کا ممدوح تخت سلطنت دہلی پر اپنے دادا کی جگہ بیٹھا تھا اور اُس کا باپ بلاد شرقیہ میں جداگانہ سلطنت کرتا تھا"، انھیں یہ بھی علم نہیں کہ خلف نام ہوتا ہے۔ برہان کے باپ کا نام خلف ہے، اس پر حیرت کا اظہار کیا ہے۔

فصل ہشتم

غالب نے کبھی عربی نہ جاننے کا اقرار کیا ہے اور کبھی اصطلاحی معنی میں کنایۃً اپنے کو عالم کہا ہے۔ ان کے مداح یہ سمجھتے ہیں کہ خاصی عربی جانتے تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ صرف و نحو کی اُن اصطلاحوں کے صحیح مفاہیم بھی نہیں جانتے جن سے مبتدی تک آشنا ہیں اور معمولی لفظوں کو بے محل استعمال کرتے ہیں، عربی جملے یا ترکیبیں بناتے ہیں تو ان میں فاحش غلطی ہوتی ہے۔ حرف کی جگہ لفظ کہا ہے "دور عایت لفظ سو میں و چار میں ہر لغت" قاطع صفحہ ۳، ابن الخلف التبریزی (برہان میں خلف پر الف لام نہیں) محمد حسین المتخلص بہ برہان، غالب کے نزدیک جملہ مرکبہ ہے (قاطع صفحہ ۵۵)، حالانکہ یہ جملہ غیر مرکبہ بھی نہیں، برہان میں جہاں سے یہ عبارت لی ہے، اس کے بعد "گوید" اور پھر اور عبارت ہے۔ صفحہ ۸۴۔ پرششش ضرب نتیجہ خوب کو بھی جملۂ مرکبہ کہا ہے۔ صفحہ ۸۰ پر لکھا ہے "یا ہو لغتے است حادث نہ پارسی، آں محمد، یہ مستحدث کا مقام ہے، حادث یہاں بالکل غلط ہے۔ صفحہ ۱۲۶ پر غریب کو صحیح کے مقابل استعمال کیا ہے، غریب غلط کا مرادف نہیں، ایک لغت غرابت کے باوجود صحیح ہو سکتا ہے۔ نامۂ غالب میں عمس المحققین، اپنا خطاب تجویز کیا ہے، عاس المحققین فصیح ہے۔ دمع الزاء الہوز، قاطع صفحہ ۱۰۴) لکھا ہے، ال غلط ہے دمع الواد عاطفہ ان کے قلم سے نکلا ہے، عاطفہ، پر ال چاہیے۔ پارسی الاصل کی جگہ (قاطع صفحہ ۵۹) فارسی الاصل صحیح ہے۔ اصلاح، بین الذاتین عربی نہیں، عربی اور فارسی میں دونوں میں بین الذاتین کی جگہ ذات البین رائج ہے۔ (مزربان نامہ کب)۔ صفحہ ۱۳۲ پر لکھتے ہیں "ایں خطائے دوم است از صاحب برہان قاطع در تخطئہ حقیقت یک لفظ"، تخطیہ بالکل بے محل استعمال کیا ہے۔ صفحہ ۱۳۸ پر ازتنگ مانوی میں ازتنگ کو مضاف کہا ہے حالانکہ یہ موصوف ہے اور مانوی

معنت۔ براز کو جو پاخانہ کہتے ہیں اُسے تسمیۃ الظرف بالمظروف کہا ہے (تیغ صفحہ ۱) حالانکہ براز ظرف نہیں مظروف ہے ۔جن کی جمع اجنہ لکھی ہے (قاطع صفحہ ۱۱۰) احدی اللغتین کی جگہ احد اللغتین لکھا ہے، تیغ صفحہ ۳۰، اعتذار کی جگہ استغفار ایک سے زیادہ مقام پر ان کے قلم سے نکلا ہے۔ عود صفحہ ۱۱۸، آثار غالب کے ایک خط میں معترض علیہ کے بدلے صرف معترض استعمال کیا ہے۔ مفرس کی اصطلاح فارسی کے لیے کام میں لاتے ہیں حالانکہ اس کا تعلق صرف عربی سے ہے افسوس بہ فتحۂ فا و او مجہول کو عربی اور تاسف اور متاسف اور وا سفاہ کو اس سے متخرج بتایا ہے۔ یہ بھی نہ سمجھے کہ عربی میں واو مجہول کہاں سے آیا ، اور فعلول مصدر کا کونسا وزن ہے، اور تاسف و متاسف سے قطع نظر وا اسفاہ جو ایک سے زیادہ کلمے سے مرکب ہے ایک کلمے سے کیونکر متخرج ہو سکتا ہے ۔ عربی میں اسم کا وزن بھی بہ ضمۂ فا ہے جیسے صندوق جمہور وغیرہ ۔ یہ فتحۂ فا ایک دو اسم آئے ہوں تو آئے ہوں ۔ ظاہر یہ ہے کہ اس غلطی کو غالب قصور فہم سمجھنے سے انکار کرتے ہیں، اس کے لیے انھوں نے سہو طبیعت کی اصطلاح وضع کی ہے۔

فصل نہم غالب ترکی سے اپنی کامل ناواقفیت کا اقرار کرتے ہیں، مگر اس کے بعد بھی انھیں کبھی اس ضرورت کا احساس نہ ہوا کہ اس زبان کے متعلق کچھ لکھنے سے پہلے اس زبان کی فرہنگوں کی طرح رجوع کرلیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ بے بنیاد باتیں ان کی زبان سے نکل جاتی ہیں۔ اور لوگ انھیں ٹوکتے ہیں، جب بھی انھیں واپس نہیں لیتے۔ تمن کے معنی ترکی میں بیس بتاتے ہیں، حالانکہ ترکی لغات میں یہ معنی درج نہیں۔ برہان نے اس کی جمع تومنات دی ہے، غالب اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں برہان کے نزدیک یہ عربی ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ ترکی الفاظ کی عربی جمع ایرانیوں کے یہاں بہت ملتی ہے مثلاً ایلات، اوتسات، سیورغالات وغیرہ۔ وہ فارسی الفاظ کی جمع بھی عربی قاعدے سے بنالیتے ہیں، جیسے نوازشات، سفارشات گذارشات، وغیرہ۔ چلپی کو ترکی کہا ہے اصلی لفظ چیلاپی (چلبی) ہے ۔ فرہنگ فضل اللہ

فصل دہم :۔ غالب یہ ذکر کرتے ہیں کہ میری اردو دوسروں کی بہ نسبت فصیح ہوگی

لیکن اس زبان سے محققانہ واقفیت کا انہوں نے دعوےٰ نہیں کیا، اور یہ ٹھیک بھی ہے۔ وہ اپنے تلامذہ کو اگر کبھی صحیح راہ دکھلاتے ہیں، تو کبھی گمراہ بھی کرتے ہیں۔ بے پیر کے اردو میں استعمال کے روادار نہیں، حالانکہ سودا، میر، مصحفی، جرات، ناسخ اور تلامذۂ ناسخ، نوازش، معروف، ظفر سب کے سب اسے بے تکلف استعمال کرتے ہیں۔ ظفر کا مصرعہ ہے:۔ "تیری نگاہ بے مروت بے پیر پھر گئی"۔ جلد ا صفحہ ۲۴۳۔ تیمور کا تلفظ ترکی میں واقعی تمر ہے، لیکن اردو والوں میں بمشکل دس پانچ ایسے نکلیں گے جو تیمور کی جگہ تمر بولتے ہوں فارسی میں البتہ دونوں طرح مستعمل ہے۔ غالب کے ایک شاگرد کے کلام میں تیمور بروزن دیجور آیا تھا، غالب نے شعر ہی کو لطری بنا دیا۔ رواج عام ظاہراً ان کے نزدیک کچھ معنی ہی نہیں رکھتا، مگر کمال یہ ہے کہ خود لکھا ہے:۔ "دودۂ چنگیز میں جیسا کہ قاآں ہوا"۔ مکاتیب غالب طبع ۲ صفحہ ۱۰۳ و ۱۰۴، چنگیز کی ی کا بجنسہ وہی حال ہے جو تیمور کی ی اردو کا ہے، اور فارسی میں ی کا تلفظ ہوتا بھی ہے اور نہیں بھی۔

فصل یازدہم

اسلوب بیان شخصیت کا آئینہ ہے۔ غالب کو ہر بات کی فکر ہوتی ہے، مگر اس کی پروا نہیں کہ ان کا مافی الضمیر ان کے الفاظ سے نکلتا بھی ہے یا نہیں، اور یہی سب سے ضروری ہے:۔

"نام آوران پارس از دانائے فرہود دارائے فرجود حکیم جاماسپ تا سر آمد خدا شناساں، پنجمیں ساسان و درد اللسان بحر العلوم آذر کیوان و در سخن گستران ایران آں یہ سخن جہانگیران کے پس از آں روشن ضمیراں و بیش از ما فروغ پذیراں بودہ اند، از آدم الشعرا ابو الحسن رودگی دکذا، تا بہا نگراں دنا بہا شمراں روسوے پوسے دنا دمیں خاقانی فرزانہ قاآنی کہ بر مردش لبے روز نگہ بختہ، بیائے و بیائے دنشیں ببیں کہ ہیچ کس فرہنگ طراز نہ"۔ (درفش صفحہ ۲)

نام آوران پارس کو زمانہ کے لحاظ سے دو طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک میں جاماسپ، ساسان ہیں، دوسرے میں آذر کیوان، سخن گستران ایران، ہیں۔ متقدمین میں رودکی اور متاخرین میں قاآنی کا نام لیا ہے۔ پارس، سے ایران کا ایک خاص علاقہ مراد نہیں، اس لیے

جاماسپ، وہاں کا باشندہ نہیں، مزید یہ کہ یہ ایران کا جز ہے، کُل کا مقابل نہیں ہو سکتا یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ پارس کُل ایران ہے اس لئے کہ صراحتاً اس طرح کہا ہے کہ پارس اور ایران الگ الگ ہیں۔ غالب نے نامہ آوران پارس سے ایرانی، یعنی غیر مسلم نامور لوگ مراد لیے ہیں، خواہ وہ تسلط عرب سے قبل کے ہوں یا اس کے بعد کے۔ ان کا انھیں کوئی حق نہیں ہندوستان میں جو زردشتی آکر بس گئے ہیں انھیں پارسی کہا جاتا ہے، مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اہل پارس کہا جائے اور غیر مسلم ایرانی مراد لیے جائیں۔ ایک غلطی اس عبارت میں یہ ہے کہ غالب کے مدعا کے خلاف آذر کیوان کا زمانہ رودکی سے قبل قرار پاتا ہے۔ رودکی ۳۲۹ھ میں مرا ہے اور آذر کیوان جیسا کہ دبستان مذاہب میں مرقوم ہے اور یقین ہے کہ غالب کو بھی معلوم ہو گیا ہوگا گیارہویں صدی ہجری کے لغت اول میں راہی عدم ہوا ہے۔ فرزیود، اور فرجود، مصنوعی الفاظ ہیں۔ ''پیرایۂ دبنیش'' بالکل بے کار ہیں۔ غالب جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ اس سے زیادہ نہیں کہ زردشتیان ایران میں جاماسپ و ساسان پنجم سے لے کر آذر کیوان تک اور مسلمانوں میں رودکی سے لے کر قاآنی تک کسی نے فرہنگ نہیں لکھی۔ اتنی سی بات کو کس قدر پیچ دے کر لکھا ہے اور اس سے کیا کیا قباحتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ برہان نے آب چین کے بارے میں لکھا ہے کہ ''پارچۂ جامہ را گویند الخ'' غالب معترض ہیں کہ ''پارچۂ جامہ نیز زائد، یا پارچہ بایستے گفت یا جامہ''، کہنا یہ چاہتے ہیں کہ پارچہ یا جامہ دونوں نہیں چاہییں، ان دونوں میں سے ایک کافی ہے، قلم سے یہ نکل گیا کہ دونوں زائد ہیں اور یہ بعد کی عبارت سے متناقض ہو گیا۔ اعتراض بھی غلط ہے۔ پارچہ پارہ = پارہ + چہ ہے، پارچہ کاغذ پارچۂ سنگ سبھی مستعمل ہیں۔ پارچہ جامہ میں کوئی خرابی نہیں۔ پارچہ کا استعمال کپڑے کے لئے بعد کی بات ہے، یہ اس کا مانع نہیں کہ لفظ اپنے اصلی معنی میں مستعمل ہو۔

فصل دوازدہم

غالب کے قول و فعل میں منافات پائی جاتی ہے، ایک قول اور دوسرے قول کے درمیان تناقض و تضاد بہ کثرت ملتا ہے۔ کہیں کہیں مطالب کی ترتیب منطقی نہیں ہوتی، ضعف استدلال کی مثالیں بہت ملتی ہیں، اپنے اور دوسروں کے اقوال کی ایسی تاویل کرتے ہیں جو کسی طرح قبول نہیں کی جا سکتی۔ دوسروں کے اقوال میں تحریف سے بھی دریغ نہیں

کرتے، اخلاقی قیود سے آزادی کی اور مثالیں بھی ملتی ہیں، ان کے لیے دراست پر ایک نظر ڈالی جائے۔ انتقام گرفتن پر معترض ہیں، لیکن کلیات میں ہے از حضر انتقام سکندر گرفتہ ایم صفحہ ۲۰۳۔ صفت کی جمع لانے کے لیے برہان کو مورد الزام قرار دیا ہے لیکن جیسا کہ مؤید میں ہے، یہ خود غالب کے ایک شعر میں ہے: عطر مغز گیتی افشاناں پہلواناں پہلوی داناں، کلیات صفحہ ۹۱۔ تیغ میں اس کا جواب دینا تھا مگر خاموشی ہی میں نجات سمجھی۔ مصدر کی آغاز میں بائے زائد کے وجود کے مطلقاً منکر ہیں، لیکن پنج میں لکھتے ہیں کہ نثر میں ناروا ہے، شعر میں استعمال جائز ہے۔ باد مخالف میں کہا ہے "خیرہ بگذاشتن بہ داوریم" کلیات صفحہ ۹۳۔ درفش کے دیباچۂ جدید میں فخریہ کہتے ہیں "حاشا کہ در ہیچ عمل از عقیدۂ خویش رجوع کردہ باشم"، صفحہ ۷، لیکن اس کی اشاعت سے پیشتر لطائف اور نامۂ غالب میں کم از کم دو غلطیوں کا اقرار کر چکے ہیں۔ قاطع میں جو عبارت افسوس کے عربی ہونے کے بارے میں تھی اسے اس کی اشاعت ثانی میں بجنسہ رہنے دیا ہے لیکن، آخر میں یہ عبارت بڑھائی ہے "افسوس بالفتح اگر عربی نباشد گو مباش"، صفحہ ۹۴۔ پڑھنے والا جسے اس معاملے کی پوری تاریخ معلوم نہیں حیران ہو جاتا ہے کہ افسوس عربی نہیں، تو ابتدا میں اس قدر دعوے کے ساتھ اسے عربی کیوں کہا۔ آویزہ سے متعلق بھی سابق عبارت علیٰ حالہ رہنے دی ہے اور اس کے بعد یہ اعتراف کیے بغیر کہ غلطی ہوئی تھی اور دوسری کتابوں میں اس کا اعتراف بھی کیا ہے، اگلی رائے میں کچھ ترمیم کرتے ہیں۔ بریروشان کو اشاعت اول میں "اقصائے ملک دکن" کے خشتیوں کی زبان کہا تھا، درفش میں اسے بالکل حذف کر دیا ہے اور بریروشان کے اشتقاق کے متعلق عبارت بڑھائی ہے درفش، صفحہ ۴۲۔ خش خانہ کے بارے میں قاطع میں لکھا تھا کہ عیش خانہ کی تصحیف ہے، درفش میں یہ بجنسہ موجود ہے، لیکن یہ بڑھایا ہے کہ خش خانہ اور چیز ہے عیش خانہ اور چیز ہے۔ صفحہ ۶۵ صریح تبدیل رائے ہے، لیکن اس کا اعتراف کرنا نہیں چاہیے۔ قاطع میں کل ہندوستانی فرہنگ نگاروں کو غیر معتبر قرار دیا تھا، گر فرہنگوں کی سندیں دی تھیں اور طلب کی تھیں، درفش میں اپنی زندگی میں پہلی بار یہ دعوی کیا ہے کہ ہندوستانیوں

کے سوا کسی لئے فرہنگ ہی نہیں لکھی، لیکن، فرہنگوں کی جو سندیں دی تھیں وہ اپنی جگہ پر رہیں اور فرہنگوں سے سند کا مطالبہ بھی باقی رہا۔ انھیں یہ نہ سوجھا کہ سب کے سب غیر معتبر ہیں تو ان کی سند کیسی، باوجود اس کے کہ امیر خسرو اور فیضی کو اپنے متعدد خطوں میں معتبر کہا ہے، قاطع میں ہندوستان کے کل فارسی گو شاعروں کو غیر معتبر کہہ دیا مگر اس کے قریب ہی زمانے میں ضرورت پڑی تو بیدل اور شیفتہ (تلمیذ غالب) کے شعر مثال میں پیش کیے۔ (خطوط صفحہ ۱۳۲۔ بیدل کا شعر تذکروں میں ایک ایرانی شاعر کے نام بھی ہے) اور تیغ میں فارسی زبان سے متعلق سوالات کا جواب ایرانیوں سے نہیں ہندوستانیوں سے لے کر داخل کتاب کیا، اور ہندوستانی بھی ایک چھوڑ کر سب کے سب ان کے شاگرد تھا۔ بیدل کے لیے آثار رماں (خطوط ہوم) قدرتی حسب لیاقت خودم، لکھا تھا، معترض ہیں کہ "خود" کافی ہے، "خودم" قتیل کا شیوہ ہے (خطوط صفحہ ۱۷۹)، مگر قاطع میں خود رقم طراز ہیں: "بریبردان خودم دل سوخت"، صفحہ ۳۔ قاطع اور اپنے بعض خطوط میں بھی اس کے مدعی ہیں کہ فارسی میں قریب المخرج حروف نہیں، لیکن، قاطع ہی میں ایک جگہ کنایتہً ان کے وجود کا اعتراف کیا ہے۔ (بحث راستاد)

پولک کے معنی برہان کے حوالے سے خربزہ مضمحل لکھنے تھے اور یہ اعتراض کیا تھا کہ تواتر لساتین کی طرف کیوں نہ اشارہ کیا۔ قاطع کی اشاعت ثانی میں، اضافہ کیا کہ برہان تواتر کیا جانے، "اما تخصیص خربزہ مضمحل تماشا کردنی است"، اس وقت تک اس سے انکار نہیں کہ اس کے معنی خربزہ ہیں، گو مضمحل کی تخصیص کے منکر ہیں۔ مؤید میں یہ جو دیکھا کہ "نرم و میان تہی۔۔۔ نہ نرم بہ خصوصیت میوہ"، تو تیغ میں یہ کہنے لگے (صفحہ ۲۳) کہ "۔۔ تو مکذّب قول دکنی ہے کہ معنی خربزہ مضمحل نوشت بس یہ تو سراسر میری خوشی ہے۔ خدا مولوی صاحب کی اس توفیق کو زیادہ کیے"۔ غالب نے ہرگز قاطع میں خربزہ مضمحل کی تردید نہ کی تھی، اور اس کی اشاعت ثانی کے اضافے سے ظاہرا جو مطلب نکلتا ہے وہ اوپر درج ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ واقعی ان کی کیا رائے تھی۔ یہ واضح رہے کہ اس سے قطع نظر کہ برہان نے کیا لکھا ہے، سروری کا قول ہے کہ ماوراء النہر کی زبان میں خربزہ مضمحل کو کہتے ہیں جو کھانے کے قابل نہ رہا ہو

دیباچہ ۲ (تبصرہ میں لولہ کی بحث ملاحظہ ہو۔ اس کی تحریر کے وقت تیغ کی عبارت پیش نظر نہ تھی) قاطع میں لکھتے ہیں (ملاحظہ ہو شت) کہ عبدالصمد جیسو وغیرہ کے بارے میں کہتا تھا کہ منافقین ایران کی اختراع کردہ ہیں، لطائف میں فرماتے ہیں کہ استاد اگر لفظ بناتا تو اعراب کیوں نہ بتاتا۔ ارزند مستعملہ صاحبِ دساتیر کے معنی غالب، صمد اور صاحب مؤید بعین لکھتے ہیں، تیغ میں غالب کا بیان ہے کہ: دونوں ایک ہی معنی بتاتے ہیں "میرا اور مولوی جی کا بیان ایک بیان ہے، الفاظ میں تغیر بالمرادف ہو تو ہو"

(صفحہ ۱۲) آغا احمد علی کو شمشیر تیز تر میں اس کی تردید کرنی پڑی۔ برہان میں آستینہ بمعنی تخم مرغ ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ ایسا دو غریب لغت بے سند کس طرح قبول کیا جائے، خود برہان بھی اسے نہیں مانتا، اس لیے کہ دوسری جگہ آشینہ لایا ہے۔ آستینہ اور آشینہ کی صحت و عدم صحت سے بحث نہیں لیکن آستینہ لانے سے یہ کیوں لازم آیا کہ برہان کے نزدیک آستینہ غلط ہے۔ غالب خود تسلیم کرتے ہیں کہ فارسی میں س و ش ایک دوسرے سے بدلتے ہیں اور حروف کے گرنے کا قاعدہ بھی وہ مانتے ہیں آستینہ تبدیل سین بہ شین اور حذف تا سے پیدا ہو سکتا ہے۔ برہان میں آرا بمعنی آرایش و آرایش کنندہ . . . ہمچو سخن ارادہ بزم آرا و امر بدیں معنی ہم" مرقوم ہے۔ غالب معترض ہیں کہ بہ معنی آرایش نہیں، "اور صیغۂ امر بے افزایش اسم در اوّل" فاعلیت کے معنی نہیں دے سکتا۔ صاحب مؤید کا خیال ہے کہ آرایش کے معنی صحیح ہیں اور انھوں نے نزاری قہستانی کا یہ شعر سند میں پیش کیا ہے:۔ "دو نمی یابد برا فزودن اگر مشاطۂ فطرت جمالے را بہ زیبائی نگارے کرد و آرائے"، چونکہ انھوں نے اس سلسلے میں سروری کی پوری عبارت نقل کی ہے۔ اور یہ عموماً ان کی روش ہے عزیز الدین شروانی کا یہ شعر بھی نقل ہو گیا ہے:۔ روے بنا و بزم را آرا + چوں تو ئی آفتاب بزم آرا، یہ آرایش کے ثبوت میں نہیں، اس امر کے ثبوت میں ہے کہ آرا اسم سے مل کر فاعلیت کے معنی دیتا ہے۔ غالب تیغ میں اس شعر کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

(غالب۔ متحیر ہے کہ یہ بیت تو میرے مفید مطلب ہے پہلے مصرعہ میں بمعنی امر دوسرے میں بعد تقدم اسم بمعنی فاعل، پھر مولوی جی نے کیوں لکھی؟ بس اس کے سوا یہ کہ میں مولوی اور مدرس ہوں آنکھ بند کر لی ہے اور لکھنا شروع کیا ہے۔ برمیں

دیکھانہ بے محل دیکھنا ستد کے اشعار لکھ دیے،، صفحہ ۱۳۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ غالب کے نزدیک یہ امور ان کے اور صاحب مؤید کے درمیان مابہ النزاع ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے انھیں کبھی اختلاف ہی نہیں رہا۔ اس سلسلے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تیغ کے صفحہ ۹ پر وہ لکھ چکے ہیں کہ "آرائش و آسایش و کاہش و رنجش کے آگے یہ ترکیب شین کی جگہ یاے خطی نہیں لا سکتے اور یہ مقدمہ نہ دلائل کا محتاج ہے نہ نظائر کا حاجت مند" لیکن، نزاری کا شعر دیکھ کر اسی کتاب کے صفحہ ۱۲ پر تحریر کرتے ہیں: "میں تو گستاخی نہیں کر سکتا۔ مگر خدا سے میرا زور نہیں چلتا کہ وہ فرماتا ہے لعنۃ اللہ علی الکاذبین . . . نزاری نے آرا کو بمعنی آرایش نہیں لکھا، آرائی کو بمعنی آرایش لکھا ہے ... یہ شعر اس بات کی سند ہے کہ بے تقدم اسم بھی آخر میں یاے مصدری لاتے ہیں،، صفحہ ۹ پر آرائی کے عدم وجود کے بارے میں جو کچھ ان کے قلم سے نکلا تھا، غالب بالکل فراموش کر گئے۔ مزید یہ کہ جب تک اور اشعار نہ ہوں قطعی طور پر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ نزاری نے یاے معروف استعمال کی ہے یا یاے مجہول۔ اور چونکہ شعراے ایران قوافی میں بہ کثرت دونوں یاؤں کو جمع کرتے ہیں اور غیر بھی ہوں تو فیصلہ مشکل ہے۔ اس صورت میں قرآن کی آیت لکھ کر صاحب مؤید پر لعنت بھیجنے کے کیا معنی؟ غالب تیغ میں لکھتے ہیں: — "اب میں عاجز آگیا، کہاں تک لغت بعد لغت دیکھے جاؤں، خرافات و اہیات جھوٹ لغو مہمل، اب ورق ورق اور صفحہ صفحہ کہاں تک دیکھوں گا .. جستہ جستہ جواب لکھوں گا ،، صفحہ ۲۳۔ کتاب صفحہ ۳۲ پر تمام ہوتی ہے، اور بعض وہ باتیں بھی دہرائی ہیں جو درفش میں لکھی تھیں اور جن کے اعادے سے کچھ حاصل نہیں، لیکن، صاحب مؤید کے کسی ایک اعتراض کا بھی اس کے بعد جواب نہیں۔

مقالہ طویل ہو گیا، لیکن بہت سے "سخن ہاے گفتنی،، ناگفتہ رہ گئے، اور بہت سے مطالب زبان حال سے شکوہ سنج ہیں کہ کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے، قلت کا برا ہو کہ بعض جگہ حوالے نہ دیے جا سکے یا دیے گئے تو نامکمل، اگر حوالہ یا اس کی تفصیل طلب کی گئی تو بخوشی حاضر کی جائے گی۔ کچھ اعتراض غالب جو اس مقالے

میں میں غالب کی زندگی ہی میں کیے گئے تھے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس کا بالالتزام ذکر نہ ہو سکا۔ میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ غالب یا مدّاحان غالب سے قطع محبت، منظور نہیں، مگر غالب کے متعلق ہر دعوے بے دلیل قبول نہیں کیا جا سکتا۔

۲۵ مارچ سنہ ۱۹۴۹ء

حواشی

لہ احمد = آغا احمد علی یا ان کی موید برہان اردو = اردوے معلی مطبوعہ کریمی طبع اوّل امین = قاطع القاطع یا اس کا مصنف۔ اودھ = مطبع اودھ اخبار۔ برہان = برہان قاطع یا اس کا مصنف نسخہ مستعملہ راقم مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۳۴ء۔ تبصرہ = تبصرۂ فرہنگ غالب تیغ = تیغ تیز از غالب ردّ احمد۔ جہانگیری = فرہنگ جہانگیری ــ درفش = درفش کاویانی قاطع کی اشاعت ثانی، درفش صرف اس عبارت کے لیے آیا ہے جو قاطع میں نہیں گو حوالہ ہمیشہ اسی کے صفحات کا دیا گیا ہے۔ راست = غالب کی راست گفتاری از راقم علیگڑھ میگزین ستمبر سنہ ۱۹۴۸ء۔ رحیم = ساطع برہان یا اس کا مصنف۔ رشیدی = فرہنگ رشیدی۔ سروری = مجمع الفرس۔ شت = عبدالصمد سے متعلق راقم کا مقالہ ص = صفحہ مطبوعات کے لیے۔ عود = طبع الانوار احمدی الہ آباد۔ قاطع = قاطع برہان کی اشاعت اوّل۔ مگر حوالے اشاعت ثانی کے صفحات کے دیے ہیں۔ کاما = کاما اورینٹل انسٹی ٹیوٹ بمبئی۔ کلیات = کلیات نظم فارسی غالب طبع ۱۹۲۴ء۔ ک ن = کلیات نثر غالب طبع اول مشتمل بر پنج آہنگ و مہر نیمروز و دستنبو۔ گب = گب موریل سیریز۔ لطائف = لطائف غیبی از غالب منسوب بہ سیاح۔ م = کتب خانہ مشرقیہ بانکی پور جہاں نسخہ مخطوطہ اسی کتب خانے کا ہے۔ آثار = آثار غالب۔ و = ورق صرف مخطوطات کے لیے۔ ہند سے۔ کے نیچے نشان۔ ہو تو صفحہ زیرین سلہ اشارہ یہ کلیات سلہ غالب کبھی کبھی صاحب زبان ہونے کا بھی دعویٰ کرتے ہیں عود صفحہ ۱۸۶ ک ن ۴۴ سلہ لطائف لطیفہ ۵ سلہ قاطع صفحہ ۱۳۱

سلہ پنج آہنگ کی اشاعت ثانی مطبوعۂ دہلی کا سرورق نہ اس اشاعت کی تصحیح خود غالب نے کی ہے سلہ فرہنگوں میں ایک لغت فرجد بہ معنی جدّ دوم ہے، غالب نے اسے فرجد (کر جود بہ حذف د) قرار دیا ہے، حالانکہ فرجد بہ معنی معجزہ یا کرامت وسایتر میں نہیں، فرجود البتہ ہے۔۔ ان الفاظ کی قدامت کی سند اگر کسی صاحب کے پاس ہو تو براہ کرم راقم کو مطلع فرمائیں، مگر برہان اور اس کے مقلدین اور آبادیوں کی سند نہ ہو۔

۹۷ :- اس فصل کے مطالب دین کرد، بندہشن، اوستا کے انگریزی اور فارسی تراجم مارٹن ہوگ کی کتاب اور بعض فرہنگوں سے ماخوذ ہیں ۹۸ :- مثلاً قاطع (صفحہ ۱۱۵) میں پنج کی بحث میں لکھتے ہیں :- "اگر غالب نداند چہ زیان دارد، اگر ساسان پنجم در ترجمۂ دساتیر نیارد چہ باک؟"، ساسان ششم لقب اختیار کرنا بھی اس پر دلالت کرتا ہو ۹۹ مگر دساتیر میں یاسان آیا ہے اور یہ یاسان سے مختلف ہے صفحہ ۱۰۷۔ ۱۰۰ نظرثانی کے وقت اضافہ۔ عبارت کی ترمیم کا وقت نہیں رہا :- دساتیر میں ہوشنگ و جمشید و کیخسرو کی فرضی کتابوں کے نام اور ان کے اقتباسات اسی مصنوعی زبان میں دیئے ہیں جس میں دساتیر ہے۔ ان بادشاہوں کے زمانے کی زبان کا ذکر غالباً انھیں اقتباسات کے مطالعے پر مبنی ہے۔ مگر ان میں بھی لفظ خورشید نہیں آیا۔ واضح رہے کہ ایک جعلی کتاب موسوم بہ جاویدان خرد عربی زبان میں ہے اور اس کا مصنف ہوشنگ بتایا گیا ہے۔ دساتیر میں بھی ہوشنگ کی کتاب کا یہی نام ہے، لیکن اس کے اقتباسات عربی کتاب کے فارسی ترجمے میں جو کالمیں ہے، میری نظر سے نہیں گزری ۱۰۱ یہ بات دوسری ہے کہ بعد کو روشنی کے معنی میں بھی مستعمل ہوا۔ فردوسی جس طرح جہان بین اور نرگس آنکھ کے لیے لایا ہے، آفتاب کے واسطے شید استعمال کرتا ہے ۱۰۲ زرتشت بہرام پژدو ایک زردشتی شاعر ایران کا ہے جس کا زمانہ چھ سات سو سال قبل ہے۔ اس کی تین مثنویاں کامل میری نظر سے گزری ہیں (ان میں سے دو چھپ بھی گئی ہیں)، ان کے متعلق جو یادداشت میں نے لکھی تھی، وہ موجود ہے، لیکن اس وقت اس کی طرف رجوع مشکل ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے اس شاعر کے یہاں اوشیرہ بہ معنی پاک مستعمل ہوا ہے۔ ۱۰۳ ملا فیروز زردشتی تھے ۱۰۴ یہ اس لیے کہ قلمی نسخہ بہت کمیاب اور مطبوعہ نسخہ بہت گراں ہونے کی وجہ سے بہتوں کی رسائی سے باہر تھا۔ ۱۰۵ سرمہ سلیمانی کا جامع اوحدی صاحب تذکرہ ہے۔ غالب کے عہد میں ویسی ہی نایاب تھی جیسی اب ہے تو اس کے نہ دیکھنے کے لیے غالب قابلِ الزام نہیں۔ ۱۰۶ قاطع صفحہ ۳ "چنانکہ کمال اسمٰعیل را خلاق المعانی لقب است، اگر ایں بزرگوار را خلاق الالفاظ خوانند چہ عجب است" ۱۰۷ قاطع صفحہ ۱۳۸، صفحہ ۱۰۵ و صفحہ ۱۲۵۔ ۱۰۸ نجو کے متعلق میری تحقیقات ابھی ناتمام ہے۔ احمد نے جو عبارت مآثر الامرا کی نقل کی ہے اس سے ایرانی المولد ہونا مترشح ہے۔ التمیز تر صفحہ ۱ اس کے باپ کا ایرانی المولد ہونا مسلم ہے۔

۲۲۴ قاطع صفحہ ۳۷ وغیرہ۔

۲۲۵ ۱۸۶۱ء کے ایک خط میں فرہنگ دساتیر ملائی سے مانگی ہے۔ جزنعں، اس کے جامع کو وہ ہندی سمجھتے تھے یا ایرانی خطوط صفحہ ۳۲۵۔ ۲۲۶ ہندوستان میں پہلی فرہنگ عہد تغلق میں لکھی گئی، مگر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا جامع فخر قواس ہندی المولد ہے یا نہیں۔ اداۃ الفضلا داوائل ماۃ نہم) بے شبہ ہندوستانی کی لکھی ہوئی ہے۔ احمد صفحہ ۵۔ ۲۲۷ قطران کی فرہنگ کا ذکر اسدی نے کیا ہے اور یہ جہانگیری و سروری کے ماخذوں میں بھی ہے۔ ۲۲۸ خصوصاً اس صورت میں کہ برہان غریب کو فارسی معانی کے الزام میں گالیاں بھی دی ہیں: — "چادر را گذاشتن دمادر را آوردن بے حیائیست" قاطع صفحہ ۱۳۰ غالب کے زعم میں برہان نے ایک قسم کی ۳ غلطیاں کی ہیں، جن کا ذکر انھوں نے اپنی اپنی جگہ کیا ہے، تیسری غلطی پہ معترض ہونے کے بعد لکھتے ہیں:— "و مثل ہندی مشہور ایں جا صادق" قاطع صفحہ ۱۲۳ — ہندی مثل انھوں نے نہیں لکھی، لیکن اشارہ اس مثل کی طرف ہے جس میں اس شخص کو جس سے تین خطائیں ہوئیں "مادر بخطا" کہا گیا ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ ظالم تھے اور برہان مظلوم مگر لطف یہ ہے کہ ان کی فحاشی بڑھتی گئی، تیغ کے صفحہ، ۶ پر جو کچھ انھوں نے لکھا ہے، اسے نقل کرنا کیا، دیکھنے کو طبیعت نہیں چاہتی۔ جب گالیوں سے باز نہیں آتے تو سخت سست کتنا کہا ہوگا، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ۲۲۹ میرے پاس جو نسخہ ہے ۱۲۸۰ھ کا چھپا ہوا ہے وہ اغلاط طباعت سے قطع نظر حکیم عبدالمجید کے نسخے کی نقل ہے۔ حکیم صاحب کا نسخہ میں نے جابجا سے دیکھا ہے مگر اس فصل میں جو کچھ اس کے متعلق مرقوم ہے وہ بیشتر اس یادداشت پر مبنی ہیں، جو میری ہدایات کے مطابق منوہر سہائے صاحب انور ایم۔ اے نے لکھ کر بھیجی تھی۔ میں اس کے لیے ان کا ممنون ہوں ۲۳۰ فارسی کے متعلق غالب کی دعووں کے لیے درفش صفحہ ۳۰، اور عود صفحہ ۷۱ ملاحظہ ہو۔ ۲۳۱ یہ تذکرہ صابر کے نام سے چھپا ہے، لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کی تصنیف میں صہبائی کا بہت بڑا حصہ ہے۔ دیباچے میں جو مخالف شمی ہیں، وہ صابر کے ہوں، یہ بہت خلاف قیاس ہے۔ ۲۳۲ صراح نول کشور کلکتہ میں ایک جگہ گندیدہ بجا ہے، لیکن م کے دو قلمی نسخے دیکھے گئے ان میں نہ پایا گیا۔ ۲۳۳ پاک کے بعد کرم خوردہ۔

۲۳۴ شیفتہ کا نام نہیں لیا، استاد لکھا ہے۔

۲۳۵ ایسے نامہ اعمال، نہیں کہہ سکتے: مگر دونوں کی غرض ایک ہے۔

(علیگڑھ میگزین غالب نمبر ۱۹۴۹ء)

فرہنگِ غالبؔ

فرہنگ غالب کے مرتب[1] یا مؤلف[2] جناب عرشی کا دعویٰ ہے کہ اس کا لفظ لفظ خود غالب کا "تراوِیدۂ قلم" ہے۔ ان کے ماخذوں کی فہرست میں غالب کی تقریباً کل کتابیں ہیں، اور یہ بات قابلِ ستائش ہے کہ انھوں نے تصانیفِ غالب کے مطبوعہ نسخوں پر قناعت نہیں کی، ان قلمی نسخوں کو بھی جن تک ان کی رسائی ہوئی ہے، پیشِ نظر رکھا ہے۔[3] ۲۳ اپریل ۱۸۵۳ء کا دہلی اردو اخبار بھی جس میں غالب کا ایک فارسی قصیدہ "مشکل لفظوں کے حل کے ساتھ" شائع ہوا تھا، ان کے ماخذوں میں ہے۔ دیباچے میں اس کی صراحت نہیں کہ یہ حل کس کے قلم سے ہے؛ اگر یہ اخبار بھی اس باب میں ساکت ہے تو فرہنگ[4] میں جو کچھ اس سے منقول ہوا ہے، لازماً غالب کا "تراوِیدۂ قلم" نہیں۔ نادر خطوطِ غالب کا فرہنگ کے ماخذوں میں ہونا حیرت انگیز ہے۔ اس کتاب کی نسبت جناب عرشی کا قول ہے کہ "جعل عبارت میں نہیں، مکتوب الیہ کے متعلق عمل میں آیا ہے۔" اس سے صورتِ حال کامل صحت کے ساتھ ظاہر نہیں ہوتی۔ اس میں صرف غالب کی عبارات نہیں، حالی اور مرتبِ نادر کی بھی عبارات ہیں، اور غالب و حالی کی عبارات میں مرتب نے جا بجا تصرف بھی کیا ہے۔[5] فرہنگ میں اس کتاب سے جو کچھ لیا ہے، وہ لازماً غالب کے قلم سے نہیں نکلا، مثلاً محاورت اور مسامرت کے جو معنی نادر کے حوالے سے فرہنگ میں مندرج ہیں وہ دراصل حالی کے بتائے ہوئے ہیں، (یادگارِ غالب ص ۱۲۱) غالب کو ان سے سروکار نہیں۔ ادبی خطوطِ غالب بھی ماخذوں میں نہ ہوتا تو بہتر تھا؛ اس سے جو کچھ اخذ کیا گیا ہے، بہ آسانی اردوئے معلیٰ، عودِ ہندی وغیرہ میں مل سکتا تھا۔ اصلی ماخذوں کو چھوڑ کر اس کی طرف رجوع کی حاجت نہ تھی۔ لطائفِ غیبی کا نام فہرستِ ماخذ میں موجود نہیں، یہ اس لیے تو نہیں کہ بعض

۱۔ سرورق ۲۔ دیباچہ فرہنگ ص ۲۵ ۳۔ فرہنگ غالب ص ۲ ۴۔ تفاصیل تبصرۂ نادر (نسخۂ راقم) شائع کردہ معاصر بانکی پور میں ملیں گی۔

دوسرے اصحاب کی طرح جناب عرشی اسے غالب کی تصنیف نہیں سمجھتے۔

ستائیس صفحوں کے دیباچے کے بیشتر صفحوں میں، یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ "خالص لسانیاتی کام جس کیفیت و کمیت کا ہندوستانی علما نے انجام دیا ہے، ایران کے اہل زبان اس کا عشر عشیر بھی نہ کر سکے۔" "ہندوستانی علما" میں وہ ایرانی بھی جنھوں نے جناب عرشی کی تحقیقات کے بموجب، اپنی کتابیں ہندوستانی بادشاہوں یا امیروں کی فرمائش سے لکھی تھیں، بے تکلف شامل کر لیے گئے ہیں۔ وہ صرف و نحو، عروض و قافیہ کی "کتابوں کے نام گنوا کر فخر یہ کہتے ہیں کہ "یہ کتابیں ایرانیوں کے لیے سنگ میل کا کام دیتی رہی ہیں" حال آں کہ ان میں سے زیادہ تر ایسی ہیں، جن کے نام بھی ایرانیوں نے نہ سنے ہوں گے۔ اگر یہ میرا سوءِ ظن ہے، تو جناب عرشی سے استدعا ہے کہ وہ ان ایرانیوں کے نام بتائیں، جنھوں نے ضوابط عظیم، منار الضوابط، تکملۃ الفارسی، مجمع البحرین، بحر الفوائد، منتخب النحو، مقدمۂ جواہر الکلام، زبدہ نامہ (مصنفہ عزیز) اور گلبن اکبری سے استفادہ کیا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے فارسی فرہنگوں کے ۴۸ نام دیے ہیں، اور دعویٰ کیا ہے کہ "اگر لغت فرس اسدی، مجمع الفرس سروری، کاشانی اور ایسی ہی ایک دو اور کتابوں کو الگ کر کے دیکھا جائے تو سارے عالم میں فارسی الفاظ کی تحقیق و تشریح کا مدار انھیں مؤلفات پر نظر آئے گا۔ ایرانیوں کے پاس لے دے کر ایک فرہنگ انجمن آرای ناصری ہے، جو یک سر انھیں ہندیوں کی تحقیقات کی مرہون منت ہے۔" جناب عرشی فرہنگ جہانگیری، مجمع الفرس، سراج اللغۃ کے دیباچوں کو ایک بار پھر پڑھ لیں تو عجب نہیں، کہ انھیں اپنی رائے بڑی حد تک بدلنی پڑے۔ انھیں شکایت ہے کہ ایرانی اہل ہند کی خدمات زبان فارسی کا قدر و قابلیت، اعتراف نہیں کرتے۔ ممکن ہے کہ وہ اس میں حق بجانب ہوں، لیکن، نا منصفی کا جواب نا منصفی نہیں ہو سکتی۔

غالب نے برہان قاطع کی تنقید میں ایک مستقل کتاب قاطع برہان لکھی ہے، لیکن اس میں باتیں اور مفصل طور پر یہ نہیں بتایا کہ فرہنگ نگاری کے اصول کیا ہیں۔ ان اعتراضات سے جو انھوں نے برہان پر کیے ہیں، البتہ کچھ اصول مستنبط ہو سکتے ہیں، اور دیباچۂ فرہنگ میں ان اصولوں کا ذکر ضروری تھا، لیکن، یہ اس باب میں بالکل خاموش ہے۔ قاطع میں، ایران و ہند کی مختلف زبانوں کے نام آئے ہیں، فاضل مرتب کو، یہ بتانا تھا کہ

غالب کے ذہن میں ان کے مفہوم متعین تھے یا نہیں اور تھے تو کیا تھے، یہ بحث بھی لاحاصل سمجھی گئی ہے۔ غالب نے برہانِ قاطع، جہانگیری وغیرہ کی طرح کوئی فرہنگ نہیں لکھی۔ قادر نامہ نصاب الصبیان ابو نصر فراہی کے طور پر بچوں کے لیے منظوم ہے۔[1] پنج آہنگ کے آہنگ دوم میں مختصر طور پر کچھ مفردات و مرکبات جمع کر دیے گئے ہیں، چند کتابوں کے آخر میں مشکل الفاظ کی جو فرہنگیں ہیں، ان کا تعلق صرف ان الفاظ سے ہے جو ان کتابوں میں مستعمل ہوئے ہیں۔ صرف و نحو پر ان کی کوئی مستقل کتاب شائع شدہ نہیں، یا کبھی تھی تو اب نایاب ہے۔[2] اس صورت سے کسی لغت سے متعلق یا صرف و نحو کے کسی مسئلے کے بارے میں ان کے یہاں جو کچھ ملتا ہے وہ بیشتر جامعیت سے محروم ہے، تو اس کے لیے وہ مورد استناد نہیں ہو سکتے۔ دیباچے میں یہ لکھنا تھا کہ غالب کے یہاں زبان سے متعلق جو مباحث پائے جاتے ہیں، ان کی نوعیت کیا ہے۔ غالب کی "لسانیاتی دقیقہ سنجی" کی مدح میں جناب شرجی کا قصیدہ منشور ان فروگذاشتوں کی تلافی نہیں کر سکتا۔ دیباچے میں ایسی باتیں جو محلِ نظر ہیں، اور بھی تھیں لیکن اس ڈر سے کہ تبصرہ ضرورت سے زیادہ طویل نہ ہو جائے میں ان سے تعرض نہیں کرتا۔

کتاب کی علتِ غائی یہ بیان کی گئی ہے: غالباً[3] بعض پارسی علما کی صحبت اور ان کی تصنیفات کے مطالعے نے غالب میں قدیم فارسی الفاظ کے استعمال کا شوق پیدا کر دیا تھا۔ فنی کتابوں کے حاشیوں پر فارسی یا اردو مترادفات پیش کر کے غالب نے ان سب کو حل کیا تھا۔ پنج آہنگ میں اس قسم کے مستعمل الفاظ لفظوں کی تشریح کتاب ہی کے ایک باب میں درج کر دی گئی تھی۔ بہت سے الفاظ دوستوں کے سوال کرنے پر انھوں نے مراسلت میں بھی

---

[1] پنج آہنگ میں کچھ صرفی قواعد ہیں۔ [2] جناب خضر نے غالب کے قواعدِ اردو کا ذکر کیا ہے مگر مجھے اس کے وجود میں شبہ ہے۔
[3] اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ غالب کسی زردشتی عالم سے پڑھے ہوں۔ ورنہ وہ اس کے قائل ہو گئے کہ ہندوستان کے پارسی قدیم ایران سے کچھ واقفیت رکھتے ہیں (کلیاتِ نثر ص...) غالب کی ملاقات پارسی شراب فروشوں سے جن کی دکانیں دہلی میں کھلی رہی ہوں تو عجب نہیں (خطوطِ غالب ص...)۔ [4] غالب آبادیوں اور زردشتیوں میں فرق نہیں کرتے لیکن آبادی جن کے عقائد دبستانِ مذاہب میں درج ہیں، بمشکل زردشتی کہے جا سکتے ہیں۔ یہ بات بالکل ثابت نہیں کہ

[باقی حواشی صفحہ ۲۷۳ پر]

آئے تھے، ان لفظوں کی بھی خاصی تعداد تھی جنھیں غالب نے قادر نامہ میں نظم کیا تھا۔ مجھے خیال ہوا کہ اگر قاطع برہان وغیرہ کے صرف تحقیق و تشریحِ الفاظ سے متعلق حصے غالب کی دوسری کتابوں کے حلِ لغات کے ساتھ ایک کتاب میں حروفِ تہجی پر مرتب کر دیے جائیں تو ان کی برسوں کی محنت اکارت ہونے سے بچ جائے گی۔"

غالب نے کسی لفظ کو بہ طور مرادف تحریر کیا تھا، تو یہ بھی فرہنگ میں مستقلاً درج ہوا ہے، اور اس کی وجہ یہ دی ہے کہ "جو الفاظ اصحابِ غالب کے چنے ہوئے لفظوں کو اپنی تحریروں میں استعمال کرنے کے خواہاں ہوں، وہ مشہور اور مستعمل لفظ کے ذریعے اس لفظ تک بہ آسانی رسائی حاصل کر سکیں، جو غالب نے فارسی ذخیرۂ الفاظ سے اپنے لیے چنا تھا۔"

غالب کے اقوال کی صحت یا عدمِ صحت میں بہت کم بحث کروں گا، اس تبصرے کی اصلی غرض یہ دکھانا ہے کہ جناب مرتب نے اپنے فرائض کس طرح ادا کیے ہیں۔

۱ مرتب اس کا مجاز ہے کہ مصنف کے اغلاط کی حواشی میں، یا کہیں اور نشان دہی کرے، لیکن "اس مصنف" کا ایک لفظ بدلنے کا بھی حق نہیں پہنچتا۔ فرہنگ میں اس مسلّمہ اصول کی کہیں کہیں خلاف ورزی ہوئی ہے، اور بعض جگہ غلط فہمی سے غالب کے مدعا کے خلاف درج ہو گیا ہے۔

(۱) قراب کے بارے میں غالب کہتے ہیں "قراب (کذا) کچھ ان سا غریب لفظ ہے، خاقانی کے کلام میں اور اساتذہ کے کلام میں بار بار جگہ آیا ہے۔ قراب اور سداب دونوں لغت عربی الاصل ہیں۔" (اردوئے معلی صـ ۱۶۲) فرہنگ میں قراب فتحے کے ساتھ ہے، بالکسر مندرج نہیں اور حاشیے میں مرقوم ہے کہ "میں نے جستجو کی تو قراب کے معنی ہم قدر اور ہم قیمت مل گئے۔" قراب القاموس المحیط، لسان العرب اور دوسری عربی فرہنگوں میں

بقیہ حاشیہ صـ ۳ | غالب کسی زردشتی کی تصانیف دیکھے ہوں۔ دساتیر کا بانی والا خود آبادی مذہب کا بانی ہے۔ دبستان کا مصنف قریب بہ یقین ہے کہ آبادی ہے۔ ژند رود اور خورشیتاب کے مصنف علانیہ آبادی ہیں۔ ان دونوں کے قلمی اور مطبوعہ نسخے بمبئی میں موجود ہیں۔ ان کی نسبت بھی یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ قدیم کتابوں کے تراجم ہیں، مگر دساتیر کی طرح یہ بھی جعلی ہیں [بقیہ حاشیہ صـ ۳ صفحہ پر ہے]

قاف کی تینوں حرکتوں کے ساتھ ہے۔ اس کا فیصلہ کرنے سے پیشتر کہ غالب کے یہاں قاف کی حرکت کیا ہے، جناب عرشی کے بیانات خاقانی کی طرف رجوع کرلیتے تو ان پر اس حقیقت کا انکشاف ہوتا کہ اس میں قراب بالکسر کم از کم پانچ جگہ آیا ہے، اور ایک جگہ بالضم یا بالفتح منظوم نہیں ہوا۔ خاقانی کے دو مصرعے یہ ہیں: "تا زِ تیغ او غضبہ کنند و قرابہ"، "دشمنِ سنجری زقضا در قراب شد"، "بہ تیغ صبح زنگ کوہ کردہ قراب"، "تیغ پالنش از قراب رسادہ کافسر شاہاں کشید تیغ چو صبح از قراب"، دوسرے اساتذہ کے یہاں بھی قراب بالکسر بہ کثرت ملتا ہے، امامی ہروی کی دیوان (کتب خانۂ مشرقیہ بانکی پور = م) اور عرفی کی دیوان قصائد سے ایک ایک مصرع نقل کیا جاتا ہے "تیغ ہندی را زبان بفشرد در کام قراب" "چوں تیغ کشند قراب توبہ" قراب بہ قاف مضموم یا مفتوح کسی ایرانی شاعر کے کلام میں میں نے دیکھا۔ صاحب بہار عجم کا قول یہ ہے کہ قراب بالکسر ترکی ہے، مگر نہ تو یہ فضل اللہ کی ترکی فرہنگ میں ملا، اور نہ لسان العرب وغیرہ میں اس کے معرب ہونے کا ذکر ہے۔

(۲) سداب فرہنگ میں نہیں لیکن حاشیے میں ہے کہ "سداب کوئی عربی لفظ نہ نکلا، میں گمان کرتا ہوں کہ سراب ہے" جناب عرشی نے غالب کا یہ قول تو نقل کیا ہے کہ سراب عربی الاصل ہے، لیکن غالب کا یہ بیان کہ سداب کتب طب میں اور عرفی کے یہاں

[باقی حاشیہ صفحہ ۲۷۳] دساتیر کی زبان بالکل مصنوعی ہے، اس کے ترجمے اور تفسیر کی زبان 'دری' بتائی گئی ہے لیکن اس میں بہت سے مصنوعی الفاظ شامل ہیں۔ دبستان کی زبان عربی آمیز فارسی ہے، مگر کچھ نامانوس فارسی الفاظ اس میں موجود ہیں۔ تندہ رود اور خوشتاب کے بارے میں خود غالب کی رائے ہے کہ "سراسر در گیرندہ بہ غوامض کیش و مذہب است، نہ راہ نمایندہ بہ قواعد نطق و تقریر پارسیان" (درفش ص ۱۳)۔ غالب کے قدیم فارسی الفاظ کے استعمال کا شوق ممکن ہے کہ دبستان کے مطالعے سے ہوا ہو۔

۵ حاشیوں کی قید صحیح نہیں، مہر نیم روز اور دستنبو کے آخر میں فرہنگیں ہیں (کلیات نثر طبع اول)

۶ آہنگ دوم میں جو مفردات و مرکبات ہیں، وہ لازماً غالب کے استعمال کردہ نہیں، اور نہ غالب نے یہ دعویٰ کیا ہے ۷ سوال کے بغیر بھی الفاظ سے بحث کی ہے ۸ مبہم الفاظ میں ٹھیک پتا نہیں چلتا کہ کیا لیا ہے اور کیا چھوڑ دیا ہے۔

ہے۔ قلم انداز کر دیا ہے۔ سداب غالباً عربی الاصل نہیں، لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ یہ کوئی لفظ ہی نہیں، سراب کا مصحف ہے۔ سداب طب کی ان تمام فرہنگوں میں جو مفردات سے بحث کرتی ہیں[۱] اور جن کی طرف اس وقت میں نے رجوع کیا ہے، موجود ہے۔ شعرائے فارسی میں نہ صرف عرفی بلکہ خاقانی، سیف الدین اسفرنگی وغیرہ کے کلام میں ملتا ہے۔ "بسی سال زلفش معصیت زاکنون دہد بخ سداب توبہ" عرفی "افسردہ تر زبرف دل چوں سداب شان خاقانی۔ ہم چوں سداب نسل خود از خود بریدہ ایم" سیف سداب تو نہیں، مگر سذاب عربی فرہنگوں میں بھی ہے۔ قاموس میں ہے: "السذاب[۲] البقل وہو بقل معروف"۔ صاحب قاموس کے عہد میں بلکہ اس سے سیکڑوں سال قبل سے ایران میں خاص خاص علاقوں سے قطع نظر، سداب ذال معجمہ ہی سے لکھا جاتا ہے۔ فارسی الفاظ میں کہاں دال مہملہ اور کہاں ذال معجمہ ہونی چاہیے، اس کے بارے میں ابن یمین نے دو قطعے لکھے ہیں،[۳] جن میں سے ایک یہ ہے۔

"گرت میل باشد کہ در پارسی | بہ دال را باز دانی زدال
بگویم ترا ضابطہ یاد گیر | کہ این را نیابی بہ گیتی بحال
اگر پیش او حرف علت بود | بجز ذال معجم ندارد مجال
در آں حرف جز حرف علت بود | نگہ کن کہ آں حرف ساکن چہ حال
اگر ہست ساکن تو اخی دال دال | دگر نہ ہماں ذال معجم نہ دال"

(۳) فرہنگ میں تیر کی یا مکسور ہے، اور یہ صحیح ہے مگر ہندوستان میں کچھ لوگ فتحہ یا سے بھی بولتے اور لکھتے ہیں۔ حرکت یا کے بارے میں غالب کا کوئی بیان موجود نہیں لیکن، قریب بہ یقین ہے کہ وہ ہی کو مفتوح سمجھتے تھے۔ ان کے کلیات نظم فارسی میں تیر کا گوہر، لشکر، ساغر وغیرہ کا قافیہ آیا ہے اور ایک جگہ بھی اس طرح منظوم نہیں ہوا کہ کسرۂ یا پر شعر ہو سکے۔

نگہ خشتم گینش از تیزی | نور از روی تیر اندازد

۱۔ اختیارات بدیعی، تحفۃ المومنین، ریاض الادویہ، الفاظ الادویہ ۲۔ کلیات ابن یمین بخشی طبع ایران ۱۹۶۰ء۔ ۳۔ مثلاً ڈاکٹر عبداللطیف مصنف غالب (غالب طبع ۲ ص ۲)

نامہ بنازد بہ خویشتن کز اثر فیض مدح　　　نقطہ زبس روشنی تابش نیّر گرفت

آفتابی و شیر مرکب، تست　　　آسمانی و جبہہ نیّرِ تو

صد آفتاب تواں ساختن بہ بازیچہ　　　ز ذرّہ کہ بود در ضیای نیّرِ من

اس خیال کو کہ غالب کے نزدیک نیّر کی ی مفتوح تھی، اس امر سے تقویت ہوتی ہے کہ کلیات (اشاعت دہلی) کے سرورق پر اس کتاب کے مصحح اور غالب کے تلمیذ خاص ضیاء الدین احمد کا تخلص نیّر بہ فتحہ یا مرقوم ہے۔ اور انھوں نے اسے انور و اصغر کا قافیہ بھی باندھا ہے۔

از کوری خود بہ روز انور عقرب　　　نیشے زدہ بپای نیّر عقرب

برہم رسد از تو چشم زخمے نہ بمہر　　　من نیّر اعظم نہ اصغر عقرب

نیّر کا فقرا اور مجاور[1] کی طرح نہیں کہ فارسی میں حرف ماقبل را مفتوح بھی مستعمل ہو۔

(۴) فرہنگ میں ماہو بای عربی کے ساتھ بہ معنی چوب دست شبانان درج ہے اور حاشیے میں ہے کہ غالب نے غلطی سے ماہو بالمیم لکھ دیا ہے۔ اگر اس سے مراد سہو قلم ہے تو یہ صحیح نہیں، غالب نے صراحتہً بتایا ہے کہ ماہو م سے ہے، اور اس کی ان کے پاس سند موجود ہے۔ (ملاحظہ ہو برہان قاطع) غالب اور برہان ممکن ہے کہ غلطی پر ہوں، لیکن فرہنگ میں اسے باب م میں ہونا تھا۔

(۵) کومہ باب[2] کاف عربی میں ہے، گو جناب عرشی حاشیے میں معترف ہیں کہ غالب کی کتابوں میں کاف فارسی سے ہے۔ ان کا دعوی ہے کہ کل فرہنگ نگار اس پر متفق ہیں کہ یہ کاف عربی سے ہے لیکن، وہ خود آرزو کا ایک قول نقل کرتے ہیں، جس سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ ایسے فرہنگ نگار صفحۂ ہستی پہ موجود ہیں جو اسے کاف فارسی سے لکھتے ہیں۔ غالب کو مسلک کے مطابق اسے باب کاف فارسی میں ہونا تھا۔

(۶) ترّہات فرہنگ میں ترہات (بغیر تشدید) درج ہے۔ غالب اس کی نسبت قاطع میں لکھتے ہیں "بہ وزن آہیات می آورد۔ لغت فارسیت، مرکب از ترہ وات" ظاہر ہے کہ ت کے ضمّے پر اعتراض ہے، تشدید را سے تعرض نہیں۔ برہان میں تُرّہات سے

---

[1] مجاور کے یہ کیفیت پہلے تھی، اب نہیں۔ [2] پنج آہنگ میں صراحتہً لکھا ہے کہ کاف فارسی سے ہے۔

قبل تترہ آیا ہے اور اس کے بارے میں مرقوم ہے: "بالتشدید ثانی و بایں معنی بہ تخفیف ہم آمدہ است۔" اگر غالب تشدید را کو غلط سمجھتے تو برہان پر ضرور معترض ہوتے۔ تترہات شعرائے فارسی کے کلام میں اس کثرت سے ملتا ہے کہ غالب کی نظر سے نہ گزرنا مستبعد ہے (نکات موعظ خواں ترہات مستان شد۔ کلیات طالب آملی م) شعر میں آخر ت کی حرکت کا تو پتا نہیں چل سکتا، لیکن یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ مشدد ہے یا نہیں۔ طرہ یہ کہ فرہنگ میں تترہ بہ تشدید درج ہے اور بعض دوسری کتابوں کے علاوہ قادر نامہ کا حوالہ دیا ہے۔ اس میں غالب نے خود بہ تشدید نظم کیا ہے: "سیر الیمن تترہ بدلی تترہ سہاگ" فرہنگ میں بہ تشدید را لکھنا تھا۔

(۷) پولہ کے معنی حصہ ۱ اور ۲ دونوں میں مضمحل مرقوم ہیں۔ یہ غالب کے مدعا کے خلاف نظر آتا ہے۔ برہان میں ہے کہ "خربزہ مضمحل شدہ را گویند۔" غالب نے قاطع کی اشاعت اول میں لکھا تھا: "پولہ خربزہ مضمحل را نوشت، چوں در ہندی نیز بدیں معنی شہرت دارد، عجب از جامع کہ بہ توافق لسانین اشارت نہ کرد۔" اشاعت ثانی میں یہ عبارت بجنسہ موجود ہے، لیکن اس پر یہ اضافہ کیا ہے: "نہ نے چارہ توافق لسانین راچہ داند، آں را خود تفرقہ در ہندی و فارسی نیست، آں کہ جمد مہرو گلہری را در ذیل لغات فارسی و عربی گنجانید، اگر پولہ نیز نوشتہ باشد، گو بنویس، اما تخصیص خربزہ مضمحل تماشا کردنیست۔" درفش ص‌۵۔ اشاعت اول میں کوئی اعتراض خربزہ مضمحل پر نہ تھا، شکایت تھی تو صرف یہ کہ توافق لسانین کی طرف کیوں اشارہ نہیں کیا۔ اشاعت ثانی میں ظاہرا غالب اس سے گریز کرتے ہیں کہ پولہ فارسی ہے اور خربزہ مضمحل کی تخصیص کو قابل تماشا قرار دیتے ہیں۔ جناب عرشی نے اس کے یہ معنی لیے ہیں کہ مضمحل صحیح اور خربزہ غلط، میرے نزدیک غالب کی تمام عبارات کو پڑھ کر اس کے سوا کوئی اور نتیجہ نہیں نکلتا کہ مضمحل کی قید غلط ہے۔ اگر یہ نہیں، تو پھر برہان کے حوالے سے خربزہ مضمحل کے معنی بتانے کے بعد یہ کہنے کے کیا معنی کہ "در ہندی نیز بدیں معنی شہرت دارد"؟ یہاں اصل لفظ خربزہ ہے یا مضمحل؟ غالب کی عبارت سے جو مطلب نکلتا ہے فرہنگ میں

۱؎ پولہ کے لیے جناب عرشی نے تیغ تیز کا حوالہ نہیں دیا۔ اس کتاب میں کیا ہے اور مجمع الفرس سروری میں پولہ کے متعلق کیا لکھا ہے، اس کی بحث "غالب بہ حیثیت محقق" میں ملاحظہ ہو۔

وہی لکھنا تھا اور جناب عرشی کی رائے میں غالب کا مافی الضمیر واضح نہیں تو حاشیے میں اس کا ذکر کرنا تھا۔

(۸) حصّہ ۲ میں ٹھرّا (”دیسی خراب شراب“ نوراللغات جلد ۲) کے مترادف دُرد اور تاہو بتائے ہیں، دُرد ہرگز ٹھرّے کا ہم معنی نہیں، اور نہ غالب نے یہ کہیں لکھا ہے۔

(۹) فرہنگ میں فائزہ زائے فارسی سے ہے، حال آں کہ جناب عرشی خود معترف ہیں کہ غالب کے نزدیک زائے عربی سے تھا۔

(۱۰) غالب قاطع میں مُصر ہیں کہ نامراد اور بے مراد کے معنی بالکل مختلف ہیں، لیکن بعد کو اپنے ایک خط میں جو بے خبر کے نام ہے، انھوں نے اقرار کیا ہے کہ نامراد بہ معنی بے مراد کے معنی میں بھی صحیح ہے۔ فرہنگ میں صرف پہلا قول درج ہے، تبدیل رائے کا مطلقاً ذکر نہیں

(۱۱) بسمل کی نسبت غالب کا یہ قول کہ بہت برا نا لفظ ہے، فرہنگ میں ہے مگر اسی کتاب میں جہاں یہ ہے، یہ بھی ہے کہ یہ فارسی مستحدث ہے، اور یہ فرہنگ میں نہیں۔

(۱۲) شوم بہ معنی سبب مہر ہم روزا اور دستنبو کے حوالے سے فرہنگ میں ہے، لیکن ان کتابوں میں شوہ ہے۔ گون حصّہ ۲ میں بہ معنی اتباع ہے، لیکن غالب نے بہ معنی ابنان لکھا ہے۔

(۱۳) فرہنگ میں بندہ ہے، جو قاطع کے مطابق ہے، لیکن یہ نہیں کہ تیغ تیز میں غالب نے اعتراف کر لیا تھا کہ شاید پندہ ہو۔

۲) کچھ الفاظ ایران میں کاف فارسی اور ہندوستان میں کاف عربی سے مستعمل ہیں، اور یہ بھی ہے کہ ایران میں کوئی لفظ کاف عربی سے ہو، اور ہندوستان میں کاف فارسی سے۔ افکندن مؤخرالذکر الفاظ میں ہے، غالب نے صراحتہً لکھا ہے کہ کاف عربی سے صحیح ہے، اور فرہنگ میں غالب کی پیروی کی گئی ہے۔ گشت دن اور گنجشک اور بیگاہ مقدم الذکر الفاظ میں ہیں، غالب نے ان کے متعلق اپنی کوئی رائے ظاہر نہیں کی، لیکن ان کی کتابوں میں ان کا املا رواج ہندوستان کے مطابق ہے، اور فرہنگ میں اسی کا تتبع کیا گیا ہے۔ حواشی میں یہ اطلاع دینی ضرور تھی کہ غالب نے صراحتہً ان کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔

۳) ظاہراً جناب عرشی کا اصول یہ ہے کہ املا غالب کے مسلک کے مطابق ہونا چاہیے خواہ

وہ غلطی ہی پر کیوں نہ ہو، اسی بنا پر پنبہ، قاق وغیرہ ز سے لکھے گئے ہیں۔ فرہنگ میں اٹھوارہ، تارہ، کبوتڑہ بائے مختفی سے ہیں، حالانکہ ان کا صحیح املا الف سے ہے۔ اگر یہ صرف اسی وجہ سے ہے کہ غالب کی مطبوعہ کتابوں میں اسی طرح ہے تو اچھوتا کو اچھتا کیوں نہیں لکھا؟ قاطع کی اشاعت اول میں جس کی کتابت شیخ امیر اللہ تسلیم لکھنوی نے کی تھی، اچھوتا ہونا صراحتہً اس پر دال ہے کہ اصل مسودہ میں اسی طرح ہو گا۔ قاطع کی اشاعت ثانی میں بھی اس کی تصحیح کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، اور مؤید برہان میں اس پر اعتراض ہوا تو غالب نے اسی درخور اعتنا نہ قرار دیا۔ بھونا جس کتاب سے لیا ہے اس میں نون غنہ سے نہیں، لیکن فرہنگ میں نون غنہ بڑھا دیا گیا ہے، جس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ جناب عرشی کو ایک قاعدہ بنانا تھا اور اس پر عمل کرنا تھا۔

۴) فرہنگ میں ایسی باتیں جنھیں نفس لغت سے کچھ سروکار نہیں، درج ہو گئی ہیں، لیکن بعض لغات کے متعلق ضروری معلومات جو غالب کے یہاں موجود ہیں، قابل اندراج نہیں سمجھی گئیں مثلاً خطاب، شکوہ، صدا کے متعلق ۸،۴ سطروں میں سے ۲ نہ قلم انداز کی جا سکتی تھیں، ایلا کی نسبت غالب کا اصلی قول صـ۱۹۰ کے حاشیے میں منقول ہے، اور یہی مطالب بہ حوالۂ نادر بدون اشعار سند صـ۳۰ پر بھی درج ہیں۔ نادر کی عبارت کا نقل کرنا ہرگز مناسب نہ تھا۔ افسوس کی اصل کے متعلق غالب کی تبدیل رائے، شنگ کا ترکی ہونا، بی پیر کا استعمال اردو میں غالب کے مسلک کے مطابق ناجائز ہونا اور سپنا دکو غالب کا مستحدث فارسی سمجھنا ایسی باتیں نہ تھیں جن کا حذف مستحسن قرار دیا جاتا۔

۵) اپنے دستور کے خلاف جناب عرشی نے کہیں کہیں غالب کی کتابوں کا حوالہ نہیں بھی دیا۔ مثلاً مجھے اس کا پتا نہ چل سکا کہ ٹھہرا یہ معنی درد و غالب کی کسی کتاب میں ہے۔

۶) فرہنگ میں کسی لغت کے متعلق غالب کی کل بیانات یکجا نہیں، چلمچی بالاستقلال حصۂ ۲ میں ہے، مگر اس کی نسبت یہ اطلاع کہ ترکی ہے حصہ اول میں ملتی ہے۔ ایلا کے متعلق کچھ باتیں صـ۳۰ میں ہیں اور کچھ صـ۱۹۰ کے حاشیے میں۔ الف کی چند قسمیں صـ۱۹ پر اور ایک قسم ہدا کے تحت صـ۴۴ پر درج ہے۔

۷) غالب کا مسلک ہے کہ اصل لغت بالاستقلال فرہنگ میں درج ہو اور تفرع کے

تصرفات اگر قابل اعتنا ہیں تو ضمناً آئیں۔ جناب عرشی نے دریچہ (بہ فتحۂ یا) کو جو غالب کے نزدیک اصل لغت دریچہ (بہ سکون یا) میں تصرف سے پیدا ہوا ہے، اصل لغت قرار دیا ہے اور دریچہ (بہ سکون یا) کو اس کے ذیل میں درج کیا ہے۔ اس لغت کی بحث میں غالب نے دریّچہ (بہ تشدید چ) کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا، وہ بھی حذف کر دیا گیا ہے۔ دراصل دریچہ (بہ فتحۂ یا) کوئی لفظ ہی نہیں، طغرا کے شعر۔

روز و شب دریچۂ مشرق و مغرب باز است   ورنہ از تنگی این خانہ قفس می گردد

میں دریچہ (ی کے ساتھ) نہیں دریچہ (درب + چہ) ہے، اور کلیات طغرا کے ایک صحیح نسخے میں جو ہم میں ہے، چ سے قبل کے حرف کے نیچے صاف ایک نقطہ ہے۔ کسی ایرانی، تورانی یا ہندوستانی شاعر نے یائے معروف کے ساکن کو فتحے سے نہیں بدلا۔ درب فارسی نہیں، عربی ہے، مگر برابر فارسی میں مستعمل رہا ہے۔ ابو النصر فراہی کا مصرع ہے:۔ "سکہ کوچہ و درب دروازہ است معبر رہ گذر" (النصاب صہ) رموز حمزہ میں بھی یہ لفظ آیا ہے اور عہد حاضر کے ایک ناول ہما میں بھی ہے۔ فرہنگ کی دو حصوں میں تقسیم غالب کے الفاظ میں 'زائد بات' ہے دوسری اشاعت میں یہ نہ ہو تو بہتر ہے رموز کے ذریعے کتاب کی ضخامت میں زیادہ اضافہ کیے بغیر بہ آسانی بتایا جا سکتا ہے کہ کون سا لغت کس زبان کا ہے۔ غالب کے دیے ہوئے اطلاعات اور دار و ترتیب کے فراہم کردہ معلومات اس طرح پیش کیے جائیں کہ یہ پتا چل جائے کہ کس کی ذمہ داری کس کے سر ہے غالب نے فارسی، فارسی قدیم، پہلوی وغیرہ میں اور اردو، ہندی زبان علمی بند وغیرہ میں فرق بھی کیا ہے۔ اس کا لحاظ بھی ضروری ہے۔

دو حصوں میں تقسیم سے جو خود جناب عرشی کا فعل ہے بڑی مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔ اور وہ ان سے اچھی طرح عہدہ بر آ نہیں ہو سکے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "پہلا (حصہ) عربی و فارسی وغیرہ پر اور دوسرا اردو الفاظ پر مشتمل ہے" اس سے یہ توقع ہو گیا کہ دوسرے حصے میں صرف وہ لغات درج ہوں گے جو اردو ہیں، اور عربی، فارسی، ہندی قدیم وغیرہ اور وہ لغات جن پر اردو کا اطلاق نہیں ہو سکتا حصہ اول میں جگہ پائیں گے لیکن یہ طے نہ ہو سکا کہ عربی، ترکی وغیرہ کے الفاظ جو دونوں زبانوں میں رائج ہیں، دونوں حصوں میں درج ہوں گے یا صرف ایک میں، اور فارسی کے وہ الفاظ جو اردو میں بھی

رائج ہیں، ان کا کیا حشر ہوگا۔ قدر بلگرامی نے پناہ کی اردو پوچھی تھی، غالب نے جواب دیا کہ "یہ مشترک ہے اردو میں اور فارسی میں۔" پناہ کا ترجمہ اردو میں پوچھنا نادانی ہے۔ اردو کے متعلق ان کی یہ رائے ہے کہ فارسی اور ہندی سے مرکب ہے۔ خود غالب ان تمام لغات کو جو دونوں زبانوں میں رائج ہیں دونوں حصوں میں درج کر دیتے۔ جناب عرشی نے اپنے مسلک کی توضیح کی ہے، اور وہ نہ کسی قاعدے کے پابند معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) لغات ذیل کو دونوں حصوں میں جگہ دی گئی ہے: ۱ شراب، ۲ آسمان، ۳ معنی، ۴ پودینہ[1]، ۵ پیوند[2]، ۶ بلبل[3] (واضح رہے کہ یہاں یا کہیں اور یہ مدنظر نہیں رہا کہ مکمل فہرست پیش کی جائیں)

لغات ذیل صرف حصہ ۱ میں موجود ہیں: ۷ آفتاب، ۸ آواز، ۹ افطار، ۱۰ اقرار، گردن، امید، سزا، حاکم، حال، افسوس، خواہش، کاغذ، شلوار، آئینہ، پیمبر، مقام، ۲۳ تکیہ۔

لغات ذیل صرف حصہ ۲ میں مندرج ہیں: ۲۴ باغبان، روزہ، عرش، میراث، بُجد، مورّخ، حالت، تبرّک، آمین، حکم، مد، ۳۵ پناہ۔

۷ تا ۲۳ اور ۲۵ تا ۳۵، ۱ تا ۶ سے کس طرح مختلف ہیں، سمجھ میں نہ آیا۔ یہ سب اہل ایران کی بول چال اور کتابی زبان دونوں میں شامل ہیں۔ باغبان کتابی اردو ہے، باقی جتنے لغات ہیں، وہ اردو والے بولتے بھی ہیں، اور کتابی زبان میں بھی داخل ہیں۔ اب اگر کچھ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں کہ ۷ تا ۲۳ غالب کی اردو میں اور ۲۴ تا ۳۵ غالب کی فارسی میں داخل نہیں، تو یہ ان کا قصور نہ ہوگا۔ ایک بحث اور بھی پیدا ہو گئی ہے: حصہ ۲ میں ۷ تا ۲۳ کے جو اردو مترادف دیے ہیں، ان میں سے بعض واقعی مترادف نہیں، جیسے آئینہ حصہ ۲ میں بالاستقلال نہیں، آرسی ہے اور اس کے معنی آئینہ بتائے گئے ہیں

---

[1] پودنہ غالب کے زمانے میں ایک چڑیا کا نام ہے اور نعناع کی فارسی پودینہ ہے لیکن پودنہ فارسی میں نعناع کے معنی میں مذکور ہے: نعناع پودنہ است واثاثات ومتاع رخت نصاب ص ۲۳۔ [2] حصہ ۱ اور ۲ میں مختلف معنی درج ہیں لیکن جو معنی حصہ ۲ میں وہ بھی ہندی کی پیداوار نہیں۔ [3] حصہ ۲ میں بلبل کی صرف جنس بتائی ہے۔ گلشن، خرام وغیرہ بھی صرف حصہ ۲ میں ہیں اور ان کی بھی صرف جنس مذکور ہے۔ [4] قدیم اردو سے بحث نہیں، غالب کے زمانے کی اردو سے بحث ہے۔

آرسی جیسا آئینہ کا ٹکڑا اجڑا ہوتا ہے، لیکن اس وجہ سے اسے آئینہ نہیں کہہ سکتے۔ حصہ ۲ میں اگر آئینہ بھی ہوتا تو صرف یہ قباحت ہوتی کہ اس کا مترادف غلط درج ہوتا اور اس کی ذمہ داری جناب عرشی کے سر نہ ہوتی، آئینہ کے نہ ہونے سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ یہ اردو نہیں، اس کی جگہ آرسی ہی کا استعمال چاہیے۔ حصہ ۱ میں ۴۲ تا ۵۳ کے جو مترادف درج ہیں، ان میں سے کچھ نامانوس ہیں، بعض کا فارسی ہونا مشتبہ ہے، اور بعض گو فارسی ہیں، مگر ان معنی میں نہیں جو بتائے گئے ہیں۔ اس سے بھی وہی قباحت پیدا ہوتی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ تہم لفظی تغیر کے ساتھ بہ معنی دلیر اوستا میں موجود ہے، اس کے معنی عرشی نہیں۔ تبرک کے لیے فرشاد و پرشاد، آمین کے لیے تراج حد درجہ نامانوس ہیں۔ ان کی صحت کے متعلق میں اس وقت کچھ نہیں کہوں گا۔

(۲) خسر (مفرس، بہ قول غالب) دونوں حصوں میں ہے، اور خسر حصہ ۲ میں بالاستقلال بھی ہے۔ کوتوال واقعی مفرس ہے، مگر فارسی اور اردو[1] میں معنی کا اختلاف ہے۔ یہ صرف حصہ ۲ میں ہے اور یہ قابل گرفت نہیں اس لیے کہ غالب نے صرف وہ معنی دیے ہیں جو اردو میں ہیں۔ فوقی نے ظاہراً شحنہ کے معنی میں بھی استعمال کیا ہے، مگر وہ ہندوستان آیا ہے۔ اسی حصے میں رت بھی ہے، غالب نے یہ نہیں کہا کہ مفرس ہے، لیکن فحوائے کلام سے یہی مترشح ہوتا ہے۔ ریختہ کی اس تفریس کو ایرانیوں نے بھی استعمال کیا ہو تو عجیب نہیں۔ گلہری اور جھکڑ صرف حصہ ۲ میں ہے۔ گلہری ذرا بدلی ہوئی شکل میں برہان اور اصلی شکل میں ایک ایرانی شاعر کے کلام میں ملتی ہے۔ جھکڑ جکڑ کی صورت میں عرفی نے نظم کیا ہے: "آں باد کہ در ہند گر آید جکر آید"

(۳) توافق یا عینیت، کی یہ شکل کہ لفظ و معنی میں ذرا بھی فرق نہ ہو، بہ قول غالب[2] جال، منگل، اور پوٹلہ[3] میں پائی جاتی ہے، اور یہ دونوں حصوں میں ہیں، یہی حال بہ قول غالب سوم، سنگم، ایتا، سرپرمن، ذرشت، فرتاب دیرتاب[4]، فرشتاد دپرشاد

---

[1] ہندی کا ٹ ت سے بدلی ہے۔ اصلاً ہند میں بھی وہی معنی تھے جو فارسی میں ہیں، اور قدیم ہندوستانی تاریخوں میں جو فارسی میں ہیں، قلعہ داری کے معنی میں آیا ہے۔ [2] میں یہ پہلے کہہ چکا ہوں کہ غالب کے بیانات کی صحت یا عدم صحت سے کم بحث کروں گا۔ اختلاف کا عدم اظہار لازماً غالب کی رائے سے اتفاق نہیں؟ [3] پوٹلہ کے متعلق غالب کا قول اوپر نقل ہو چکا ہے۔ [4] ف جس لفظ میں ہو گی، وہ بجنسہ ہندوستانی کس طرح ہو سکتا ہے؟

کا ہے، لیکن یہ صرف حصّہ ا میں ہیں۔ ان میں سے بعض اردو میں مستعمل ہیں، اور کوئی معقول وجہ نہیں کہ حصّہ ۲ میں جگہ نہ پائیں۔ مہمان، النگ، جی، اور دشت ایران وہند میں صورۃً ایک ہیں، لیکن معنی میں کسی قدر اختلاف ہے، ان میں سے مہمان اور النگ اور دشت صرف حصّہ ا میں ہیں، باقی دونوں حصّوں میں ہیں۔ بوم حصّہ ا میں ہے اور اس کے ذیل میں بجوم بھی ہے۔ حصّہ ۲ میں بھی یہ لفظ ہے، حال آں کہ یہ اردو نہیں بعض مرکبات میں آیا ہو تو آیا ہو۔ یہ توافق لسانین کی وہ شکل ہے جہاں صورت میں تھوڑا فرق ہوتا ہے، مگر معنی ایک ہوتے ہیں۔ نپاس اور تپنیا کان دکھان کی بھی وہی کیفیت ہے جو بوم وبجوم کی ہے۔ تپنیا نورالّلغات میں نہیں، مگر تپنیا ہے، کھان کا اردو ہونے میں شک نہیں، لیکن پڑھے لکھے لوگ کان ہی بولتے ہیں۔ پانی جس کی متعلق اپنی کوئی رائے ظاہر کیے بغیر غالب نے بعض فرہنگ نگاروں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ فارسی اور ہندی میں مشترک ہے، صرف حصّہ ۲ میں ہے، اور فرہنگ نگاروں کا قول حذف کر دیا گیا ہے۔ فرہنگوں میں سنائی کا ایک شعر ملتا ہے، جس کا مصرعِ ثانی یہ ہے: «نہ در آں دیدہ قطرۂ پانی»، لیکن یہ سنائی کے قلمی اور مطبوعہ دیوان میں نہیں کیا۔ قوتی نے «جل پانی» کائی کے معنی میں استعمال کیا ہے، مگر نہ صرف یہ کہ وہ ہندوستان آیا ہے، الفاظ تراشی بھی کرتا ہے۔ "تن تن" اور "تننا" غالب کے نزدیک "ہندی" اور فارسی میں مشترک ہے۔ اس سے کیا مراد ہے، اس کا فیصلہ مشکل ہے۔

(۴) خوی گیر، خویلہ، جولاہ وجولہ، زچہ، مالیدہ، دایہ حصّہ ا میں ہیں، اور ان کی کسی قدر بدلی ہوئی ہندی شکلیں، خوگیر، خیلا، جولاہہ، بچّا، ملیدہ، دائی حصّہ ۲ میں۔ دایہ فارسی میں مذکر مؤنث دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ چناں چہ فردوسی شاہ نامہ میں رستم کی زبان سے کہتا ہے۔

"مادر بہ گیتی چو من دایہ نیست" (نول کشوری جلد ۲ صفحہ ۲۱۴) نورالّلغات میں لکھا ہے کہ دائی دایہ کی خرابی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح شاہزادہ سے شاہزادی بنایا ہے، دایہ سے دائی بنا لیا ہے، اور بعد کو لفظ دایہ بھی صرف عورتوں کے لیے استعمال ہونے لگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دائی دھائی کی ایک شکل ہو۔ طیار اور بہ قول غالب اس کا ہندی تیار (بہ ذیل طیار) صرف حصّہ ا میں ہیں۔ خرادہ جو غالب کے نزدیک خواجہ زادہ

کا مخفف ہے، صرف حصّہ ۲ میں ہے۔ حصّہ ۱ میں غدا و ندزادہ بھی نہیں ہے۔ میں صاحب نور اللغات کی اس رائے کو مرجّح سمجھتا ہوں کہ یہ خواجہ زادہ کا مخفف ہے۔

(۵) توس[1] لکور انگریزی لغات کی ہندوستانی شکلیں صرف حصّہ ۱ میں ہیں۔ توس فارسی میں کبھی مستعمل نہیں رہا اور اردو میں ہے، اسی حصّہ ۲ میں ہونا تھا۔ لکور فارسی میں نہیں آیا۔ اس شکل میں غالب کے زمانے میں خاص ہندوستانیوں کی زبان پر ہو تو ہو، آج کل بھی عام لوگوں کی زبان پر نہیں، انگریزی داں انگریزی تلفظ کے مطابق بولتے ہیں۔ اگر اسے غیر اردو سمجھا جائے تو اس کا حصّہ ۲ میں عدم شمول ٹھیک ہے۔ ارگن مستقلاً صرف حصّہ ۲ میں ہے۔ غالب کے نزدیک ارغن مخفف ارغنوں کا بدل ہے۔ مجھے صاحب نور اللغات سے اتفاق ہے کہ انگریزی لفظ کی ہندوستانی شکل ہے۔

(۶) ترکی لغات بی بی، سوغات، توشک، نوکر، اور ترکی فارسی چیچک دو صرف حصّہ ۲ میں ہیں۔ ترکی چلپچی مستقلاً صرف حصّہ ۲ میں ہے، حصّہ ۱ میں سیلاب چین کے ضمیمہ میں یہ لفظ آیا ہے۔

(۷) بی بیر، سیلاب چین، چم و خم[2]، فہمائش[3]، مدعا بر آری جو اپنی فارسی شکل کے باوجود غالب کی رائے میں ہندوستان کی پیداوار ہیں۔ صرف حصّہ ۱ میں ہیں۔ پاجامہ جس کے متعلق غالب کی تصریح موجود نہیں، مگر یہ بھی ہندوستانی سمجھا جاتا ہے[4]۔ صرف حصّہ ۱ میں ہے۔ ختنگی (ایک خاص رنگ کا گھوڑا) اور پاخانہ جو غالب کے نزدیک پاجایہ کی تصحیف ہے[5]، مستقلاً صرف حصّہ ۲ میں ہیں۔ آسیب کے جو معنی غالب نے دیے

---

[1] فسانۂ عجائب میں مصنف کا یہ شعر ہے:۔

اس بت فرنگ کو دکھلا کے قاش دل   کہتا ہوں چکھو یہ دل بریاں کا توس ہے

[2] چم و خم جہانگیری میں ایک دوسری لغت چام کے ذیل میں آیا ہے اور ایک ایرانی شاعر کے کلام میں بھی میری نظر سے گزرا ہے، مگر اس وقت نہ اس کا نام یاد ہے، نہ شعر۔ [3] غالب کہتے ہیں کہ "فہمایش میاں بدعا دار جا اور لالہ گنشی داس ولد بھیروں ناتھ کا گھڑا ہوا ہے" مگر اردو میں بعض ثقات (مثلاً نظم طباطبائی، مرزا سودا وغیرہ) کی زبان پر ہے۔ [4] ایرانی شعرا اور ہند کے یہاں ملتا ہو تو عجب نہیں۔ غالباً صرفی استعمال کیا ہے۔ [5] یہ دراصل پا

ہیں وہ ہندوستان میں پیدا ہوئی ہیں یہ حصّہ ۲ میں ہیں، حصّہ ا میں بہ ذیل پری گرفتہ ہے، مگر غصّہ بہ معنی خشم صرف حصّہ ۲ میں ہے۔

(۸) آچار اور تربز اصلی ایرانی لغات مستقلاً صرف حصّہ ۲ میں ہیں، ہماری روزمرّہ میں صرف اچار اور تربز ہے۔ گو شعرا نے اصلی شکلیں بھی استعمال کی ہیں۔

(۹) مہردلی بہشتر مستقلاً اور مسینا مسینی دوسرے لغت کے ذیل میں صرف حصّہ ۲ میں ہیں۔ اما من صرف حصّہ ۲ میں ہے۔ مہردلی ہندوستان کے ایک مقام کا نام ہے جس کا فارسی فرہنگوں اور فارسی ادب سے کوئی سروکار نہیں، اگر محض اس وجہ سے کہ یہ لفظ دستنبو کی فرہنگ میں موجود ہے، اس کا شمول ضروری تھا، تو اسے حصّہ ۲ میں رکھنا تھا۔

(۱۰) انتظاری غالب کے نزدیک فارسی میں صحیح اور اردو میں غلط ہے، گو اردو کے بعض شاعروں کے یہاں نظم ہوا ہے۔ یہ صرف حصّہ ا میں ہے، مگر غالب کی رائے کہ اردو میں مستعمل نہ ہو، کہیں درج نہیں۔

(۱۱) ایسے مرکبات جن کے اجزا ہندوستانی اور اردو دونوں ہیں، مثلاً اٹھائی گیرا، دجین، گل تکیہ بجا طور پر صرف حصّہ ۲ میں ہیں۔

۸، فرہنگوں میں لغات اس ترتیب سے درج ہونے چاہیں کہ ان کی تلاش میں دشواری نہ ہو۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ آکسفرڈ ڈکشنری وغیرہ میں جو قاعدہ اختیار کیا گیا ہے، اس پر سختی کے ساتھ عمل کیا جائے۔ پرانی فرہنگوں میں بڑی ابتری ہے، ان کی تقلید کی ضرورت نہیں۔ ہر لغت خواہ وہ کسی قسم کا ہو (اس میں محاورات بھی شامل ہیں، ان کی تعداد زیادہ نہیں۔ جامع فرہنگوں میں ان کے متعلق دوسری صورت اختیار کی جاتی ہے) الگ الگ درج ہونا چاہیے، اگر ایک لغت کی ایک سے زیادہ شکلیں ہیں، اور اختلاف صرف حروف آخر میں ہے، تو اس شرط کے ساتھ کہ کسی کے نکالنے میں دشواری نہ ہو، یہ شکلیں ایک ساتھ یکے بعد دیگرے مندرج ہو سکتی ہیں، اور ان کا الگ الگ اندراج ضروری نہیں۔ جہاں الگ الگ لغات درج ہیں، کچھ ضروری نہیں کہ ساری بحث ہر شکل کے ساتھ ہو، ایک جگہ غالب کا مکمل بیان ہو اور دوسری جگہوں میں صرف اس کی طرف اشارہ۔ فرہنگ میں زیادہ تر لغات الگ الگ جلی قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ لغت کے بعد علامت وقف تو ضرور ہوتی ہے اور اس کے

بعد آغاز بحث ہوتا ہے۔ علامت وقف توضیح سے قبل کہیں کہیں دو لغتیں دی ہیں جیسے اسپہبد و سپہبد، کاس و کوس، پری زدہ و پری گرفتہ، کو دک و ربدک، پالوان و پالوانہ۔ ان میں صرف پالوان و پالوانہ ایک ساتھ ہو سکتے ہیں، باقی ماندہ کو الگ الگ پیش کرنا تھا۔ بہت سے لغات جلی قلم سے کہیں درج نہیں، یہ علامت وقف توضیح کے بعد ہی یا کچھ دور خفی قلم سے مرقوم ہیں، جیسے آہ مردار یر و (آب سیاہ) ریہ و (کودہ) کراسہ و (پنی) فرتاب و (پرتاب) طیار و (تیار) آژدن و (آجدن) قوسین کے اندر جو لغات ہیں، وہ ان لغات کے ذیل میں درج ہیں جو ان سے قبل لکھے گئے ہیں۔ ضماں کے ذیل میں صرف ضمانت نہیں، فراغ و فراغت وغیرہ اور یائے مصدری کی بھی بحث ہے۔ جھولا حصہ ۲ میں اس تصریح کے بغیر درج ہے کہ اس کا واو معروف ہے یا مجہول یا دونوں۔ اور اس کے معنی اور رگ (ہنڈولا) اور فالج دیے گئے ہیں۔ جھولا بہ واو مجہول اور جھولا بہ واو معروف دو مختلف الاصل، مختلف المعنی اور مختلف التلفظ لغت ہیں، چوں کہ عام طور پر اردو میں واو معروف و مجہول کے لکھنے میں فرق نہیں کیا جاتا، یہ دونوں ایک طرح لکھے جاتے ہیں۔ انہیں قطعی طور پر الگ الگ ہونا تھا۔ جو لغات بالاستقلال درج ہیں، ان میں بھی چند اپنے محل پر نہیں، مثلاً پائے باف اور پائجواں پا خاکی کردن کے بعد ہیں، ان کا محل پاہنگ کے بعد اور پائیز سے قبل تھا۔ پری زدہ و پری گرفتہ کی جگہ بھی پریدن کے بعد تھی، مگر یہ اس سے قبل درج ہیں۔

۹) یہ بات تو فیصل شدہ تھی کہ فرہنگ غالب میں وہی مفردات و مرکبات درج ہوں گے جن کے متعلق غالب نے کچھ لکھا ہے، لیکن، غالب کے یہاں ہر لغت کے متعلق ایک نوع کی بحث نہیں۔ اصولی طور پر پہلے ہی یہ طے کر لینا تھا کہ کس قسم کی بحث لغت کو اس کا حق دار بتاتی ہے کہ وہ فرہنگ میں شامل کیا جائے۔ ایسا فیصلہ نہ ہونے کی وجہ سے بکثرت لغات جو قابل اندراج تھے، فرہنگ میں جگہ نہ پا سکے اور کچھ جو اس قابل نہ تھے، اس میں داخل ہو گئے۔ جناب عرشی بعض مقامات پر کسی قاعدے کے پابند معلوم ہوتے ہیں تو دوسرے مقامات کو دیکھ کر معاً یہ احساس ہوتا ہے کہ "خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم"

(۱۰) فرہنگ نویسان قدیم کی تقلید میں اسمائے خاص زادشم، طوس وغیرہ باوجود

اس کے کہ ان کے لغوی معنی غالب نے نہیں بتائے فرہنگ میں موجود نہیں، لیکن ہلاکی، الیتور، الیجیک، سوق الحمائین جن کے لغوی معانی بھی مہر نیمروز میں ہیں، فرہنگ کے خارج ہیں۔
(ب) ترکی لغات: جدہ، تاش، ازقسہ قول جو مہر میں اپنے معانی کے ساتھ آئے ہیں فرہنگ میں نہیں۔ ترکی لغت بخشی کو ان پر ترجیح کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔
(ج) حصۂ دوم میں آمر ہے، جو غالب کے زمانے تک اردو میں داخل ہو چکا (اس بنا پر اسے حصۂ اول میں ہونا چاہئے تھا) لیکن آج کل نہیں، جو مستعملۂ سودا ہے:-

ولیسے اس کی فرض ایسا کہ جیسے ہیہ اچل،

(د) نشیت کے متعلق فرہنگ میں صرف اسی قدر ہے کہ اس کا املا غلط ہے، فرہنگ میں شمول کے لیے یہ کافی ہے تو اسنجر کیوں نہیں؟
(ھ) کچھ لغات کی صحیح شکلیں غالب کے نزدیک ایک سے زیادہ ہیں، اس کا التزام نہیں کہ سب فرہنگ میں ہوں۔ ابکار و آبکار، نیو و نینو، پالک و پالک میں سے ہر ایک بالاستقلال موجود ہے، لیکن آمیغ و امیغ، آداک و اداک، برسان و پربرونا، پاداش و پاداشت، بالش و بالشت میں سے صرف ایک ایک ہے، دوسرا ذیل میں بھی نہیں۔ بعض لغات کی یہ کیفیت ہے کہ ایک شکل مستقل لغت قرار دی گئی ہے اور دوسری بہ طور معنی درج ہوئی ہے۔ صاحب برہان نے کہیں کہیں ایسا کیا ہے اور غالب نے اسے نشانۂ ملامت بنایا ہے۔
(و) وہ لغات جو غالب کے نزدیک غلط ہیں، فرہنگ میں مستقلاً موجود ہیں، لیکن کوئی لغت جس کی ایک سے زیادہ شکلیں ہیں، اپنی غلط شکل میں بالاستقلال نہیں پایا جاتا۔ غلط شکلیں کسی لغات کے ذیل میں البتہ ملتی ہیں، جیسے سگالیدن کے تحت سگالیدن کو غلط بتایا ہے، ہزار کے ذیل میں ہزار دستان کو صحیح اور ہزار داستان کو غلط قرار دیا ہے۔ مگر زکیدن، ترفند، آژدن وغیرہ کی وہ شکلیں جن کی غالب نے تغلیط کی ہے کہیں فرہنگ میں نہیں۔
(ز) ایسے لغات جو غالب کے نزدیک قطعاً غلط ہیں، یا جن کی صحت ان کی رائے میں مشتبہ ہے فرہنگ میں بالاستقلال درج ہیں، مثلاً فہالیش، پالوایہ، جینود۔ اس قسم کے دوسرے لغات ابدام، آرازش، آبگاہ، البشترہ، آزفنداک وغیرہ کو شامل

فرہنگ میں ہونا تھا۔

(ز) غالب نے کچھ لغات اور ان کے معنی برہان سے نقل کیے ہیں، لیکن معانی کی تصدیق یا تکذیب نہیں کی۔ ان لغات برہان کے اعتراض کچھ اور باتوں سے سروکار رکھتے ہیں، فرہنگ میں ان کا شمول نامناسب نہیں۔

(ح) قادر نامہ میں بہت سے مشہور لغات اور ان کے معانی دیے، مگر یہ کتاب بچوں کے لیے لکھی تھی، غالب کا مسلک یہ ہے کہ انھیں فرہنگ میں داخل ہونے کا کوئی حق نہیں۔ قادر نامہ کے لغات کے شمول میں مضایقہ نہیں، لیکن ایسے وہ لغات جو قاطع میں برہان سے منقول ہیں، اور جن کے متعلق صرف یہ لکھا ہے کہ انھیں برہان میں شامل نہ کرنا تھا، فرہنگ میں انھیں جگہ دینے کی ضرورت نہیں، اور جناب عرشی نے بھی یہی کیا ہے، لیکن 'بگو'، 'بشنود'، 'بخورد' کا کو مستقل لغات قرار دینا ٹھیک نہیں خواہ وہ کہیں سے لیے گئے ہوں۔

(ط) مصادر کا شمول صحیح ہے، بلکہ وہ مصادر بھی دینے چاہییں، جو بای زائدہ کے ساتھ برہان میں ہیں اور غالب نے ان پر اعتراض کرنے کی غرض سے انھیں قاطع میں نقل کیا ہے۔ غالب کا دعویٰ ہے کہ مصدر بر بای زائدہ نہیں ہوتی، لیکن پنج آہنگ میں خود لکھا ہے کہ نظم میں مصادر بای زائدہ کے ساتھ آتے ہیں اور باد مخالف میں بگذاشتن نظم بھی کیا ہے۔ ایرانیوں کی نظم میں مصدر کے ساتھ بای زائدہ بہ کثرت ملتی ہے۔

(ی) مصدر کے مشتقات جن کے متعلق کوئی اختلاف نہیں، اور جو ہر شخص کو معلوم ہیں، ان کا شمول بے کار ہے۔ نون نفی کے ساتھ افعال وغیرہ کا دینا بھی فضول ہے۔ غالب بھی اس کے مخالف تھے۔ وقتی ضرورت سے غالب نے کسی فقرے کا ترجمہ کرلیا تھا اور اس میں کوئی خاص بات نہیں تو فرہنگ میں اس کا اندراج بھی بے سود ہے۔

(ک) غالب نے کسی لفظ کو بہ طور مترادف تحریر کیا تھا تو اسے بھی مستقل لغت قرار دیا ہے۔ اس میں ایک طرف تو یہاں تک اہتمام ہے کہ "عجب نیست" اور "اوج بیان سے گزرنا" تک بالاستقلال موجود ہیں، دوسری طرف کئی ایسی لغات جن کا شمول ضروری تھا، لغت میں مستقلاً درج نہیں مثلاً چلتہ، ماہ، وایہ، مورہ مسام، اسد۔

(ل) غالب اس کے خلاف ہیں کہ وہ کنایات اور استعارات جو کسی خاص شاعر کے

اختراع کردہ ہیں، اور عام طور پر مستعمل نہیں، داخلِ فرہنگ ہوں، لیکن جب یہ بند عالم سوز، رستخیزِ اندازہ، نازک از راز ادب، بلکہ جملے کا جملہ "ہنوز ہنگام فرمان روائی ستارۂ روز نہ گذشتہ بود" فرہنگ میں ہوں، تو کعبۂ رہرو، گل دشنہ کش، زمزم آتشیں نے کیا قصور کیا تھا کہ فرہنگ میں نہیں؟

(۹) اس وقت تک جن لغات کے عدم شمول کا ذکر کیا گیا ہے، ان کے فرہنگ میں نہ ہونے کی کوئی نہ کوئی وجہ سمجھ میں آتی ہے، گو وہ کافی نہ ہو۔ بہ کثرت لغات ہیں جن کا فرہنگ سے اخراج بالکل بے سبب نظر آتا ہے مثلاً: یاہو، آنڈو، اشکوفہ، آدربیدن، جمدعر، پیدائیش، زیبائیش، آدم ادباری، چیاں، کوڑیالا، آبدار، فرائیش نواد، موری، چالی۔

(۱۰) وہ تمام معانی جنھیں غالب صحیح سمجھتے ہیں لازماً فرہنگ میں نہیں، مثلاً لولو کے معنی مردار بد لکھتے ہیں، گو غالب نے اس سے اتفاق یا اختلاف ظاہر نہیں کیا، لیکن صورتِ مہیب درج نہیں، حال آں کہ غالب اسے مانتے ہیں۔ غالب نے بعض لغات کے خاص خاص معانی کی تغلیط بھی کی ہے، فرہنگ میں اس قسم کے بعض معنی موجود ہیں، جیسے "خاتم" کے معنی نگیں۔ اس قسم کے کل معانی درج کرنے تھے۔ فراز کے معنی کے متعلق غالب اور ان کے مخالفین صاحبان محرق قاطع برہان، قاطع القاطع، ساطع برہان، مؤید برہان میں کس قدر جھگڑے رہے ہیں لیکن فرہنگ میں وہ معنی جسے غالب تسلیم نہیں کرتے تھے اور ان کے مخالفین کو اس پر اصرار تھا موجود نہیں۔

(۱۱) جناب مرتب نے حواشی میں غالب کے بعض اغلاط کا ذکر کیا ہے، لیکن، ان کے مقابلے میں ان اغلاط کی تعداد جن سے انھوں نے تعرض نہیں کیا کہیں زیادہ ہیں۔ اس سے یہ قباحت بھی پیدا ہوئی کہ جہاں انھوں نے اختلاف کا اظہار نہیں کیا، لوگ اسے اتفاق تصور کریں گے، گو فی الحقیقت ایسا نہ ہو۔ مثلاً چند امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ "تفاصیل" غالب بہ حیثیت محقق" میں ملیں گے۔ بہ قصد دلتم الخ کا نظامی کی طرف انتساب، اروند کی نسبت غالب کا بیان، کراکا کے بارے میں مناقب العارفین کا غلط حوالہ،

(۱۲) حواشی میں بہت سی باتیں ہیں جن سے اختلاف کی گنجائش ہے۔ یا جن میں اضافے کی ضرورت ہے۔ چند باتیں بہ طور نمونہ پیش کی جاتی ہیں:

(۱) آغشتن کے غین کے مضموم ہونے کی سند میں فردوسی کا یہ شعر دیا ہے:

زایرانیان من بس کشته ام   زمین را به خون وگل آغشته ام

اس شعر میں ت ردی ہے جو حرف وصل ہ سے مل کر متحرک ہو گئی ہے، اس صورت میں ک اور غین کی حرکت داخل قافیہ نہیں۔

(۲) ضحاک کی نسبت یہ خیال کہ دراصل دہ آک (یعنی دہ عیب) ہے، صحیح نہیں، یہ دراصل آژی دہاک ہے۔

(۳) گرفتن کے متعلق غالب کا دعویٰ ہے کہ کسرۂ اول اور فتحۂ ثانی سے ہے اور اس کی سند میں فردوسی کا ایک شعر پیش کیا ہے جس میں گرفت، رفت کا قافیہ آیا ہے۔ جناب عرشی لکھتے ہیں "یہ استدلال مفید یقین نہیں ہو سکتا۔ خسروی نے بضم اول و ثانی باندھا ہے" شعر میں کسی طرح بھی بندھا ہو، گ کی حرکت کا پتہ نہیں چل سکتا۔ (آثار غالب کے حواشی ملاحظہ ہوں)

(۴) غالب نے وچر بمعنی فتویٰ لکھا ہے۔ جناب عرشی کا حاشیہ ہے۔ "رشیدی و سراج نے اس لفظ کو بے اصل بتایا ہے اور انجمن آرائے ناصری میں سرے سے ذیل لغات ہی نہیں کیا گیا، اس عبارت سے یہ امکان ہے کہ قدیم فارسی کا لغت ہو اور میرزا صاحب نے کسی پارسی عالم سے دریافت کر کے وچر کو بمعنی فتویٰ لکھا ہو" وچر نے بلاشبہ فتویٰ کے معنی دیے ہیں، لیکن یہ معنی برہان میں درج ہیں۔ زردشتی علما کے مذہب کی فتووں سے ایک قدیم مجموعہ [illegible] اسی نام سے موسوم ہے۔ خان آرزو اور عبدالرشید زردشتیوں کی مذہبی ادبیات اور ایران کی قدیم زبانوں سے ناواقف تھے، انھیں وچر کی کوئی ایسی سند جو اُن کے نزدیک قابل اعتبار ہو نہ ملی، اس کے وجود ہی کے منکر ہو گئے۔ جیسا کہ میں اوپر کہہ چکا ہوں، یہ بالکل ثابت نہیں کہ غالب کسی زردشتی عالم سے ملے ہوں۔

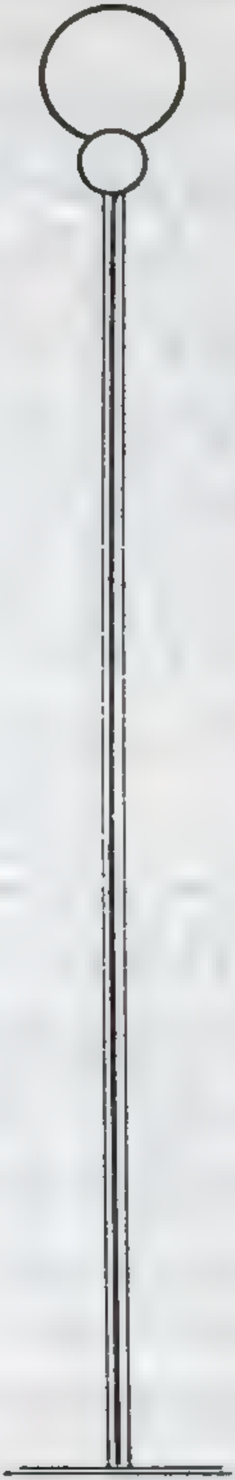
(۵) حاشیہ ص ۶۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب عرشی پذیرہ با ہائے مختفی کو کاتب کی غلطی سمجھتے ہیں، لیکن خود غالب کے ہاتھ کی تحریروں میں پذیرہ ہائے مختفی سے موجود ہے اور فردوسی کے یہاں شیرہ کا قافیہ آیا ہے۔ مثنوی میں بھی ہائے مختفی سے لکھا ہے۔ اس کی صحت میں کلام نہیں۔

فرہنگ غالب ان نقائص کے باوجود جن کا ذکر اس تبصرے میں ہے ادبیات غالب میں مفید اضافہ ہے۔ جناب عرشی نے اس کی ترتیب میں بڑی عجلت سے کام لیا ہے، کچھ وقت اور اس پر صرف ہوتا تو مفید تر ہو سکتی تھی۔

(علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۱۹۴۹ء)

غالبؔ کا ایک فرضی استاد، عبدالصمد

پہلا ورژن



شاگرد کا اُستاد کے تلمذ سے انکار کوئی نادرالوقوع بات نہیں، اور یہ بھی بہت ہوا ہے کہ مصلحتاً خلافِ واقعہ کسی کی شاگردی کا اقرار کیا گیا ہو، لیکن، اس کی مثال بہت کم ملے گی کہ کسی شخص نے کسی خیالی ہستی کو جس کی تخلیق کا وہ خود ذمہ دار ہے، اپنا اُستاد قرار دیا ہو۔ سطورِ ذیل میں اس سوال سے بحث کی جائیگی کہ عبدالصّمد غالب کا "زائدۂ تخیل" ہے، یا ایک اصلی شخص جس کے آگے ابتدا ہی میں اُنھوں نے زانوئے ادب تہ کیا تھا۔ اس سلسلہ میں امورِ ذیل توجہ طلب ہیں :۔

(۱) غالب کی نظم و نثر کا ان کے کسی ہمعصر ایرانی مثلاً یغما کی نظم و نثر سے مقابلہ کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ غالب اپنے عہد کے مخصوص ایرانی محاورات اور روزمرہ سے بہت کم واقف ہیں۔ ابتدا ہی میں کسی ایرانی کی صحبت نصیب ہوئی تھی تو صورتِ حال مختلف ہوتی۔

(۲) غالب کے یہاں دساتیری الفاظ ملتے ہیں، لیکن ان کی ابتدائی تحریروں میں نہیں اور نہ ان میں دساتیر کا نام آتا ہے، حالانکہ وہ مدعی ہیں کہ دساتیر سے انکی واقفیت بہت قدیم ہے، اور اس کی زبان کے بارے انھوں نے خود عبدالصّمد سے گفتگو کی تھی۔ ۱۲۵۶ھ کے لگ بھگ سراج الدین احمد نے غالب سے کسی کتاب کا نام دریافت کیا ہے، جس سے قدیم ایرانیوں کی زبان اور مذہب کا

اس مقالے کے ناظرین کرام براہ کرم وہ مقالہ بھی پڑھیں جس کا عنوان یہ ہے "غالب بہ حیثیت محقق" اس میں بہت سے مسائل جو قاطع برہان میں عبدالصمد کے حوالے سے درج ہوئے ہیں، زیر بحث ہیں۔ راقم کا مقالہ : "غالب کی راست گفتاری (علیگڑھ میگزین مرتبہ :۔ مختارالدین احمد آرزو) پیش نظر رہے تو بہتر ہے۔

حال دریافت ہو سکے۔ یہ موقع بھی دساتیر سے اپنی واقفیت کے اظہار کا تھا، لیکن اپنے جواب میں وہ صرف دبستانِ مذاہب کا نام لیتے ہیں، گو اس سے وہ مطمئن نہیں۔ کلیات نثر طبع اوّل صفحہ ۷۱ و ۷۲۔

(۳) غالب کے زمانے سے پہلے ہی ایران میں بیدل و اسیر و شوکت کی طرز متروک تھی (آتشکدۂ آذر اور مجمع الفصحا ملاحظہ ہو)، عبد الصمد کا ذوق شاعری بھی وہی ہونا چاہیے تھا، لیکن یہ مسلّم ہے کہ ان کی ابتدائی شاعری لفظ و معنی دونوں کے لحاظ سے بیدل سے بڑی حد تک متاثر رہی ہے۔

(۴) غالب پر کلکتہ میں قتیل کے اصلی یا فرضی اقوال کی بنا پر اعتراض ہوئے تھے۔ بادِ مخالف میں جو اس موقع پر منظوم ہوئی تھی، قتیل کی مبالغہ آمیز مدح سرائی کے باوجود ہندوستانی ہونے کی وجہ سے اُسے مستند نہیں مانا، اور اسی سلسلہ میں ان شعرائے ایران کے نام بھی ہیں، جن کے تتبع پر انھیں ناز ہے۔ اقتضائے مقام تھا کہ عبد الصمد کے فیضیابی کا ذکر کیا جاتا، لیکن کنایتاً بھی اس کی طرف اشارہ نہیں۔

(۵) سراج الدین احمد کے خط کے جواب میں غالب وہ باتیں لکھ سکتے تھے جو ان کے بموجب انھیں عبد الصمد سے معلوم ہوئی تھیں اور جو قاطع میں مندرج ہیں لیکن وہ ان کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے اور قدیم ایرانیوں کے حالات کی تلاش کو بے سود قرار دیتے ہیں:— "اکنوں کیست تا بداں زباں کہن سخن درست تواند گفت و از آل دیرین آئین براستی خبر تواند داد؟ پژوہندۂ ایں راز را کام دل بر نیاید"

(۶) اسی خط میں غالب نے قاضی محمد صادق خاں اختر کے تذکرے کے لیے اپنا حال لکھا ہے۔ اس میں صرف یہی نہیں کہ عبد الصمد کا ذکر نہ دارد ہے، غالب صراحتاً دعویٰ کرتے ہیں کہ کبھی کسی کا شاگرد نہیں رہا:— "در سخن از پرورش یافتگان مبدا فیاضم و سواد معنی را بہ فروغ گوہر خویش روشن کردہ ام۔ از ہیچ آفریدہ حق آموزگاریم بہ گردن نیست و پارہنمائیم بر دوش نیست" کلیات نثر صفحہ ۲۷۔

(۷) ذکا، سرور، شیفتہ، کریم الدین، صابر (صابر کا تذکرہ صہبائی کی طرف بھی منسوب ہے)، باطن اور محسن کے تذکروں، سید احمد خاں کی آثار الصنادید یا کسی کتاب میں جو قاطع کے انطباع سے پہلے وجود میں آئی ہے، عبد الصمد اور اس سے تلمذ

مطلقاً ذکر نہیں۔ بعد کی کتابوں میں جو کچھ ہے وہ خود غالب کی تحریروں پر مبنی ہے۔ دنیا کا کوئی شخص غالب کے سوا عبد الصمد سے ذاتی واقفیت کا مدعی نہیں۔

(۸) قاطع برہان ۱۲۷۶ھ میں تمام ہوئی ہے، اس سے قبل کی کوئی تحریر غالب کی موجود نہیں جس میں عبد الصمد کا ذکر آیا ہو۔ قاطع میں اس کے متعلق یا اس کے حوالے سے جو کچھ ہے، ذیل میں درج ہے۔

(۱) "در فارسی دو حرفِ متحد المخرج بلکہ قریب المخرج نیز نیامدہ ۔ ۔ ۔ ۔ دبیرانِ پارس را قاعدہ چناں بود کہ بر سرِ دال ابجد نقطہ نہادندے۔ پیشینیاں ازیں رسم الخط بہ وجودِ ذال منقوطہ در گماں افتادند۔ چوں دریں اندیشہ وجودِ دال بے نقطہ از میاں مے رفت ۔ ۔ ۔ ۔ اکابرِ عرب قاعدہ قرار دادند و تفرقۂ دال و ذال را بر آں قاعدہ اساس نہادند۔ و ایں ۔ ۔ ۔ ۔ فرمان آموز گارِ من است، و آں ششت سر و نام فارسی نژاد فرزانہ بود تخمۂ ساسانیاں، پس از گرد آوردنِ خرد و دانش کیش اسلام گزیدہ، و خود را عبد الصمد نامیدہ، در سال یک ہزار و دو بست و بیست بطریقِ سیاحت بہ ہند آمدہ و بہ اکبر آباد ۔ ۔ ۔ دو سال بہ کلبۂ احزانِ من آسودہ است، و من آئینِ معنی آفرینی و کیش یگانہ بینی از وے فرا گرفتہ ام ۔ ۔ ۔ بر یزداں وے آباد ۔ ۔ ۔ رشحۂ کہ تا ہم ہست چکیدۂ آں منقر سفالم سیرابی لطفش اثرِ فیضِ قلم است"، درفش صفحہ ۱۳۔

فارسی میں قریب المخرج حروف کے وجود کا اقرار قاطع کے صفحہ ۱۰ پر ہے۔

فارسی میں ذال کے وجود کی جو وجہ بیان کی ہے وہ فرہنگ جہانگیری میں موجود ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں "اکابرِ عرب" کے قاعدے بنانے کا ذکر نہیں، اور یہ بات خلافِ واقعہ ہے بھی۔ دال و ذال میں تفرقے کا طریقہ خود ایرانیوں نے بتایا ہے۔ تفاصیل آثارِ غالب کے مقدمے میں ملیں گی۔ یہ بات بھی سمجھ میں نہ آئی کہ جب فارسی میں ذال ہے ہی نہیں تو دال و ذال میں تفرقے کا طریقہ کیوں بتایا گیا۔ "معنی آفرینی" شاعری ہے، لیکن غالب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صرف فنونِ شاعری سیکھے، یا یہ کہ اس کے ساتھ ساتھ کلام پر اصلاح بھی لی، اس کا فیصلہ مشکل ہے۔ "یگانہ بینی" سے توحید وجودی مراد ہے۔ دبستان مذاہب (نول کشوری صفحہ ۷۵) میں یگانہ بینوں کے متعلق مرقوم ہے:۔

" ۔ ۔ ۔ دیگر از میمن انبوہِ پارسیان یگانہ بینانند و ایشاں را جمشی می خوانند ۔ ۔ ۔ نزدِ ایشاں

جہاں را در خارج وجودے نیست، ہر چہ ہست ایزد ست، و ماسوائے او چیزے نہ"

(۲) "... عبدالصمد گاہ گاہ در مکاتیبات خود را اُرَوند بندہ نوشتے، چوں تیر دہش فرمود کہ اُروند بندہ مضاف و مضاف الیہ مقلوب است، بہ معنی بندۂ اُروند۔ بندہ ترجمۂ عبد و اُروند ترجمۂ صمد و نیز مے فرمود کہ چوں طبائع لطیف استعارہ را دوست مے دارد، اُروند را کہ اسم کوہ است بہ معنی "گلین ذوقار و نشان و شوکت نیز آرند"

(۳) غالب نے قاطع میں ہندوستان کے کل فارسی فرہنگ لکھنے والوں اور شاعروں کو غیر مستند قرار دیا ہے اور اس کلیے سے صرف اپنی ذات کو مستثنیٰ کیا ہے۔ اس کے جو وجوہ بیان کئے ہیں ان میں سے ایک عبدالصمد کی شاگردی بھی ہے:۔

"احراز دولت دیدار تیمار ہر فرد (کذا) فراوان کمال اندوختن از وے تا دو سال ... در چہاردہ سالگی از آموزگار پرورش یافتم صفحہ ۱۱۲۔

(۴) غالب مدعی ہیں کہ لشتن اور اس کے مشتقات دراصل با کی جگہ بائے فارسی سے ہیں۔ یہ بات انھیں عبدالصمد سے معلوم ہوئی تھی۔ یہ قطعاً ناممکن ہے کہ کسی شخص نے جس کا مذہب زردشتی رہ چکا ہو ایسی غلطیاں غالب سے کہی ہو۔

"اگر فرزانہ فرزبود آئین عبدالصمد راہ نمودے نامہ نگار نہ خود راہ راست پیمودے نہ دیگراں را آگہی افزودے صفحہ ۱۱۳۔

(۵) "چوں تازیان بر پارسیان چیرہ دست آمدند... بسیارے بہ صدقِ دل مسلمان شدند، برخے... آشکارا اسلام گزیدند و نہانی ہم برآن جادۂ پیشیں ماندند... ان گریزانِ اہرمن دوست... ہر گونہ دقائق و حقائق کہ اسلامیان شنودند بہ کنجے نشستند و بہ اتفاق مانا دگر از بہر ہر مسمی اسمے تراشیدند... و چناں وانمودند کہ زردشت بہ طریقِ کیش گوئی چنیں فرمود است... آں چہ از معجزات... در زمرۂ مسلمین شہرت یافت ہمہ بر زردشت بستند و برائے عروجے مانا بہ معراج مخبر صادق نشاں دادند و گذشتن از افلاک و رسیدن بہ فرگار دادار پاک و شنیدنِ سخن از غیب و دیدن بہشت و دوزخ ہمہ را در دامنش ریختند و بر کراسہ و یپتے بہ سبقِ مصحف مجید و سیمناد... بہ معنی سورہ و جیسو بہ اعراب مجہولہ بہ معنی پلصراط نتیجہ لفظ آفرینی ایں گروہ ست۔ مولنا ہر فروشم عبدالصمد ایں راز با من می گفت و بر فریب و نیرنگ پارسیان مے خندید و نگارندۂ دبستان مذاہب را یکے از ایناں مے دانست، از سورہ سودہ!

ژند سیماد بودن نام سوره دراصل وجود داشتن پلطرا او در کیش زردشت ابا کردہ واین
اخبار و این اسمار ابهم یافته شوریده مغز آن پارس دسے نمود سے فرمود که به زبان دری در
نثر بجائے باب ... ورد و محل فصل لُنگ آرند ... و فصل را بر باب مقدم دارند و
ہر لُنسک یعنی ہر فصل بر بابے چند یعنی درے چند مشتمل باشد چناں که مجموع ژند بیست و یک
نسک دارد و صد در۔ ہمانا نسک را بخش می تواں گفت ... و ابواب و فصول مروجه
حال را در تقدیم و تاخیر بداں فصول و ابواب مطابق نه تواں اندیشید۔ چوں از نظم پرسش
به میاں آمد گفت که در نظم قافیه را پیوند گویند و ردیف را پساوند و غزل را چامه و غزل
دراز را چیگامه الا اوزان دیگر در میان پارسیان نه بود۔ زمزمه این گروه به اشعار مانندیان
می مانست که فقره فقره الفاظ متحد الآخر فراہم آرند و در وزن برابر نه باشد۔ اوزان و تنجیه
راز مستخرجات طبع عالیه اہل عرب است۔ گفتم ابتدائے بر در کلمه موزوں از زبان گوہر
فشان بہرام گور رفته گفت چنیں خواہد بود چوں بہرام در عراق عرب نشو و نما یافته است در شکار
گاہے وقت زدن صید یا بروں گوئے از راہ نشاط زمزمه سروده باشد، علمائے آں
سرزمین به نظرہائے دقیق و فکرہائے ژرف قانون ہا وضع کردند و قاعدہ ہا نہادند و
ایں اساس را چناں که اکنوں و عرب و عجم شائع ست استواری دارند۔ نه بینی که مطالب
و در بالیست ہائے ایں فنّ فرخ زاد ر پارسی زبان نامے نیست و رفش دانش آموز
درخشاں تراز روز فرزانه بریزدم عبدالصمد مے فرمود که سر صحیفه که بر وخشوران
پارس از آسماں فرود آمدہ است در آسمانی زبان است که آں را فرازین تواد گویند
آرش آں واژہ ہائے دیزہ و آں سخن ہائے پاکیزہ ہمبراں را به میاں جی سروش از
فرگاہ دادار پاک بر دل فرود مے ریزد و ایں روشن گہراں آں را دل نشیں پیرہ
وخشوراں می کنند تا آں رازہائے سترگ را در زبان قوم به بند نگارش در آورند، چناں
که پاژخوانِ ژند که به پاژند مشہور ست، ہم چنیں ہمسیر از دساتیر که ساسان پنجم به زبان دری
نگاشته است۔ از جانب من ... پژوہش رفت که در دل چناں فرود می آید ژند و
دساتیر را زبانی یکے خواہد بود گفت آرے۔ گفتم از ژند و پاژند در گیتی نشاں ماندہ
باشد گفت نه ماندہ است مگر لغتکے چند از پاژند۔ گفتم مگر ہنجار نگارش پاژند و عبارت
ساسان پنجم یکے ست گفت البته، اکنوں غالب ہیچ مداں ... می پرسد که ایں که فرہنگ

نگاراں،، لغتے چند و مصدرے چند می آرند و ماخذاں لغات و مصادر چناں ولے نماسند کہ ژند ست ژند کجاست کہ لغات و مصادر ازاں پدر تواں کشید و اگر ہست نا شناسا زبانے است کہ بہ دری و پہلوی نہ ماند،،

اس عبارت میں وخشور = پیمبر، آرش = معنیٰ، واژہ = لفظ، پیرہ وخشور = خلیفہ پانچواں دہمسیراز = ترجمہ ہے۔ آسمانی کتابوں کا ترجمہ خلفا کرتے ہیں یہ بات دساتیر میں نہیں۔ ساسان پنجم مترجم و مفسر دساتیر مدعی نبوّت ہے، خلیفہ نہیں۔

(۶) "از استاد ... شنیدہ ام کہ کند چناں کہ معنی قوتِ جسمی دہد افادہ معنی قوتِ عقلی و علمی نیز کند، ازیں جاست کہ مرد دانش مند را کند آگویند،،

(۹) قاطع کی اشاعت ثانی کا نام درفش کاویانی ہے۔ اس میں کوئی نئی بات عبدالصمد سے متعلق نہیں۔ ایک فقرے سے جو اس نئے دیباچے میں ہے جو خاص اس اشاعت کے لئے لکھا گیا ہے یہ البتہ ترشح ہوتا ہے کہ عبدالصمد نے کوئی کتاب نہیں تصنیف کی

"ہستی بخش را سپاس کہ نیز و خردے دانش من دانشمندیست کہ اگر دبستانکہ رازداں بود راز گوے نیز بود، ششمیں ساسان بہ شمار آیدے،، صفحہ ۷ ۔

اس مقالے میں قاطع کی اشاعتِ اوّل کی جگہ درفش کے صفحات کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ عبارات دونوں میں ایک ہیں۔

(۱۰) قاطع کے جواب میں سب سے پہلی کتاب محرق قاطع برہان ہے، اس میں کنایتاً غالب کو عبدالصمد کا معشوق قرار دیا ہے۔ اور یہ لکھا ہے کہ جس عمر میں عبدالصمد سے ملے ہیں، وہ علمی تحقیقات کی عمر نہ تھی، غالب نے اپنی رائیں عبدالصمد کی طرف منسوب کر دی ہیں۔ قاطع کے اقتباسات آگے آئیں گے۔

(۱۱) محرق کی اشاعت کے بعد اور رسالہ عبدالکریم کی الطباع سے پہلے غالب نے ایک طویل خط ضیاء الدین کے نام لکھا تھا جسے جناب ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے ہندستانی الہ آباد میں چھپوا دیا ہے۔ اس میں عبارت ذیل عبدالصمد سے متعلق ہے:-

"ناگاہ ایک شخص ... کہ ساسانِ پنجم کی نسل میں ہے مع ہذا منطق و فلسفہ میں مولوی فضل حق مرحوم کا نظیر اور مومن موحد و صوفی و صافی تھا۔ میرے شہر میں وارد ہوا اور لطائف فارسی کے ... فارسی آمیختہ بہ عربی اس سے مرے حالی ہو۔

سونا کسوٹی پر چڑھ گیا، ذہن معوج نہ تھا، زبان دری سے پیوند ازلی اور اُستاد بے مُبالغہ ہاسپ عہد اور بزرجمہر (کذا) عصر تھا۔ حقیقت اس زبان کی دل نشین و خاطر نشان ہو گئی۔"

ساسان پنجم ایک خیالی شخص ہے جس کی طرف دساتیر کا ترجمہ اور تفسیر منسوب کی گئی ہے۔ دلبستان میں (صفحہ ۴۳) آذر کیوان کا نسب نامہ ہے۔ اس میں چند پشتوں کے بعد یہ نام آئے ہیں:۔ "پنجم ساسان۔۔۔ ابن چہارم ساسان۔۔۔ ابن سوم آذر آسان ابن۔۔۔ دوم آذر ساسان ابن۔۔۔ آذر ساسانِ نخست ابن خرد داراب ابن بزرگ ابن بہمن ابن اسفندیار" ساسان پنجم خسرو پرویز کا معاصر ہے، اس کا جد سوم دارا زدہ بادشاہ جو سکندر سے مغلوب ہوا) کس طرح ہو سکتا ہے؟ دساتیر میں بھی یہی ہے مگر ناموں کے ساتھ لفظ آذر نہیں۔ ایران کی تاریخ سے معمولی واقفیت رکھنے والا بھی ساسان پنجم کے اس نسب نامے کو قبول نہیں کر سکتا۔ غالب منطق و فلسفہ سے بالکل آگاہ نہ تھے، ان کا یہ کہنا کہ عبدالصمد مولوی فضل حق مرحوم کا نظیر تھا" بے معنی ہے۔ رسالہ عبدالکریم میں عبدالصمد کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ یہ رسالہ غالب کی تصنیف ہے، لیکن عبدالکریم کے نام سے چھپا ہے۔

(۱۴) لطائف غیبی بھی محرق کی رد میں ہے، اس کے مُصنّف سیاح بتلائے گئے ہیں، لیکن یہ بھی دراصل غالب کے قلم سے ہے۔ پہلے محرق کے موعودہ اقتباسات درج کئے جاتے ہیں اس کے بعد لطائف کے اقتباسات یا ان کا خلاصہ پیش کیا جائے گا:۔

(۱) "یک لغت جیبود۔۔۔ کہ در فائدۂ دوم۔ حوالۂ قول۔۔۔ عبدالصمد۔۔۔ مراط است" صفحہ ۲۴۔

(۲) اکنوں راست راست وا شگاف مے نگارم کہ مرزا غالب دو سال در عُمر سیزدہ سالگی و چہاردہ سالگی در میوہ خوری و کلاہ زر دوزی کج نہادن و دبردے ہرفرد۔۔۔ گذرانیدہ باشد و سوائے چند الفاظ پارسی غیر مشہورہ کہ وے ہمیں را داشتہ باشد نیاموختہ و اگر باور کنم کہ وے عالم و زبان داں بازند بود تاہم بچہ سیزدہ سالہ و چہاردہ سالہ بجز خورد و پوش بہ دیگر امور علم افزائے خرد و ہوش کے مے پردازد"، صفحہ ۶۸۔

(۳) "اگر ہر فرد۔۔۔ ہنوز پیکرہ ہستی را نگذاشتے مثلِ آغا عبدالرشید خوشنویس

کہ وے اشعار در حقِ خواجہ محمود نگاشتہ بوادی مرزا . . . غالب ہم چنیں فرمودند . . :۔

خواجہ محمود آں کہ یک چندے ۔۔۔ بود شاگرد ایں فقیر حقیر
در حقِ او نہ رفتہ تقصیرے ۔۔۔ لیک او ہم مے کند تقصیر
مے نویسد ہر آنچہ از بد و نیک ۔۔۔ جملہ را مے کند بنام فقیر" صفحہ ۶۹۔

لطائف میں غالب نے اس کی تردید کی ہے کہ انہوں نے چینود کے معنی "پلپلا" بہ حوالہ عبدالصمد لکھے ہیں۔ قاطع میں اس کے متعلق جو کچھ ہے وہ اوپر نقل ہو چکا ہے۔ عبدالصمد سے اس کتاب کی نسبت گفتگو آنے کا بے شبہ ذکر کیا ہے۔ صاحب محرق نے کنایتاً غالب کو عبدالصمد کا مشوق لکھا ہے، اس پر غالب بہت بگڑے ہیں اور سوقیانہ الفاظ میں جواب دیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ المرء یقیس علی نفسہٖ۔ تیسرے اقتباس کا مطلب جو نکالا ہے وہ صاحب محرق کے مدعا کے خلاف ہے :۔

"صفحہ ۶۹ میں منشی جی ایسا کچھ لکھتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ ہرمزد . . . وجود خارجی نہیں رکھتا تھا۔ ہاں سچ ہے وہ ایسا وجود خارجی نہیں رکھتا تھا کہ ناصبی کیساتھ مرادف بالمعنیٰ ہو۔ ساسان پنجم کی اولاد میں سے، رہنے والا یزد کا، ایک امیرزادہ جلیل القدر جس نے پچاس برس علمائے عرب و بغداد سے علوم عربیہ حاصل کی اور طریقہ زردشتیہ چھوڑ کر دائرہ اسلام میں آیا، اور پھر ہندوستان تشریف لایا اور حضرت غالب سے ملا، اور دو برس ان کا مہمان رہا، اس کو منشی جی کس دلیل سے جھوٹا کہتے ہیں؟ نجم الدولہ جھوٹ نہ بولیں گے . . ."

(۱۳) دوسری کتاب جو قاطع کے جواب میں لکھی گئی ساطع برہان ہے۔ اس کے مصنف نے عبدالصمد کے بارے میں کوئی قابلِ ذکر بات نہیں لکھی۔ نامۂ غالب اسی کے جواب میں ہے۔ اس کی عبارت ذیل عبدالصمد سے تعلق رکھتی ہے :۔

"احسان مند ہوں کہ آپ نے منشی سعادت علی کی طرح . . . مجھ کو مشوق میرے اُستاد کا نہ لکھا، . . . فارسی زبان کا ملکہ مجھ کو خدا نے دیا ہے، مشق کا کمال میں نے اُستاد کا حاصل کیا ہے۔" (صفحہ ۱۸۶ اعود ہندی)۔

(۱۴) مؤید برہان قاطع کے جواب میں تیسری کتاب ہے۔ اس کے مصنف نے جا بجا ان اقوال سے جو عبدالصمد کی طرف منسوب کئے ہیں اختلاف کیا ہے۔ ایک جگہ

کی عبارت نقل کی جاتی ہے :۔

"ہر فرد . . . را کہ ہمہ داں اُستادِ کامل فن برائے خود قرار مے دہد چوں تالیف از دبدست روزگار نیست و حالش معلوم و مشہور نیست اگر ہمچناں باشد گویا مدعی را چہ فخر نست وکدام بزرگی صفحہ ۱۳، ۱۴۔

(۱۵) قاطع القاطع چوتھی کتاب قاطع کے جواب میں ہے۔ اس کے مصنف کی غرض اصلی غالب کی تحقیر و تذلیل ہے اور اس نے عبدالصمد کو بھی نہیں چھوڑا۔ اس کے دو اقتباس درج ذیل ہیں :۔

"ایں ملامت کش روزگار استادِ خود را چراغ شریک حال خود ساخت و بہ رسوائی او چوں پرداخت گر ملامت سنگین بود تنہا تاب کشیدنش ندید ناچار بیچارہ را بامداد طلبید۔ افسوس صد افسوس اگر ایں چنیں تلمیذ ناہموار نہ بود، آں مرد دانا را بہ نادانی کہ مے ستود . . ." صفحہ ۲

"یکے از عوام الناس را کہ عبدالصمد نام او گرفتہ، پیشوائے خود شمردہ است . . . قول او را کہ اصلے نہ وارد و ثبت مدعائے خویش مے شمارد . . ." صفحہ ۲۴۹ و ۲۵۰۔

(۱۶) غالب ۷؍ اکتوبر ۱۸۶۱ء کے ایک خط میں جس کو مکتوب الیہ کلب علیخاں ہیں کہتے ہیں "بدو فطرت سے میری طبیعت کو زبان سے ایک لگاؤ تھا، چاہتا تھا کہ فرہنگوں سے بڑھ کر کوئی ماخذ مجھ کو ملے، بارے مراد برائی اور اکابر پارس میں سے ایک بزرگ یہاں وارد ہوا . . . اور میں نے اس سے حقائق و دقائق زبان پارسی کے معلوم کئے"، مکاتیب غالب اشاعت ثانی صفحہ ۶۰۔

(۱۷) تیغ تیز غالب نے مؤید کے رد میں اپنے نام سے لکھی ہے۔ اس میں صاحب مؤید پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ نادر بات جو فارسی میں وجود ذال کے بارے میں میں نے عبدالصمد سے سن کر لکھی تھی، اور دوسرا کوئی اس کو نہیں جان سکتا تھا" اپنا قول" بنالیا ہے۔ یہ الزام بالکل غلط ہے، صاحب مؤید نے فرہنگ جہانگیری کی عبارت نقل کی ہے اور یہ لکھ بھی دیا ہے۔ (تفاصیل "غالب کی راست گفتاری" میں ملیں گے)۔ اسی میں صمد اور اروند کی بحث میں غالب رقم طراز ہیں :۔

"رہے صمد کے معنی، حبیب مولانا عبدالصمد قدس سرہٗ نے کہ وہ علم عربی کا فاضل متبحر تھا، اروند کے وہ معنی اشرح کیے کہ جس کا ترجمہ . . . محسوس ہے اور بتایا مجھ کو کہ عربی میں

ان معنوں میں لفظ صمد ہے . . . قصہ مختصر بعد ایک مدت کے جب . . . مولوی فضل حق مغفور سے . . . ربط بڑھا ایک روز . . . ہرمزد کا ذکر درمیان آگیا۔ اُرد و صمد کے لفظ کو برا بھلا کہہ کر فرمانے لگے: ۔ صمد اسم صفت ہے ۔ معنی اس کے نہ چیزے از وئے برون زود نہ چیزے بہ درون آید نہ زیادہ شود نہ گم گردد ۔ یہ چاروں فقرے اس مرحوم کی زبانی یاد ہیں . . . بہ اعتبار فارسیت ہرمزد مالک زبان، بہ اعتبار عربیت دونوں فاضل"

(۱۸) حالی کی "یادگار غالب" پہلی مستقل کتاب ہے جو غالب کے حالات اور کلام پر لکھی گئی ہے ۔ حالی معترف ہیں کہ "کبھی کبھی مرزا کی زبان سے یہ بھی سنا گیا ہے کہ مجھ کو مبدءِ فیاض کے سوا کسی سے تلمذ نہیں ہے اور عبدالصمد محض ایک فرضی نام ہے چونکہ مجھ کو لوگ بے استادا کہتے تھے ان کا منہ بند کرنے کو میں نے ایک فرضی استاد گڑھ لیا ہے" (یادگار دائرہ ادبیہ صفحہ ۱۴) لیکن اس کے باوجود وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ "عبدالصمد فی الواقع ایک پارسی نژاد آدمی تھا، اور مرزا نے اس سے کم و بیش فارسی سیکھی تھی" (یادگار صفحہ ۱۴) ۔ اس پر انہوں نے بس نہیں کیا اور آگے چل کر لکھا ہے کہ اس کے فیض صحبت نے کم سے کم وہ ملکہ ضرور مرزا میں پیدا کر دیا تھا جس کی نسبت کہا گیا ہے کہ "اگر حاصل شود خوانده و ناخوانده برابر است واگر حاصل نشود ہم خوانده و نہ خوانده برابر" . . . اس نے تمام فارسی زبان کے مقدم اصول اور گر اور پارسیوں کے مذہبی خیالات اور اسرار جن کی فارسی زبان کے سمجھنے میں بہت بڑا دخل ہے اور پارسی و سنسکرت کا متحد الاصل ہونا اور اسی قسم کی اور ضروری باتیں مرزا کے بہ وجہ اولیٰ ذہن نشین کر دی تھیں" (یادگار صفحہ ۱۵ و ۱۶) حالی اس کے بھی مقر ہیں کہ "زیادہ تر بلکہ عبدالصمد کی تعلیم کے سبب فارسیت کا رنگ ابتدا ہی میں مرزا کی بول چال اور قوتِ متخیلہ پر چڑھ گیا تھا" (یادگار صفحہ ۱۲۰) عبدالصمد کے فرضی ہونے کے متعلق غالب کے قول کی جو ظاہراً خود انہوں نے غالب سے نہیں سنا تھا یہ توجیہ ہے کہ "جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مرزا کو کس عمر میں اس کی صحبت میسر آئی اور کس قدر قلیل مدت اس کی صحبت میں گذری تو عبدالصمد اور اس کی تعلیم کا عدم و وجود برابر ہو جاتا ہے اس لئے مرزا کا یہ کہنا کچھ غلط نہیں کہ مجھ کو مبدءِ فیاض کے سوا کسی سے تلمذ نہیں ہے" (یادگار صفحہ ۱۵) حالی جب عبدالصمد سے غالب کے استفادے کا مجملاً ذکر کرتے ہیں تو یہ تسلیم کرنے میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی کہ عبدالصمد سے غالب کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچا، لیکن

جب وہ تفصیلات بیان کرنے لگتے ہیں تو یہ باور کرنا ممکن ہو جاتا ہے کہ اس کی تعلیم کا "عدم وجود" برابر تھا۔ حالی کی منقولہ بالا عبارتیں بڑی بے پروائی سے لکھی گئی ہیں۔ ظاہراً عبدالصمد کا فرضی نام ہونا حالی نے خود غالب سے نہیں سنا، کسی دوسرے معتقد یا شاگرد سے سن کر لکھا ہے۔ اس کے مقابلے میں شیفتہ کا یہ قول کہ "ملا کی ایک خط میں جو سی دوسرے ملک سے بھیجا تھا یہ فقرہ تھا:۔ "اے عزیز چہ کسے کہ با ایں ہمہ آزادیہا گاہ گاہ بہ خاطر می گذری" انھیں زیادہ قابلِ اعتنا معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ شیفتہ خود نہ سیکھنے کا دعویٰ نہیں کرتے اور نہ اس پر توجہ کی کہ گلشن بے خار میں شیفتہ نے عبدالصمد کا ذکر نہیں کیا۔

(۱۹) حکیم غلام رضا خاں بقول عبدالغفور شہباز مرحوم کہ "گویا غالب کے متبنّیٰ ہیں اور مرزا کے حالات سے بہت واقف" اپنے ایک خط میں شہباز کو لکھتے ہیں:۔

"صحیح امر تو یہ ہے کہ مرزا نے نہ تو فارسی کلام کسی کو دکھایا نہ اردو۔ یہ جو مرزا صاحب ... عبدالصمد کو اپنا استاد لکھتے ہیں، اس شخص کا وجود ذہن میں تھا خارج میں نہ تھا" (سوانح عمری بے نظیر صفحہ ۲۰۰ و صفحہ ۲۰۱)۔ یہی بزرگ حالی کے متعلق لکھتے ہیں:۔ کہ مولوی حالی تو گاہ گاہ مرزا صاحب کے ہاں آیا کرتے تھے، ان کی وہاں نشست زیادہ نہ تھی" (ایضاً صفحہ ۲۰۲ ۔) حکیم غلام رضا خاں نے خود غالب کی زبان سے عبدالصمد کا فرضی نام ہونا سنا ہوگا۔ حکیم غلام رضا خاں کا بیان نہ بھی ہوتا جب بھی عبدالصمد کے "وجود خارجی" کا قائل ہونا بہت مشکل تھا، اس کی موجودگی میں تو اس کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ غالب کا یہ قول کہ عبدالصمد محض فرضی نام ہے ان لوگوں کے لئے تھا جو غالب کے ہر دعوے کو بے چون و چرا قبول کرنے کے لئے تیار رہتے، غالب ان سے یہ کہا کرتے تھے کہ مبدءِ فیاض کے سوا میں کسی کا شاگرد نہیں، اور واقعی اس میں جو بزرگی ہے وہ عبدالصمد سے استفادے میں نہیں۔ دوسرا قول کہ عبدالصمد عربی و فارسی کا بہت بڑا عالم، اور پارسیوں کے مذہبی اسرار کا محرم تھا ان اصحاب کے لئے تھا جو خواہ غالب کے معتقد ہی کیوں نہ ہوں، دلائل و اسناد کے طلب گار رہا کرتے تھے۔ رہے مخالف تو عبدالصمد کے حوالے سے ان کا منہ بھی بند کیا جا سکتا تھا۔ علم سینہ بہ سینہ۔ حکیم غلام رضا خاں، میرن صاحب، ہیرا سنگھ وغیرہ پہلی جماعت سے تعلق رکھتے تھے، حالی، شیفتہ وغیرہ دوسرے گروہ میں تھے۔ مخالفوں

کی زبان بندی میں غالب، کو ناکامیابی ہوئی۔ عبدالصمد غالب کا زائیدۂ فکر ہے اور بہت سی باتوں میں غالب کا مماثل ہے، تو کچھ باتیں اس میں ایسی بھی پائی جاتی ہیں جو غالب میں نہیں ملتیں۔ غالب افراسیابی ہیں تو عبدالصمد دارابی، غالب ہندوستان کے رئیس زادے ہیں تو عبدالصمد ایران کا امیرزادہ، پیشہ ور معلم دونوں میں سے کوئی نہیں، لیکن، تلامذہ کی تربیت سے دونوں میں کسی کو انکار نہیں۔ ساسان ششم کا لقب دونوں ہی کے لئے وضع کیا گیا ہے (" ساسان ششم بہ کاردانی مائیم"، دستنبو کی آخری رباعی کا مصرعۂ آخر)۔ عبدالصمد کی وہ خصوصیات جن سے غالب محروم ہیں وہ ہیں جن کا فقدان غالب بشدت محسوس کرتے تھے، یہ علوم عربیہ اور منطق و فلسفہ میں دخل کلی ہے۔ غالب نے عبدالصمد کی مدح سرائی میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے، اپنی کتابوں کے پڑھنے والوں کو اس کے وجود خارجی، کا یقین پیدا کرنے کے لئے حکایتیں وضع کیں اور اس کے حوالہ سے بیت سے نکات لکھے، لیکن ایک بات ان کے لئے ناممکن تھی، اور وہ ایسی شخصیت کی تخلیق تھی جس کی ذہنی سطح ان سے بلند تر، اور جس کی معلومات ان سے وسیع تر اور صحیح تر ہوں۔ خود غالب کی ذہنی سطح کیا تھی اور ان کی معلومات کی کیا کیفیت تھی، ایک دوسرے مقالہ سے معلوم ہوگا۔

حواشی

سلہ حالی لکھتے ہیں کہ عبدالصمد نام رکھا گیا یادگار غالب ۔ سلہ۲ بیت، غالب کی کتابوں میں عموماً نسبت ہے ۱۲ ۔ سلہ۳ کچھ پتا نہیں کہ یہ "منافقان دگر" کون ہیں ۔ سلہ۴ زردشت کی کوئی پیشگوئی اسلام سے متعلق موجود نہیں، اور نہ یہ صحیح ہے کہ کل معجزات جو پیمبر صاحب کی طرف منسوب ہیں، زردشت کی طرف بھی منسوب کئے گئے ہیں، اور نہ اس سے کوئی خاص فائدہ حاصل ہو سکتا تھا۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ منافقین ایران نے کوئی منظم کوشش ایسی کی تھی جیسی غالب نے بیان کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ غالب کا بیان اضافے اور تصرف کے ساتھ دبستان مذاہب کی عبارت ذیل پر مبنی ہے جو سمرادیوں سے متعلق ہے: ۔ " وایشان اکنوں مسلمانان در آمیختہ اندر درلباس مومناں میگردند و برمذہب ایشان کامگار نامی از پارسیہ (کذا) ایں گروہ کہ درعہد۔۔ محمود۔۔۔ رسالہ منظوم نوشتہ ۔۔۔ و ایں کیش را بر دیگر آئین ہا ترجیح دادہ بایں وجہ کہ سراسر ارباب ادیان از عقد مذکور آنچہ ذکر کردہ اند از وجود خدا ۔۔۔ بہشت و دوزخ و صراط و حشر و نشر و سوال و جواب ۔۔۔۔۔۔۔ ہمہ در کیش درست بود" (صفحہ ۷۷)

سلہ۵ دبستان مذاہب کا نام نسخۂ مطبوعۂ بمبئی میں دبستان المذاہب لکھا ہے۔ ایک مغربی مصنف کا قول ہے کہ یہ

اس کا مصنف سمجھا جاتا ہے یہ بالکل بے بنیاد ہے اور محسن فانی کا مصنف ہونا بھی یک قلم ناقابل قبول ہے۔ مصنف اس کا مقر نہیں، لیکن کتاب کے غائر مطالعہ سے اس نتیجے پر پہنچنا ناگزیر ہے کہ وہ آبادی ہے۔ اس نے اپنا نام نہیں لکھا، لیکن اپنے اشارے دیئے ہیں۔ کتاب کا آغاز ایک شاعر موبد کے اشعار سے ہوتا ہے، مگر ان کے بارے میں یہ صراحت نہیں کہ مصنف کے ہیں۔ کئی سال ہوئے کہ حکیم حبیب الرحمن مرحوم اور ڈاکٹر عندلیب شادانی نے مجھے لکھا تھا کہ ماثر الامرا میں ذو الفقار اردستانی موبد تخلص کو دبستان کا مصنف بتایا ہے۔ صفحہ کا شمار بھی خط میں تھا، مگر اس وقت مجھے یاد نہیں اور نہ اس کا موقع کہ ماثر میں اس کی تلاش کی جائے۔ ماثر کا مصنف صاحبِ دبستان کا معاصر نہیں، لیکن، اس کا قول قابل قبول معلوم ہوتا ہے۔ اسلامی نام ہونا آبادی ہونے کے منافی نہیں اس کتاب میں بہیترے غیر مسلم ایرانیوں کا ذکر ہے جن کے نام مسلمانوں کے سے تھے۔ ملا فیروز نے مصنف کا نام میر ذو الفقار علی لکھا ہے۔ دبستان کا انگریزی ترجمہ اب تک میں نے نہیں دیکھا، ممکن ہے کہ اس میں بھی نام کی بحث ہو [6] خط کا زمانہ تحریر قیاس پر مبنی ہے [7] محرق اس وقت پیش نظر نہیں۔ اقتباسات کے لئے جناب ڈاکٹر عبد الستار صدیقی کا رہینِ منت ہوں [8] دیباچہ جدید درفش کاویانی صفحہ ۲: "سخنوران پیشین معنی لغت بہ حاشیہ دیوان نگاشتہ اند لیکن بہ فرہنگ نویسی ہمت گماشتہ اند آموزگار ندرشتہ اند"، فرہنگ نگاروں اور کلام اساتذہ کے شارحوں پر غالب کی فوقیت ثابت ہو گئی!

(علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۱۹۴۹ء)

۴ مارچ ۱۹۴۹ء

ہرمزد ثم عبدالصمد

دوسرا ورژن



تمہید: غالب نے عبدالصمد کو اپنے وقت کا جاماسپ[1] اور بزرجمہر[2] کہا ہے اور اُسے "شیشیں ساساں"[3] کا لقب دینے سے باز رہے ہیں تو صرف اس لیے کہ وہ جتنا "راز داں" تھا، اتنا "راز گو" نہ تھا۔ غالب نے اسے منطق و فلسفہ میں[4] مولوی فضل حق کا نظیر، عربی کا "فاضلِ متبحر" اور فارسی کا "مالک[5] زبان" بتایا ہے، اور جا بجا اس سے اپنی فیض یابی کا ذکر بڑے فخر و ناز سے کیا ہے:

(۱) "وایں ... فرمانِ آموزگار نیست ... ومن آئینِ[7] معنی آفرینی و کیشِ یگانہ بینی[8] از وے فرا گرفتم ... بروانِ وے آباد ..."

"رشحِ کفِ جم می چکد از مغزِ سفالم[9] سیرابی نطقم اثرِ فیض حکیمست" د صـ ۱۳ و ۱۴

قاطع = قاطع برہان۔ برہان = برہان قاطع (نسخۂ مطبوعہ ۱۲۷۴ھ کے صفحات کے حوالے دیے گئے ہیں)۔ د = درفش کاویانی، قاطع کی اشاعت ثانی۔ د ا = د کی وہ دا اگر کوئی عبارت صرف د میں ہے، قاطع کی اشاعت ثانی میں نہیں۔ محرق = محرق قاطع برہان طبع ۱۲۸۰ھ، ل = لطائف غیبی طبع ۱۲۸۱ھ۔ ردّ محرق مصنفۂ غالب مگر منسوب بہ میاں ...۔ (حوالہ مجموعے کا نہیں طبعوں کا دیا گیا ہے)۔ مؤید = مؤید برہان طبع ۱۲۸۲ھ۔ تیغ = تیغ تیز از غالب ردّ مؤید۔ قطع = قاطع القاطع۔ ردّ قاطع طبع ۱۲۸۳ھ۔ اس کتاب کا جواب غالب نے نہیں دیا۔ ا ی = اردوئے معلی طبع لاہور ۱۹۲۲ھ۔ ض = غالب کا ایک طویل خط بنام ضیاء الدین جس کا عکس غ میں شائع ہوا ہے۔ عود = عود ہندی الوار المطابع الہ آباد۔ غ = علی گڑھ میگزین کا غالب نمبر ۱۹۴۹ء۔ ر = غالب کی راست گفتاری از راقم علی گڑھ میگزین ۱۹۴۸ء۔ مح = "غالب بہ حیثیت محقق" از راقم۔ جہاں = فرہنگ جہاں گیری مطبوعہ۔ ی = یادگار غالب طبع لکھنؤ۔

۱ اور ۲ ض۔ بزرجمہر چاہیے۔ جیم فارسی سے بالکل غلط اور غالب نے اسی سے لکھا ہے۔ ۳ د ا عبارت فصل ۴ میں ملے گی۔ ۴ ض ۵ و ۶ تیغ ص ۱۳ اور ۱۴ ۔ ۷ معنی آفرینی = شاعری۔ عود کی عبارت جس میں استادِ مشق کا ذکر ہے فصل ۴ میں ہے۔ ۸ یگانہ بینی = توحید وجودی "ودیگر از ہیچ انبوہ پارسیان یگانہ بینانند کہ وایشان

۴۴

(۲) "لطائف فارسی بحت غوامض فارسی آمیختہ بہ عربی اس سے میری حالی ہوئے۔ سونا کسوٹی پر چڑھ گیا۔۔ حقیقت اس زبان کی۔۔ خاطر نشاں ہو گئی" ص

(۳) "چاہتا تھا کہ فرہنگوں سے بڑھ کر کوئی ماخذ مجھکو ملے' بارے مراد بر آئی' اور اکابر پارس میں سے ایک بزرگ یہاں وارد ہوا۔۔ اور میں نے اس سے حقائق و دقائق زبان پارسی کے معلوم کیے" مکاتیب غالب اشاعت ثانی ص۶

۱۰) غالب نے عبدالصمد کے جو حالات لکھے ہیں وہ کچھ زیادہ نہیں: اصلی نام ہرمزد تھا اور سلسلۂ نسب[11] ساسان پنجم تک پہنچتا تھا۔ اس کا وطن[12] یزد تھا اور وہاں کے "جلیل القدر[13]" امیرزادوں میں شمار ہوتا تھا۔ "علمای عرب[14] و بغداد" سے پچاس برس" علوم عربیہ تحصیل کرنے کے بعد زردشتی مذہب[15] ترک کر کے مسلمان ہو گیا تھا' اور اپنا اسلامی نام عبدالصمد[16] رکھا تھا۔ یہ "مومن موحد صوفی صافی[17]" بطریق سیاحت ۱۲۲۶ھ[18] میں آگرہ پہنچا اور دو سال وہاں غالب کے گھر[19] میں مہمان رہا۔ غالب نے یہ نہیں بتایا کہ آگرہ کہاں سے آیا تھا اور وہاں سے اس کا کہاں جانا ہوا۔ غالب کے قیام دہلی کے بعد تک اس سے مراسلت رہی' اور وہ کبھی کبھی اپنے خط میں اپنا نام عبدالصمد کی جگہ "ارونہ[17] بندہ" بھی لکھا کرتا تھا۔ غالب نے یہ نہیں بتایا کہ ۱۲۲۶ھ میں اس کی کیا عمر تھی' لیکن جس شخص نے پچاس برس علمای عرب و بغداد سے تحصیل علم کی ہو' وہ اس وقت ۶۵ برس سے کم کا ہو' یہ قرین قیاس نہیں۔ زمانۂ وفات کی یقین غالب نے نہیں کی' لیکن قاطع وغیرہ میں جو الفاظ اس کے لیے استعمال کیے ہیں' ان سے صاف ظاہر ہے کہ قاطع کی تصنیف سے پہلے ہی وہ راہی عدم ہو چکا تھا۔ عبدالصمد سے استفادے کے بانگ دہل اعلان کے باوجود' غالب یہ بھی کہا کرتے تھے کہ" مجھ کو مبدء

---

۴۴ راجشائی خوانند۔ نزد ایشاں جہاں را در خارج وجودے نیست' ہرچہ ہست ایزد است

مدا کو لو چیزی نہ" دبستان مذاہب ص۵ ۹ کلیات نظم فارسی ص۳۷۶۔ غزل کا شعر ہے۔

۱۰ د ص۱۳۔ ل ۱۵۔ ۱۱ ل ۱۵۔ د میں ہے "پارسی نژاد فرزانہ بود از تخمۂ ساسانیاں" ص۱۳۔ ۱۲ ل ۱۵ ۱۳ و ۱۴ ل ۱۵۔ ۱۵ د ص۱۳ ل ۱۵۔ ۱۶ "د خود را عبدالصمد نامیدہ" د ص۱۳، مگر حالی کہتے ہیں کہ عبدالصمد نام رکھا گیا۔ ی ص۱۲۔ ۱۷ اض۔ ۱۸ و ۱۹ د ص۱۳ "د باکبر آباد۔۔ دو سال بکلبۂ احزان من آسودہ است" مگر حالی لکھتے ہیں "دو برس تک مرزا کے پاس اول آگرہ میں اور پھر دلی میں مقیم رہا"

نیاض کے سوا کسی سے تلمذ نہیں ہے، اور عبدالصمد محض ایک فرضی نام ہے، چوں کہ مجھ کو لوگ بے اُستادا کہتے تھے ان کا منہ بند کرنے کو میں نے ایک فرضی اُستاد گڑھ لیا ہے۔" ی ص۱۴

۲) عبدالصمد سے متعلق غالب کے بیانات میں تضاد ہے، لیکن فی الحال اسے نظرانداز کر کے، یہ دیکھنا ہے کہ "فارسی بحثث"، کے وہ "لطائف" اور "فارسی آمیختہ بہ عربی" کے وہ "غوامض" جو اس کے حوالے سے غالب نے پیش کیے ہیں کس پائے کے ہیں:

(۱) فارسی میں دو حرف "متحد المخرج" بل کہ قریب المخرج" موجود نہیں، (؛)
س ہے ث و ص نہیں، ت ہے ط نہیں، الف ہے ع نہیں، غ ہے ق نہیں، ز ہے ض اور ظ نہیں۔ اس صورت میں یہ کیوں کر روا رکھا جا سکتا ہے کہ "دو حرف متحد المخرج" ذ اور ز فارسی میں موجود ہوں ؟ ذ جو فارسی میں آتی ہے، اس کی وجہ یہ بیان کی ہے:

"دبیرانِ پارس را قاعدہ چناں بود کہ بر سرِ دال ابجد نقطہ نہادندے بینایاں ازیں رسم الخط بہ وجود ذال منقوطہ در گمان افتادند۔ چوں دریں اندیشہ وجود دال بے نقطہ از میاں مے رفت و ہمہ ذال منقوطہ مے ماند، اکابر عرب قاعدہ قرار دادند، و تفرقۂ دال و ذال را بر آں قاعدہ اساس نہادند" (ص۱۳)

غالب کو اس توجیہ پر بڑا ناز تھا، مگر یہی بات کسی قدر اختلاف کے ساتھ جہاں میں موجود ہے۔ غالب نے کمال یہ کیا کہ صاحب مؤید نے جہاں کی عبارت نقل کی تو باوجود اس کے کہ کتاب کا حوالہ صراحتہً موجود تھا، انھوں نے صاحب مؤید پر[۲۱] یہ الزام لگایا کہ

ی ص۱۴ حالی نے یہ نہیں بتایا کہ عبدالصمد کے قیام دہلی کا حال انھیں کس طرح معلوم ہوا۔[۲۰] ص۲/۲
ہے کل باتیں جو غالب نے عبدالصمد کے حوالے سے لکھی ہیں نقل کر دی گئی ہیں، لیکن بعض امور سے متعلق اظہار رائے کسی دوسرے موقع کے لیے اُٹھا رکھا گیا ہے (؛) ہندوستانی س اور ص میں فرق نہ کرتے ہوں، لیکن سعدی کے ایک شعر سے جس میں فضل کا قافیہ عدل آیا ہے، ایران کے متعلق جو نتیجہ نکلتا ہے واضح ہے۔
[۲۱] تفاصیل، ص۱۴ و ۱۲۱ غالب کو ان مخطوطات کا ذکر کرنا تھا جن میں د و ذ میں فرق نہیں۔

انھوں نے مجھ سے سرقہ کیا ہے:

"حضرات کو میں اس امر خاص میں بہت تکلیف دوں گا اور دادطلبی میں اصرار وابرام کروں گا۔ فرہنگہائے پیشیں میں کوئی مجھ کو یہ مطلب دکھادے تو میں گنہگار، ورنہ مولوی اٹھائی گیرا۔ یہ راز مجھ سے شنت ہر مزدثم مولانا واولانا حضرت مولوی عبد الصمد علیہ الرحمتہ نے کہا ہے، دوسرا کوئی اس کو نہیں جانتا تھا۔ ایسی نئی بات کو چرانا اور اپنا قول بنانا چوری اور سرزوری خیرہ رائی اور بے حیائی ہے یا نہیں؟۔۔ اے اہلِ عقل کوئی تو بولو خدا لگی" تیغ صہ ۱۲

فارسی میں "دو قریب المخرج" حروف کے وجود کا انکار بدیہیات کا انکار ہے۔ ب پ و ف قریب المخرج ہیں، اسی طرح ر اور ل، د اور ت وغیرہ طرہ یہ کہ غالب نے خود قاطع میں دوسری جگہ اس کا اقرار کیا ہے کہ فارسی میں قریب المخرج حروف ہیں۔ غالب رستاد (ایک فارسی لفظ) کی بحث میں لکھتے ہیں: "چوں در دو حرف قریب المخرج برافکندن احد المتجانسین رسم است۔" د صہ ۴۷۔ ذ کا صحیح تلفظ جن لوگوں کو معلوم ہے وہ کبھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ ز اور ذ متحد المخرج ہیں۔ فارسی میں وجود ذ کی جو وجہ غالب نے لکھی ہے وہ جہان میں موجود ہے، لیکن یہ کتاب ہندوستان میں عہد جہاں گیری میں تمام ہوئی ہے، اور زمانۂ قدیم کے بارے میں اس کے وہ بیانات جن کی سند اس میں نہیں، لازماً قابلِ قبول نہیں۔ پانچویں، چھٹی اور ساتویں صدی ہجری کے فارسی مخطوطات موجود ہیں، مگر ان سے غالب اور صاحب جہاں کے اس دعوی کی کہ کاتب دال بھی ذال کی طرح لکھا کرتے تھے، تصدیق نہیں ہوتی۔ یہ بات کہ دو ذ میں فرق کرنے کے لیے 'اکابر عرب' نے کوئی قاعدہ بنایا تھا، جہاں میں نہیں، اور کسی طرح قرین قیاس بھی نہیں سمجھی جاسکتی۔ عربی میں ایک[۲۲] مختصر سی نظم اس کے متعلق البتہ

۲۲ تاریخ گزیدہ میں یہ نظم بہ نام ظہیر فاریابی اور فرہنگ شعوری (فارسی ترکی جلد اطبع قسطنطنیہ) میں بھی یہی ہے مگر حاشیۂ القاموس المحیط (طبع قاہرہ) میں بہ نام ابو افضر فاریابی۔ حلل مطرز در فن معما و لغز مصنفۂ شرف الدین علی یزدی مؤرخ مشہور (نسخۂ سید محفوظ الحق مرحوم) میں یہ نظم موجود ہے، مگر مصنف کا نام نہیں دیا۔ کلیاتِ ظہیر کی تینوں مطبوعہ اشاعتیں اور متعدد قلمی نسخے جو میری نظر سے گزرے ہیں، اس سے خالی ہیں۔

فیاض کے سوا کسی سے تلمذ نہیں تھا، اور عبدالصمد محض ایک فرضی نام ہے، چوں کہ مجھ کو لوگ
بے اُستادا کہتے تھے ان کا منہ بند کرنے کو میں نے ایک فرضی اُستاد گڑھ لیا ہے"۔ ہے ص۱۴
۲) عبدالصمد سے متعلق غالب کے بیانات میں تضاد ہے، لیکن فی الحال اسے نظرانداز
کرکے، یہ دیکھنا ہے کہ "فارسی بحث"، کے وہ "لطائف" اور "فارسی آمیختہ بہ عربی" کے وہ
"غوامض"، جو اس کے حوالے سے غالب نے پیش کیے ہیں کس پایے کے ہیں:
(۱) فارسی میں دو حرف "متحد المخرج" بل کہ قریب المخرج" موجود نہیں،
س ہے ث و ص نہیں، ت ہے ط نہیں، الف ہے ع نہیں، غ ہے ق نہیں، ز ہے ض
اور ظ نہیں۔ اس صورت میں یہ کیوں کر روا رکھا جا سکتا ہے کہ "دو حرف متحد المخرج"
ذ اور ز فارسی میں موجود ہوں؟ ذ جو فارسی میں آتی ہے، اس کی وجہ یہ بیان
کی ہے:

"دبیرانِ پارس را قاعدہ چناں بود کہ بر سرِ دال ابجد نقطہ نہادندے پیشینیاں
ازیں رسم الخط بہ وجود ذال منقوطہ در گماں افتادند۔ چوں دریں اندیشہ وجود دال
بے نقطہ از میاں مرتفع و ہمہ ذال منقوطہ می ماند، اکابر عرب قاعدہ قرار دادند،
و تفرقہ دال و ذال را بر آں قاعدہ اساس نہادند"۔ (ص۱۳)

غالب کو اس توجیہ پر بڑا ناز تھا، مگر یہی بات کسی قدر اختلاف کے ساتھ جہاں
میں موجود ہے۔ غالب نے کمال یہ کیا کہ صاحب مؤید نے جہاں کی عبارت نقل کی، تو باوجود
اس کے کہ کتاب کا حوالہ صراحتہً موجود تھا، انھوں نے صاحب مؤید پر[۲۱] یہ الزام لگایا کہ

ہے ص۱۴ حالی نے یہ نہیں بتایا کہ عبدالصمد کے قیام دہلی کا حال انھیں کس طرح معلوم ہوا۔[۲۰] (ص۲۰
ہے کل باتیں جو غالب نے عبدالصمد کے حوالے سے لکھی ہیں نقل کر دی گئی ہیں، لیکن بعض امور سے متعلق
اظہار رائے کسی دوسرے موقع کے لیے اُٹھا رکھا گیا ہے۔ (ب) ہندوستانی ز اور ض میں فرق نہ کرتے ہوں، لیکن
سعدی کے ایک شعر سے جس میں فضل کا قافیہ عدل آیا ہے، ایران کے متعلق جو نتیجہ نکلتا ہے واضح ہے۔
[۲۱] تفاصیل [illegible] مغلوطات کا ذکر کرنا تھا جن میں دو نسخوں میں فرق نہیں۔

انھوں نے مجھ سے سرقہ کیا ہے:

"حضرات کو میں اس امر خاص میں بہت تکلیف دوں گا اور داد طلبی میں اصرار و ابرام کروں گا۔ فرہنگہائے پیشیں میں کوئی مجھ کو یہ مطلب دکھا دے تو میں گنہگار، ورنہ مولوی اٹھائی گیرا۔ یہ راز مجھ سے شنت ہرمزد تم مولانا و اولانا حضرت مولوی عبد الصمد علیہ الرحمۃ نے کہا ہے، دوسرا کوئی اس کو نہیں جانتا تھا۔ ایسی نئی بات کو چرانا اور اپنا قول بنانا چوری اور سرزوری خیرہ رائی اور بے حیائی ہے یا نہیں؟ . . اے اہلِ عقل کوئی تو بولو خدا لگی" تیغ ص۱۲

فارسی میں "دو قریب المخرج" حروف کے وجود کا انکار بدیہیات کا انکار ہے۔ ب پ و ف قریب المخرج ہیں، اسی طرح ر اور ل، د اور ت وغیرہ طرہ یہ کہ غالب نے خود قاطع میں دوسری جگہ اس کا اقرار کیا ہے کہ فارسی میں قریب المخرج حروف ہیں۔ غالب رستاد (ایک فارسی لفظ) کی بحث میں لکھتے ہیں: "چوں در دو حرف قریب المخرج برافکندن احد المتجانسین رسم است،" د ص۴۷۔ ذ کا صحیح تلفظ جن لوگوں کو معلوم ہے وہ کبھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ ز اور ذ متحد المخرج ہیں۔ فارسی میں وجود ذ کی جو وجہ غالب نے لکھی ہے وہ جہان میں موجود ہے، لیکن یہ کتاب ہندوستان میں عہد جہاں گیری میں تمام ہوئی ہے، اور زمانۂ قدیم کے بارے میں اس کے وہ بیانات جن کی سند اس میں نہیں، لازماً قابلِ قبول نہیں۔ پانچویں، چھٹی اور ساتویں صدی ہجری کے فارسی مخطوطات موجود ہیں، مگر ان سے غالب اور صاحب جہان کے اس دعوے کی کہ کاتب دال بھی ذال کی طرح لکھا کرتے تھے، تصدیق نہیں ہوتی۔ یہ بات کہ د و ذ میں فرق کرنے کے لیے 'اکابر عرب' نے کوئی قاعدہ بنایا تھا، جہان میں نہیں، اور کسی طرح قرین قیاس بھی نہیں سمجھی جا سکتی۔ عربی میں ایک[۲۲] مختصر سی نظم اس کے متعلق البتہ

۲۲ تاریخ گزیدہ میں یہ نظم بہ نام ظہیر فاریابی اور فرہنگ شعوری (فارسی ترکی جلد ا طبع قسطنطنیہ) میں بھی یہی ہے مگر حاشیۂ القاموس المحیط (طبع قاہرہ) میں بہ نام ابو النصر فاریابی۔ حلل مطرز در فن معما و لغز مصنفۂ شرف الدین علی یزدی مؤرخ مشہور (نسخۂ سید محفوظ الحق مرحوم) میں یہ نظم موجود ہے، مگر مصنف کا نام نہیں دیا۔ کلیاتِ ظہیر کی تینوں مطبوعہ اشاعتیں اور متعدد قلمی نسخے جو میری نظر سے گزرے ہیں، اس سے خالی ہیں۔

ہے، مگر یہ کسی عرب کی طرف منسوب نہیں۔ قدیم ترین فارسی کتاب جس میں یہ قاعدہ ملتا ہے، المعجم فی معاییر اشعار العجم ہے[۲۳]:

"بدانک در صحیح لغت دری ماقبل دال مہملہ الّا راء ساکن چنانک درد و مرد یا زاء ساکن چنانک دزد و مزد یا نون ساکن چنانک کمند و گزند نباشد و ہر دال کی ماقبل آں یکے از حروف مدّ و لین است، چنانک باذ و شاذ و سوذ و شوذ و دیذ و کلیذ یا یکے از حروف صحیح متحرک ست چنانک نمذ و سبذ و ذو ہمہ ذال معجمہ اند۔ و در زبان اہل غزنین و بلخ و ماوراء النّہر ذال معجمہ نیست و جملہ دالات مہملہ در لفظ آرند" ص ۱۹۲

نصیر الدین طوسی، ابن یمین[۲۴] وغیرہ کی طرف بھی ایسی نظمیں منسوب ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ کن فارسی لفظوں کو ذال لکھنا چاہیے۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ خود غالب کے اس بیان سے کہ د و ذ میں تمیز کے لیے قاعدہ بنایا گیا تھا، یہ ثابت ہے کہ فارسی میں ذ تھی، نہ ہوتی تو صرف اتنا کہہ دینا کافی ہوتا کہ یہ حرف فارسی میں نہیں۔ حقیقت حال فاضل بزرگ، محمد بن عبد الوہاب قزوینی مرحوم کے الفاظ میں یہ ہے:

---

۲۳ المعجم اوائل ماہ ہفتم میں لکھی گئی ہے۔ حسین بن ابراہیم نطنزی (متوفّی ۴۹۹ھ) نسخۂ کتب خانۂ مشرقیہ پٹنہ (ورق ۱۵۵/۲) میں یہ عبارت ہے: "والحروف لاتدخل الفارسیۃ ثمانیۃ بجمعہا: صع حط ثظ قفض" اس سے صاف ظاہر ہے کہ نطنزی کے نزدیک ذال فارسی حروف میں ہے۔ مح میں جو ذال کی بحث ہے وہ بھی دیکھی جائے۔

۲۴ ابن یمین کا ایک قطعہ جو اس کے کلیات سے ماخوذ ہے "فرہنگ غالب" (نوشتۂ راقم غ ص ۲۵۸) میں موجود ہے۔ واضح رہے کہ جن الفاظ کو غالب ذ کی جگہ ز سے لکھنا چاہتے ہیں، ان میں سے ایک آدھ کو چھوڑ کر سب کے سب ایران میں ذ سے لکھے جاتے ہیں، اور انھیں کسی زمانے میں ز سے لکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوا۔ مجھے یاد آتا ہے کہ ڈاکٹر منوہر سہائے، انور نے جو آرزو پر ایک بسیط محققانہ مقالے کے مصنف ہیں، مجھے لکھا تھا کہ آرزو نے بھی آخر عمر میں وہی رائے ظاہر کی تھی جو غالب کی ہے۔ اس صورت میں غالب کے ہم نوا اور بھی ہیں، لیکن، سوال ایران کا ہے، ہندوستان کا نہیں۔ اس بات سے کہ تسلط اسلام سے پہلے ایران میں کوئی حرف ایسا تھا یا نہیں جس کی آواز ذال کی ہو، کبھی اور بحث کی جائے گی۔

"در بلاد زبان فارسی بہ استثنای بعضی نواحی۔۔ تا قرن ششم و ہفتم بل ہشتم ہجری ما بین دال وذال فارسی تمیز می دادہ و فرق می گذاشتہ اند، ہم در تلفظ ظاہراً و ہم در کتابت قطعاً۔ در اغلب نسخ فارسی کہ اکنون بدست است، وقبل از قرن ہشتم استنساخ شدہ است، ذالہای فارسی عموماً با نقطہ مستور است، ولی از حدود قرن ہشتم بعد بجہات نامعلوم بتدریج این تمیز از میانہ برداشتہ شد، و ذالہای معجمہ متدرجاً بہ دالہای مہملہ مبدل شد، و اکنون در ایران جمیع ذالہای فارسی را دال مہملہ خوانند و نویسند، بہ استثنای قلیلی از کلمات چون گذشتن و گذاشتن و پذیرفتن و آذر و آذربایجان وغیرہا" (مقدمہ، تاریخ جہانگشای حاشیہ، صفحہ فج)

(۲) "۔۔ عبدالصمد گاہ گاہ در مکاتبات خود را اروند بندہ نوشتی، چون نزد ہشیا رفت فرمود کہ اروند بندہ مضاف و مضاف الیہ مقلوب است، یعنی بندۂ اروند، بندہ ترجمہ، عبد و اروند ترجمۂ صمد و نیز می فرمود کہ چون طبائع لطیف استعارہ را دوست دارد، اروند را کہ اسم کوہ است، بہ معنی تمکین و وقار و شان و شوکت نیز آرند"، (ص۱۵۱ ('صمد' کے کیا معنی غالب کے نزدیک ہیں، اس کے لیے فصل آخر دیکھی جائے)۔ دنیا میں عبدالصمد کے سوا کسی نے اروند و صمد کو ہم معنی نہیں کہا (برای تفاصیل رجوع فصل ۲) یہ قول بھی محتاج ثبوت ہے کہ اروند پہلے کسی پہاڑ کا نام تھا، بعد کو مجازاً تمکین و وقار وغیرہ کے معنی میں مستعمل ہوا۔

(۳) "اورمزد وارمزد و ہرمزد ہر چہار لفظ برای ہوز اسم مشترکیست۔۔ و اسفندارمزد و اسفندارمز ہم نام ماہ ہست و ہم نام روز و ہم نام سروش و این افادہ نیز از فیض تقریر مولانا عبدالصمد است علیہ الرحمۃ" (ص۱۰۱

اورمزد وغیرہ کے جو معنی غالب نے دیے ہیں، برہان میں بھی ہیں، اس لیے عبدالصمد کی ان سے واقفیت اس کے لیے مایۂ نازش نہیں ہو سکتی۔ ظاہرا غالب کا یہ خیال ہے کہ 'مز' اور 'مزد'، ان تمام الفاظ میں ایک ہے، مگر حقیقت اس کے خلاف ہے۔ اورمزد و ہرمزد وغیرہ زرتشتی ہیں، لیکن، اسفندارمز اور اسفندارمزد صحیح املا نہیں، ان کی جگہ

جگہ ذ چاہیے۔ قدیم ایرانی زبانوں میں ان کی جو شکلیں ہیں، وہ ہرگز ز کی مؤید نہیں۔ متداول فرہنگوں میں بھی خواہ وہ ایران میں لکھی گئی ہوں، خواہ ہندوستان میں یہ الفاظ ذ ہی سے ہیں، گو اس کا امکان ہے کہ غلطی سے کسی ایرانی نے ان میں کسی کو ز سے لکھ دیا ہو۔

(۴) "از استاد شنیدہ ام کہ کُند چنانکہ معنی قوتِ جسمانی دہد، افادۂ معنی قوتِ عقلی و علمی نیز کند، ازینجاست کہ مرد دانشمند را گُندآور گویند" (ص ۱۳۵)

(۵) "پوشتن ... و پشتن ... مصدریست پارسی الاصل (کذا) و مضارع نیز دو صورت دارد: پوژد و پژد۔ ہر آئینہ مصدر مضارعی نیز دو گونہ می تواں ساخت پوزیدن و پزیدن۔ امّا معنی ایں ہر چہار دعا خواندن و بر آب و شربت دمیدنست، و ایں چنیں را در فارسی دُردن بہ دال مضموم و واو معروف و چیزیکہ دمدوں یا آں دمیدہ باشند پوشتہ و پشتہ و پوزدہ و پزدہ گویند و پوزش و پزش حاصل بالمصدر پوزیدن و پزیدن است کہ مجازاً بمعنی عذر و استعذار آید۔ اکنوں در دبستان مذاہب می نگریم کہ پشتن و پشتہ بہ تحتانی نوشتہ اند۔ حاشا کہ رستم سخِ دبستان مذاہب ز گرانمایہ ایست بغوامض دین زردشتیاں و دقائق نطق پارسیاں و دریں منطق خطا کند ... بپای خطی نزیبد۔ اتفاق کارواں کارواں کاتبانست بر غلط نوشتن۔ نگرندگان مشاہدہ را شاہد گرفتند، و ہم بریں جادہ رفتند، و اگر فرزانہ فرید بود آئیں عبدالصمد را ہمنوی نامہ نگار نیز یکی از نگرندگاں بودی، نہ خود راہ راست پیمودی و نہ دیگراں را آگہی افزودی" (ص ۱۴۴)

پوشتن و پشتن فارسی مصادر نہیں۔ پشتن پہلوی ہے، "بمعنی ستودن و عبادت کردن و فدیہ آوردن" ہے (مقدمۂ یشتہا جلد ۱ ص ۱۴ از آقای پور داؤد)۔ کسی زردشتی کا اسے پشتن کہنا ویسا ہی ہے جیسے ایران کے کسی مسلمان کا نماز کو نماز اور روزہ کو پوزہ کہنا۔ پوزیدن فارسی مصدر ہے، مگر اس کے معنی پشتن سے مختلف ہیں، اور یہ دونوں ایک دوسرے سے کچھ سروکار نہیں رکھتے۔ (مزید تفاصیل کے لیے ع فصل ۱)۔ کمال یہ ہے کہ غالب یہ بھی نہیں کہتے کہ دبستان مذاہب کے کسی نسخے میں پشتن اور پشتہ مجھے پ سے ملا ہے، وہ خود

معترف ہیں کہ کاتبوں کا اتفاق ہی سے لکھنے پر ہے۔ جس طرح دن اور تن علامت مصدر ہیں یدن بھی ہے۔ ایک ریشے سے دو مصدر ایک دن یا تن کے ساتھ اور دوسرا یدن کے ساتھ آتے ہیں، یا نہیں اس کا انحصار سماعت پر ہے۔ اگر پوزیدن ہے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ پوشتن لازماً ہونا چاہیے (یہ بات غالب ذیل میں کہی ہے) ٹھیک اسی طرح جیسے کہ سزیدن کے وجود سے سزدن کی ہستی پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ فارسی میں بیک وقت آوردن اور آوریدن، پژمردن اور پژمریدن، گستردن اور گستریدن وغیرہ کا ہونا اس کا مجاز نہیں کرتا کہ ہر مصدر کے امر پر 'یدن' کا اضافہ کیا جائے۔

دروں کے متعلق غالب کے قلم سے جو کچھ نکلا ہے وہ اس اختلاف کے ساتھ جو شین کو یای فارسی سے پڑھنے سے پیدا ہو جاتا ہے، یعنی کتاب برہان میں بھی ہے (ص۳۲۴) لیکن 'دروں' بضمہ 'د' نہیں، بفتحہ 'د' ہے (پہلوی پازند انگریزی فرہنگ (ص۱۷۲) دروں کے معنی دیباچہ اوستا میں یہ دیے ہیں: "در پہلوی دروں .. عبارتست از نان کوچک گرد بدون خمیر مایہ کہ بہ سروش نذر می شود۔ این نان مقدس فقط علامت است، و اشارہ است بہ نذورہ خیرات" ص۲۵

(۶) "چوں تازیاں بر پارسیاں چیرہ دست آمدند.. بسیاری بصدقِ دل مسلمان شدند، برخی.. آشکارا اسلام گزیدند و نہانی ہم بر آں جادۂ پی سپر ماندند آں کہ بزدانِ اہرمن دوست.. ہر گونہ دقائق و حقائق کہ از اسلامیاں شنودند بہ گنجی نشستند و بہ اتفاق منافقانِ دگر از بہر ہر مسمیٰ اسمی تراشیدند.. و چنیں وانمودند کہ زردشت بطریق پیشگوئی.. چنیں فرمودہ است.. آنچہ از معجزات.. در زمرۂ مسلمیں شہرت یافت ہمہ بر زردشت بستند و برای وی عروج مانا بہ معراجِ مخبر صادق نشان دادند و گذشتن از افلاک و رسیدن بہ فرگاہ دادار پاک و شنیدن سخن از غیب و دیدن بہشت و دوزخ ہمہ را در دامنش ریختند و کراسہ ونیہ بہ معنی مصحف مجید و سیمناد .. بہ معنی سورہ و چینود بہ اعراب مجہولہ بہ معنی پل صراط نتیجہ امنظ آفرینی

این گروه .. است .. عبدالصمد این راز با من میگفت و بر فریب[۲۵] دنیرنگ پارسیان می‌خندید نگارندهٔ دبستان مذاهب را که از نیان میدانست. از سوره سوره بودن ژند و سیماد بودن نام سوره در اصل ددجود داشتن پل صراط در کیش زردشت ابای کرد و این اخبار و این اسمار را هم بافتهٔ شوریده مغزان پارس وا می نمود و می فرمود که بزبان دری و در نثر بجای باب لفظ .. در و بجل فصل نسک آرند .. و فصل را بر باب مقدم دارند و هر نسک یعنی هر فصل بر پاره چند یعنی دری چند مشتمل باشد چنانکه مجموعهٔ ژندیست و یک نسک دارد و صد در. همانا نسک را بخش میتوان گفت .. و ابواب و فصول مروجهٔ حال را در تقدیم و تاخیر بدان فصول و ا. اب مطابق نتوان اندیشید چون از نظم پرسش بمیان آمد گفت که در نظم قافیه را پیوند گویند و ردیف را پساوند و غزل را چامه و غزل دراز را چگامه. اما اوزان و بحور در میان پارسیان نبود، زمزمهٔ این گروه به اشعار هندیان می مانست که فقره فقره الفاظ[۲۶] متحد الآخر فراهم آرند و در وزن برابر نباشد. اوزان و بحور از مستخرجات طبع عالیهٔ اهل عرب است. گفتم ابتدای بروز کلمهٔ موزون از زبان .. بهرام گور است. گفت چنین خواهد بود. بهرام در عراق و عرب نشو و نما یافته است، در شکارگاه بر وقت زدن صید یا بردن گوی از راه نشاط زمزمهٔ سر داده باشد، علمای آن سرزمین بنظرهای دقیق و فکرهای ژرف قانون نهاد و ضع کردند و قاعده ها نهادند و این اساس را چنان که اکنون در عرب و عجم

---

۲۵ "فریب و نیرنگ پارسیاں" پر غالب یا عبدالصمد کو ہنسنے کا حق حاصل نہیں۔ غالب عمر بھر دساتیر کی اصلیت کے قائل رہے اور اس کے مصنوعی الفاظ کو جن کا ایران کی کسی زبان سے کچھ تعلق نہیں، فخریہ استعمال کرتے رہے۔ ساسان پنجم بھی جس سے غالب عبدالصمد کا سلسلۂ نسب ملاتے ہیں، ایک خیالی ہستی ہے ساسان پنجم کا جو نسب نامہ دبستانِ مذاہب میں ہے، دساتیر کے مطابق ہے، لیکن کسی طرح باور کرنے کے قابل نہیں ساسان پنجم خسرو پرویز نبیرۂ نوشیرواں کا ہم عصر ہے اور دارا کو جو سکندر سے مغلوب ہوا اس کا جد سوم لکھا ہے حالانکہ پرویز اور دارا کے درمیان ۹۰۰ برس سے زیادہ کا فاصلہ ہے۔ ۲۶ تعجب ہے کہ غالب نے دوہرے اور چوپائیاں بھی نہیں دیکھیں جن کے آخر میں قوافی ہوتے ہیں۔

شائستہ استواری دادند۔ نہ بینی کہ مطالب در بایستہای ایں فن فرخ را در پارسی زبان نامی نیست" (ص ۱۳۲ و ۱۳۳) "دانش آموز درخشاں تر از روز فرزانہ ہرمزد تم عبدالصمد میفرمود کہ ہر صحیفہ کہ بر وخشوراں پارس از آسمان فرود آمدہ است در آسمانی زبانست کہ آنرا فرآیین نواد گویند۔ آرش آں واژہ ہای دشیرہ و آں سخنہای پاکیزہ پیمبراں را بہ میانجی سروش از فرگاہ دادار پاک بر دل فرو میریزد و ایں روشن گہراں آزاد دلنشیں پیرہ وخشوراں میکنند تا آں راز ہای سترگ را در زبان قوم بہ بند نگارش در آورند، چنانکہ پایخواں ژند کہ بہ پاژند مشہور است، ہم چنیں ہمیراز دساتیر کہ بساسان پنجم بزبان دری نگاشتہ است۔ از جانب من پژوہش رفت کہ در دل چناں فرود می آید کہ ژند و دساتیر را زباں یکی خواہد بود، گفت آری۔ گفتم از ژند و پاژند در گیتی نشان ماندہ باشد۔ گفت نماندہ است مگر نسکی چند از پاژند۔ گفتم مگر ہنجار نگارش پاژند و عبارت ساسان پنجم یکیست، گفت البتہ۔ اکنوں غالب ہیچمداں میپرسد کہ ایں فرہنگ نگاراں لغتی چند و مصدری چند می آرند و ماخذ آں لغات و مصادر چناں وا می نمایند کہ ژند است، ژند کجاست کہ لغات و مصادر از آں بدر تواں کشید و اگر ہست نا آشنا ساز بانیست کہ بہ دری و پہلوی و پارسی نماند" (ص ۱۳۸)

(الف) منافقین ایران کی جس منظم کوشش کا غالب نے ذکر کیا ہے، وہ محتاج ثبوت ہے۔ "بہ اتفاق منافقان دگر" کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ ایرانیوں کے علاوہ اور قوموں کے منافق بھی اس کوشش میں شریک تھے، اس دعوی کی بھی کوئی سند موجود نہیں۔ میرا خیال ہے کہ غالب کا بیان دبستانِ مذاہب کی عبارت ذیل پر مبنی ہے جو سمرادیوں سے متعلق ہے:

"و ایشاں اکنوں با مسلماناں در آمیختہ اند در لباس مومناں می گردند و بر مذہب ایشاں کامگار نامی از پارسیۂ (کذا) ایں گروہ کہ در عہد .. محمود .. رسالہ منظومہ نوشتہ .. و ایں کیش را بر دیگر آئینہا ترجیح دادہ بایں وجہ کہ سراسر ارباب ادیان از عقائد خود آنچہ ذکر کردہ اند از وجود خدای .. و بہشت و دوزخ صراط و حشر

دلنشر و سوال و جواب . . ہمہ در کیش درست بود" صلا

کامگار کی کتاب کا حال مجھے معلوم نہیں، اور یقین نہیں کہ لکھی بھی گئی ہو، لیکن یہ مسلّم ہے کہ تسلط اسلام کے بعد زردشتیوں نے ایسی کتابیں تحریر کی ہیں جن میں اسلام پر اپنے عقائد کی فوقیت دکھائی ہے اور اسلام و زردشتیت میں خواہ مخواہ مطابقت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ زردشت کی کوئی پیش گوئی اسلام سے متعلق موجود نہیں، زردشت کا نبی ہونا ایک ایسا عقیدہ نہیں، جو ایران میں اسلام کے استیلا کا نتیجہ ہو۔ کسی خاص معجزے کا کسی نبی سے سرزد ہونا یا نہ ہونا اس کے صادق یا کاذب ہونے کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ نبی کے لیے غیب کی آواز سننا کوئی بڑی بات نہیں، معراج زردشت کا عقیدہ بھی قدیم سے چلا آرہا ہے اور کم از کم غالب کو جو دساتیر کی اصلیت کے قائل ہیں، یہ کہنے کا حق نہیں کہ مسلمانوں سے لیا گیا ہے، اس لیے کہ معراج زردشت کا ذکر دساتیر میں ہے (تفاصیل ع)۔

(ب) کراسہ عربی لفظ ہے۔ قاموس جلد ۲ صلا۲۴۶ میں ہے: "الکراسة جزء من الصحیفة" یہ بہ معنی قرآن مستحدث سہی، لیکن لفظ پرانا اور پشتن سے مستخرج ہے ـــ اکابر شعرای ایران نے اسے استعمال کیا ہے:

"نرم دار آواز بر انساں چو انساں زانکہ حق | انکر الاصوات خواند اندرین صوت الحمیر" سنائی[۲۷]
"مر ضعیفاں را تو بے خصمی مداں | از نبی اذا جا، نصر اللہ بخواں" رومی

(ج) ظاہراً غالب یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ لفظ سورہ قرآن کے لیے مخصوص ہے، یہ صحیح نہیں، ادیب صابر کا شعر ہے:

"بہ سورۂ توریت دسطر سطر زبور | بہ آیۂ آیۂ انجیل و حرف حرف نوی"

اس سے قطع نظر، سیمناد بہ معنی سورہ دساتیر میں آیا ہے جس کی قدامت کے غالب قائل ہیں۔

---

۲۷ یہ دونوں شعر جہاں جی میں اور پہلا کلیات سنائی مطبوعہ بمبئی موجود ہے، دوسرا ظاہرا مثنوی رومی کا ہے، لیکن میں نے ابھی مثنوی میں اسے تلاش نہیں کیا۔ یہ لفظ ب اور دے سے بھی لکھا جاتا ہے۔

(د) چینود[۲۸] گاتھا میں آیا ہے اور اس کی قدامت تمام محققین مشرق و مغرب کے نزدیک مسلّم ہے۔ پل صراط کا خیال زردشتیوں نے مسلمانوں سے نہیں لیا، مسلمانوں نے زردشتیوں سے لیا ہے۔ چینود ان الفاظ میں نہیں، جن کے حرکات و سکنات نامعلوم ہوں، اس لیے کہ یہ اوستائی لفظ ہے اور اوستائی رسم خط ایسا ہے کہ کسی لفظ کے حرکات و سکنات کے متعلق شبہہ ہو ہی نہیں سکتا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ غالب نے ل (۱۱) میں اس سے صریحاً انکار کیا ہے کہ عبدالصمد نے انھیں چینود کے بارے میں کوئی بات بتائی تھی: "بھلا اتنا تو سمجھو ہوتے کہ اُستاد شاگرد کو لفظ بتائے اور اعراب چھپا رکھے حالانکہ قاطع صفحہ ۱۳۲ میں اس کی نسبت جو کچھ ہے عبدالصمد ہی کے حوالے سے ہے۔

(ک) نسک اور در کے متعلق جو کچھ غالب نے لکھا ہے کس حد تک صحیح ہے، اس کا اندازہ مع فصل اسے ہو سکتا ہے۔

(ل) ایران شناسوں کے مسلمات سے ہے کہ گاتھا منظوم ہے اور یہی حال یشت کے کچھ اجزا کا ہے۔ کچھ لوگ اس کے بھی قائل ہیں کہ پہلوی میں کلام منظوم موجود ہے۔ گاتھا اور یشت کی نظم اس طور کی نہیں جو غالب کے قول کے مطابق ہندی نظموں کی ہے۔

(ح) بہرام گور کا شعر کہنا بہت سی کتابوں میں درج ہے، لیکن، ان میں ایک بھی اتنی قدیم نہیں کہ تشفی بخش ثبوت سمجھی جا سکے۔

(ط) بہرام نے واقعی عراق عرب میں نشو و نما پائی تھی۔ لیکن عربی عروض کی بنا وہاں پڑنے کی یہ وجہ نہیں۔ اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ خلیل واضع عروض عربی نے بہرام کے اصلی یا فرضی اشعار دیکھے تھے، یا عراق عرب کے شعرا نے عربی اشعار بہرام کے تتبع میں کہے۔

۲۸۔ چینود ایران کے بعض مستند اساتذہ کے کلام میں بھی آیا ہے۔ دسویں تک جو مباحث ہیں ان کے لیے مع فصل اور ۲ دیکھی جائے۔

(ی) پرانے زمانے میں مختصر یا طویل غزل تھی کہاں جو ان کے لیے چامہ و چگامہ کی اصطلاحیں مستعمل تھیں، یہ ردیف بھی خود غالب کے قول کے مطابق قدیم نہیں، اس لیے اس کے لیے بھی کوئی قدیم لفظ نہیں مل سکتا۔ رہا ان کا مستحدث ہونا، تو یہ غالب نے کہیں لکھا نہیں، اور اس بنا پر کہ انھوں نے صاحب برہان پر بڑی سختی سے اعتراض کیا ہے کہ وہ الفاظ کے مستحدث ہونے کا ذکر نہیں کرتا، یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ یہ الفاظ ان کے نزدیک معانی زیر بحث میں قدیم ہیں۔ پیوند و پساوند کے معانی کی نسبت قاطع برہان کی دونوں اشاعتوں میں کچھ اختلاف نہیں، لیکن، دستنبو کی کل اشاعتوں میں پیوند بہ معنی ردیف اور پساوند بہ معنی قافیہ ہے۔

(کش) ساسان پنجم فرمنی مترجم و مفسر دساتیر ہیرہ وخشور (خلیفہ) نہیں، وخشور (پیمبر) ہے۔ عبدالصمد اوستا سے جو اصلی کتاب ہے، کسی قسم کی واقفیت کا اظہار نہیں کرتا۔ اوستا اور زند کے معتد بہ اجزا موجود ہیں۔ دساتیر اور زند کی زبان ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ پازند زند سے مختلف نہیں، فرق یہ ہے کہ زند پہلوی خط میں لکھی جاتی ہے اور ہزوارش اس میں موجود ہے، پازند اوستائی خط میں لکھی جاتی ہے اور ہزوارش سے خالی ہے۔ ترجمہ و تفسیر دساتیر کی زبان موجودہ فارسی ہے جس میں کچھ مصنوعی الفاظ شامل ہیں۔

۳) اس فصل میں یہ دکھایا جائے گا کہ غالب کی زندگی میں ان کے مخالفین نے عبدالصمد کے متعلق کیا کہا اور غالب نے اسے دیکھ کر کیا کہا:

(ا) "اکنوں راست راست و واشگاف مینگارم کہ مرزا غالب دو سال در عمر سیزدہ سالگی و چہاردہ سالگی در میوہ خوری و کلاہ زر دوزی کج نہادن در برو کہ ہرمزد۔۔ گذرانیدہ باشد دسوای چند الفاظ پارسی غیر مشہورہ کہ وے ہمیں را داشتہ باشد نیاموختہ و اگر باور کنم کہ وے عالم دزبانداں پازند بود تاہم بچہ سیزدہ سالہ و چہاردہ سالہ بجز خورد و نوش بہ دیگر امور علم افزای خرد ہوش کے می پردازد" محرق ص۹۵

"اگر ہرمزد۔۔ پیکر ہستی را نگذاشتے مثل آغا عبدالرشید خوشنویس کہ وے اشعار

درحقِ خواجہ محمود نگاشتہ بود بوادی مرزا.. غالب ہمچنیں فرمودند:

خواجہ محمود آنکہ یک چندے[۲۹] | بود شاگردِ ایں فقیرِ حقیر
درحقِ او نرفتہ تقصیرے | لیک او ہم نمی کند تقصیر
می نویسد ہر آنچہ از بد و نیک | جملہ رامی کند بنامِ فقیر" ص ۶۹

مصنفِ محرق کے اقوال کا اس کے سوا کچھ اور مطلب نہیں کہ جس عمر میں غالب عبدالصمد سے اپنا ملنا بتاتے ہیں، وہ ایسی نہیں کہ اس سے زیادہ استفادہ کرسکے ہوں۔ غالب نے قاطع میں خود اپنی رائیں عبدالصمد کی طرف منسوب کردی ہیں۔ غالب نے محرق کے اقتباس اول کا یہ مطلب لیا ہے کہ مصنف محرق نے انھیں عبدالصمد کا معشوق کہا ہے اور سوقیانہ الفاظ میں جو جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "المرء یقیس علی نفسہٖ"۔ دوسرے اقتباسات کے بارے میں دہ‌ل میں لکھتے ہیں:

"صفحہ ۶۹ میں منشی جی ایسا کچھ لکھتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ ہرمز وجودِ خارجی نہیں رکھتا تھا کہ ناصبی کے ساتھ مترادف بالمعنیٰ ہو۔ ساسان پنجم کی اولاد میں سے رہنے والا یزد کا.. ہندوستان تشریف لایا اور حضرت غالب سے ملا اور دو برس ان کا مہمان رہا۔ اس کو منشی جی کس دلیل سے جھوٹ کہتے ہیں؟ نجم الدولہ جھوٹ نہ بولیں گے۔"

(۲) ساطع برہان کے مصنف نے عبدالصمد سے متعلق کوئی قابلِ ذکر بات نہیں کہی۔ غالب نے نامۂ غالب، ساطع کے جواب میں لکھا ہے، اس میں یہ عبارت ملتی ہے:

۲۹۔ تاریخ عالم آرای عباسی میں جو ماہ یازدہم کی تصنیف ہے محمود کا نام محمود اسحٰق لکھا ہے اور ان تینوں اشعار کو "مولانا میر علی" کی طرف منسوب کیا ہے۔ ص۱۲۵ اس انتساب کی تصدیق شاہ صادق کے قلمی نسخے سے بھی ہوتی ہے جو کتب خانۂ مشرقیہ پٹنہ میں موجود ہے۔ یہ بھی اسی صدی کی کتاب ہے۔ اس میں یہ بیت زائد ہے:

دبہرِ تعلیم او دلم خوں شد | تا خطش یافت صورتِ تحریر (بیت ۲)

"احسان مند ہوں کہ آپ نے منشی سعادت علی کی طرح ... مجھ کو معشوق میرا استاد کا نہ لکھا... فارسی زبان کا ملکہ مجھ کو خدا نے دیا ہے، مشق کا کمال میں نے اُستاد سے حاصل کیا ہے" (عود صفحہ ۱۹۶)۔

(۳) مؤید برہان کے مصنف نے جابجا ان رایوں سے جو غالب نے عبدالصمد کی طرف منسوب کی ہیں، اختلاف کیا ہے۔ ان کی دو عبارتیں جن میں سے ایک پشتن سے متعلق ہے، نقل کی جاتی ہیں:

"ہرمزد عبدالصمد را ہمہ داں اُستادِ کامل فن برای خود قرار میدہد، چوں تالیفِ از دست روزگار نیست و حالش معلوم و مشہور نیست، اگر ہمچناں باشد، گو باش۔ مدعی را چہ فخر است و کدام بزرگی"۔ صفحہ ۲۱۲

"ہیہات غالب بگفتہ، یک کس کہ حال علم و زباندانیش جابجا نگرندگان عالی می شدہ است و ایں جا بوجہ احسن جہل مرکبش واضح می شود، از گفتار ہزاراں مردم ثقہ اعراض کرد" صفحہ ۲۲۵

غالب نے تیغ میں اس کا کچھ جواب نہیں دیا، بل کہ پشتن و پشتن کی بحث ہی نہیں چھیڑی۔

(۴) قاطع القاطع کے مصنف کی اصلی غرض غالب کی توہین و تذلیل ہے۔ اس نے کہیں تو یہ لکھا ہے کہ غالب نے اپنے استاد کو بدنام کیا ہے اور کہیں یہ کہ وہ خود کچھ نہ تھا۔ قطع کے دو اقتباسات درج ذیل ہیں:

"ایں ملامت کشِ روزگار استادِ خود را چرا شریک حال خود ساخت و بر سوائی او پرداخت، مگر بارِ ملامت سنگیں بود، تنہا تاب کشیدنش ندید، ناچار بیچارہ را بامداد طلبید، افسوس صد افسوس اگر چنیں تلمیذ ناہموار نمی بود، آں مرد دانا را بہ نادانی کہ می ستود.." صفحہ ۲

"یکے از عوام النّاس را کہ عبدالصمد نام او گرفتہ، پیشوای خود شمردہ است.. قول او را کہ اصلی ندارد، مبشت مدعای خویش می شمارد" صفحہ ۲۴۹ و صفحہ ۲۵۰

یہ بالکل بدیہی ہے کہ ان چاروں کتابوں کے مصنف اس سوال سے بحث نہیں کرتے کہ عبدالصمد وجود خارجی رکھتا تھا یا نہیں۔ انھیں ان اقوال سے غرض ہے جو اس کی طرف منسوب کیے گئے ہیں اور یہ ان کے نزدیک عموماً قابل قبول نہیں۔

(۴) اس فصل میں غالب کے تلامذہ یا معتقدین کے اقوال کے متعلق عبدالصمد سے بحث ہے:

(۱)، حالی کی یادگار غالب پہلی مستقل کتاب ہے جو غالب کے حالات اور کلام پر لکھی گئی ہے۔ حالی معترف ہیں کہ غالب کی زبان سے کبھی کبھی یہ سنا گیا ہے کہ عبدالصمد محض ایک فرضی نام ہے (عبارت فصل ۲ میں دیکھیے)، لیکن اس کے باوجود وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ "عبدالصمد فی الواقع ایک پارسی نژاد آدمی تھا اور مرزا نے اس سے کم و بیش فارسی سیکھی تھی (ی ص۱۴)۔ حالی نے اس پر بس نہیں کیا، آگے چل کر لکھتے ہیں: "اس کے فیضِ صحبت نے کم سے کم وہ ملکہ ضرور مرزا میں پیدا کر دیا تھا جس کی نسبت کہا گیا ہے کہ اگر حاصل شعور خواندہ برابر است و اگر حاصل نشود ہم خواندہ و ناخواندہ برابر۔۔ اس نے تمام فارسی زبان کے مقدم اصول اور گر اور پارسیوں کے مذہبی خیالات اور اسرار جن کو فارسی زبان کے سمجھنے میں بہت بڑا دخل ہے اور پارسی و سنسکرت کا متحد الاصل ہونا اور اسی قسم کی اور ضروری باتیں مرزا کے بوجہ اولیٰ ذہنشیں کر دی تھیں" (ی ص۱۵و۱۶)۔ حالی اس کے بھی مقر ہیں کہ "زیادہ تر ملا عبدالصمد کی تعلیم کے سبب فارسیت کا رنگ ابتدا ہی میں مرزا کی بول چال اور ان کی قوت متخیلہ پر چڑھ گیا تھا (ی ص۱۲۰)

یہ بات کہ عبدالصمد وجود خارجی نہ رکھتا تھا ظاہرا حالی نے خود غالب کی زبان سے نہیں سنی، لیکن یہ بات اُن پر تمام تھی کہ غالب نے یہ بات کہی ضرور ہے، ورنہ وہ سرے سے اس کا ذکر ہی نہیں کرتے۔ غالب کے متضاد اقوال میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش حالی نے ان الفاظ میں کی ہے:

"جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مرزا کو کس عمر میں اس کی صحبت میسر آئی اور

کس قدر قلیل مدت اس کی صحبت میں گزری تو عبد الصمد اور اس کی تعلیم کا عدم وجود برابر ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے مرزا کا یہ کہنا کچھ غلط نہیں ہے کہ مجھ کو مبدء فیض کے سوا کسی سے تلمذ نہیں ہے" (ی ص ۱۵)۔

غالب کا صریح تضاد دور کرنے کی کوشش میں حالی خود تضاد میں مبتلا ہو گئے۔ یہ کس طرح باور کر لیا جائے، کہ جس شخص نے غالب کی قوت متخیلہ پر خاص اثر ڈالا، فارسی کی تمام مقدم گر، پارسیوں کے مذہبی اسرار، اور پارسی اور سنسکرت کا متحد الاصل ہونا" اور اس قسم کی اور ضروری باتیں مرزا کے بوجہ اولیٰ تہ نشیں کر دی تھیں"، اس کی تعلیم کا عدم وجود برابر ہے؟

حالی نے یہ بھی لکھا ہے کہ عبد الصمد" یہاں سے چلے جانے کے بعد بھی .. مدت تک مرزا کو نہیں بھولا۔ نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کہتے تھے کہ ملّا کے ایک خط میں جو اس نے مرزا کو کسی دوسرے ملک سے بھیجا تھا یہ فقرہ لکھا تھا "اے عزیز چہ کسی کہ بایں ہمہ آزادیہا گاہ گاہ بخاطر میگذری" (ی ص ۱۶)۔ قابل توجہ باتیں یہ ہیں کہ حالی نہ تو یہ لکھتے ہیں کہ مصطفیٰ خاں خود حالی سے ناقل تھے اور نہ یہ کہ انھوں نے عبد الصمد خط خود دیکھا تھا۔ مصطفیٰ خاں ۱۲۲۳ھ میں پیدا ہوئے ہیں، اور ان کی ملاقات غالب سے ۱۲۵۰ھ سے کچھ قبل ہوئی ہے۔ اگر عبد الصمد اصلی شخص ہوتا تو اس وقت وہ ۹۰ کے لپیٹ میں ہوتا، اور ایک غیر ملک سے اس زمانے میں مراسلت خارج از بحث ہوتی۔

(۲) حکیم غلام رضا خاں دہلی کے نامی حکیموں میں تھے اور اکمل المطابع ان کی ملک تھا۔ عبد الغفور، شہباز مرحوم نے سوانح عمری نظیر میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ "گویا غالب کے متبنّیٰ ہیں اور مرزا کے حالات سے بہت واقف" "اردوئے معلّیٰ کا حق تصنیف غالب نے " نور چشم اقبال نشان حکیم (غلام) رضا خاں کو بخش دیا تھا (اردوئے معلّیٰ اشاعت اول)۔ اردوئے معلّیٰ میں ان کے نام ایک خط بھی ہے جس کی عبارت ذیل دونوں کے تعلقات پر روشنی ڈالتی ہے:

" نور دیدہ و سرور دل و راحت جاں، اقبال نشان حکیم غلام رضا خاں کو

غالب نیم جاں کی دُعا پہنچے۔ تم سے رُخصت ہو کر اور تمھیں خدا کو سونپ کر رام پور روانہ ہوا۔ تمھارے باب میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر بہ مثل میرا کوئی صُلبی بیٹا ایسا ہوتا، جیسے تم ہو تو میں اس کو اپنا فخر و شرف جانتا۔ علم و عقل و خلق و صدق و سداد کے جامع، تورّع و زہد و تقویٰ کے حاوی، علم اخلاق میں حکمائے روحانی نے سعادت کے جو مدارج لکھے ہیں وہ سب تم میں پائے جاتے ہیں۔

حکیم صاحب شہباز کے استفسار کے جواب میں نہایت غیر مبہم الفاظ میں لکھتے ہیں:

"صحیح امر تو یہ ہے کہ مرزا نے نہ تو فارسی کلام کسی کو دکھایا نہ اردو۔ یہ جو مرزا صاحب.. عبدالصمد کو اپنا اُستاد لکھتے ہیں، اس شخص کا وجود ذہن میں تھا، خارج میں نہ تھا" سوانح عمری نظیر صفحہ ۲۰۱، ۲۰۲۔ حالی کے متعلق حکیم صاحب کا بیان ہے کہ وہ تو "گاہ گاہ مرزا صاحب کے ہاں آیا کرتے تھے، ان کی نشست وہاں زیادہ نہ تھی" صفحہ ۲۰۲۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ حالی کو غالب کے اصلی حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے وہ مواقع نہ تھے جو حکیم صاحب اور دوسرے حاضر باشوں کو تھے۔ اس سے قطع نظر کہ غالب کا کون سا بیان قابلِ قبول ہے یہ متیقن ہے کہ غالب کے مخصوصین نے خود غالب کی زبان سے سُنا تھا کہ عبدالصمد وجود خارجی نہیں رکھتا۔

۵) اس فصل میں اس سوال سے بحث کی جائے گی کہ عبدالصمد وجود خارجی رکھتا تھا یا نہیں، لیکن یہ واضح رہے کہ اس بحث میں اس کی ذات اس کے صفات سے جُدا نہیں کی جا سکتی۔

(۱) غالب کا دیوان اردو، کلیات نظم فارسی، پنج آہنگ، مہر نیم روز اور دستنبو یہ سب قاطع سے پہلے اشاعت پذیر ہو چکے تھے، ان کی بنا پر غالب کی شاعری اور انشاپردازی کی نسبت رائے قائم کی جا سکتی تھی، لیکن پنج آہنگ میں زبان فارسی سے متعلق جو بحث ہے وہ کسی طرح اس قابل نہ تھی کہ غالب کے محقق فارسی ہونے کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی، اور غالب دُنیا کو یہ دکھانا چاہتے تھے کہ میں نے "فارسی کی تحقیق کو اس پائے پر پہنچایا ہے کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں" (از صفحہ ۲۰۸) یہی نہیں، ان کی

بلند حوصلگی اس کی بھی روادار نہ تھی کہ تحقیق فارسی کے معاملے میں کوئی دوسرا ہندوستانی اس کا شریک سمجھا جائے۔ یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ غالب زبان وادب فارسی کے وسیع وغائر مطالعے کے بعد دوسرے فارسی دانوں کی تحقیقات کی خامیاں دکھاتے اور اپنی طرف سے ایسے 'لطائف' و 'غوامض' پیش کرتے کہ لوگ مرعوب ہو کر ان کے دعوی انا ولا غیری کو بے چون وچرا تسلیم کر لیتے، لیکن خشک و بے مزہ کتابوں کے مطالعے میں دن رات ایک کرنا غالب کے بس کا روگ نہ تھا، اور غالب کے لیے یہ بھی ممکن نہ تھا کہ ہندوستان کا تنہا فارسی داں سمجھے جانے کی خواہش کو دل سے نکال دیں۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے، غالب نے ایک ایسا فرضی اُستاد گڑھ لیا جو علوم عربیہ و فارسیہ میں یک ساں تبحر رکھتا تھا، اور اس تلمذ کو دوسرے فارسی دانانِ ہند پر اپنے تفوق کی وجہ بتایا۔ غالب کی عبارات ذیل ملاحظہ ہوں:

"کسانیکہ بہ فرہنگ نویسی ہمت گماشتہ اند آموزگار در راہ نداشتہ اند آئینہ ہر چہ گفتہ اند، نہ گہر سفتہ اند۔ ایں ہوسناکاں کجا و شناختن زبانِ پاکاں کجا!" (اصـ۶) "ہستی بخش را سپاس کہ نیرو فزای دانش من دانشمندیست کہ اگر چنانکہ رازداں بود، راز گوی نیز بودی، شمشیں ساساں بشمار آمدی" (اصـ۷)

"فرہنگ لکھنے والے جتنے گزرے ہیں سب ہندی نژاد ہیں، علم صرف و نحو عربی میں بہ قدرِ تحصیل مسلّم اور اُستاد ہیں۔ علم صرف و نحو کی کتب درسی موجود ہیں، جس نے چاہا ہے اُس نے اُستاد سے ان کتب کو پڑھ لیا ہے۔ فارسی کی جو فرہنگیں حضرات نے لکھی ہیں؛ مطالب مندرجہ کس اصول پر منضبط کیے ہیں اور اس کا علم کس استاد سے حاصل کیا ہے؟ آخر مقاصد صرف و نحو عربی بھی تو صرف مطالعۂ کتب سے نہیں نکالے ہیں۔ پہلے تعلیم ہے، پھر کتب قواعد کی جا بجا حوالے ہیں۔ قواعد فارسی رسالہ اہلِ زبان میں سے کس نے لکھا ہے اور ان ہوس پیشہ فرہنگ لکھنے والوں نے وہ رسالہ کس فاضل عجم سے پڑھا ہے۔۔۔ فارسی زبان کا ملکہ مجھ کو خدا نے دیا ہے، مشق کا کمال میں نے اُستاد سے حاصل کیا ہے" (نامۂ غالب عود صـ۱۸۵و۱۸۶)

قاطع میں جس مقام پر غالب نے علم یکتائی بلند کیا ہے اور اپنے سوا ہندوستان کے کُل فارسی والوں کو غیر مستند قرار دیا ہے، وجوہ استثنا میں سے ایک عبدالصمد سے استفادہ ہے، اور اپنی بعد کی تحریروں میں انھوں نے سبب[۳۰] سے زیادہ اس پر زور دیا ہے۔ فرضی استاد گڑھ لینے میں یہ خطرہ ضرور تھا کہ غالب کا کوئی ہم عمر جو ۱۲۲۶ھ میں آگرہ میں تھا، ان کی تردید کر دے، مگر اسے انھوں نے نظر انداز کیا۔ یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں کوئی یہ نہ کہے کہ 'واہ مرزا صاحب' اس وقت تک تو آپ یہ کہتے رہے کہ میں مبدءِ فیّاض کے سوا کسی کا شاگرد نہیں، اب یہ عبدالصّمد کہاں سے ٹپک پڑا ہے، مگر ایک تو کچھ ضرور نہیں کہ غالب کو یہ یاد ہو کہ وہ پہلے کیا کہہ چکے ہیں، دوسرے یہ کہ وہ جانتے تھے کہ تاویل میں بڑی گنجائش ہے۔ یہ خیال کہ لوگ عبدالصّمد کے علم و فضل ہی سے انکار کر دیں گے اور نہ تامّل ان اقوال کی جو غالب نے اس کی طرف منسوب کیے ہیں، تردید کریں گے غالباً غالب کے ذہن میں نہ آیا۔ غالب کو ایک سہارے کی ضرورت تھی اور اس کے احساس نے انھیں عبدالصمد کی تخلیق پر مجبور کیا۔ علمی تحقیقات شاعری نہیں کہ غالب یہ دعویٰ کر سکیں کہ

'آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے'

تحقیقات میں غالب کے لیے عبدالصمد وہی ہے جو 'غیب' شاعری میں ہے۔

(۲) غالب کے سوا دنیا کا کوئی شخص عبدالصمد سے ذاتی واقفیت کا مدّعی نہیں، نہ اس کی کوئی تحریر موجود ہے اور نہ کسی نے اس کی کتاب کا ذکر کیا ہے۔ رہے غالب تو وہ

۳۰۔ "احراز دولت دیدار تیمار ہر مزد۔ فراواں کمال و دانش اندوختن از دے تا دو سال" (ص ۱۳۱)۔ غالب کے ترکش میں اور تیر بھی تھے، مثلاً سلامت طبع جو غلطی کو قبول ہی نہیں کرتی، کلام اساتذہ کا مطالعہ، فارسی مناسبت، مگر جب اعتراضات کی بوچھار شروع ہوئی تو جس سے کام لیا وہ عبدالصمد کا تلمذ ہی تھا۔

جس قدر صادق القول تھے اس کا اندازہ رادرع کی فصل آخر کے مطالعے سے ہو سکتا ہے، اس سے قطع نظر خود غالب کے اقوال میں تضاد ہے جو حالی کی کوشش کے باوجود دور نہ ہو سکا۔ حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ عبدالصمد سے استفادے کے اعلان کے بعد ایسے اصحاب کے سامنے جو لائل و اسناد کے طالب تھے، خواہ وہ دوست ہوں یا دشمن، وہ عبدالصمد کے وجود خارجی پر اصرار کیا کرتے تھے، لیکن اپنے خاص معتقدین کے حلقے میں انھیں سچی بات کہنے میں بھی تامل نہ ہوتا تھا، اور حق یہ ہے کہ مبدء فیاض کی شاگردی میں جو شان ہے وہ عبدالصمد سے استفادے میں نہیں۔ ایک فن کار کی حیثیت سے اگر غالب محرمانِ راز سے عبدالصمد کی آفرینش کی داد بھی چاہتے ہوں تو عجب نہیں۔

(۳) عبدالصمد اگر وجود خارجی رکھتا اور غالب اس کے شاگرد ہوتے تو اس سے کچھ نتائج مترتب ہوتے، مگر یہ مفقود ہیں۔ اس کا مجموعی اثر اس عقیدے کے لئے کہ عبدالصمد ایک فرضی شخص نہ تھا نہایت تباہ کن ہے:

(الف) غالب کے زمانے سے پہلے ہی جلال اسیر و شوکت وغیرہ کی طرز متروک تھی، اور عبدالصمد کا ذوق شاعری وہی ہونا چاہئے جو اس کے ایرانی ہم عصروں کا تھا، لیکن غالب کی ابتدائی شاعری جو عبدالصمد سے متاثر ہونی چاہئے، سراسر متروک طرز میں ہے۔ غالب خود معترف ہیں کہ اوائل میں انھوں نے بیدل کی طرز میں شعر کہے۔ بیدل جہاں تک پیچیدگی کا تعلق ہے، اسیر و شوکت کے ہم نوا تھے۔

(ب) غالب اور ان کے کسی ایرانی معاصر مثلاً یغما کی نظم و نثر کا مقابلہ کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ غالب کے یہاں اپنے عہد کے مخصوص ایرانی محاورے اور روزمرے اس قدر کم ہیں کہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ابتدا ہی میں کسی ایرانی کی صحبت میسر ہوئی ہوتی، تو صورتِ حال مختلف ہوتی۔

(ج) غالب مدعی ہیں کہ دساتیر سے ان کی واقفیت قدیم ہے، اور ان سے اس کی زبان کے بارے میں عبدالصمد سے گفتگو ہوئی تھی، لیکن ان کی ابتدائی نظم و نثر میں نہ دساتیر کے خاص الفاظ ملتے ہیں اور نہ اس میں اس کا ذکر آیا ہے۔ ۱۲۵۶ھ

کے لگ بھگ سراج الدین احمد نے غالب سے کسی کتاب کا نام دریافت کیا ہے جس سے قدیم ایرانیوں کی زبان اور مذہب کا حال معلوم ہو سکے۔ یہ موقع سے اپنی واقفیت کے اظہار کا تھا، لیکن اپنے جواب میں وہ صرف دبستانِ مذاہب کا نام لیتے ہیں، گو وہ خود اس سے مطمئن نہیں (کلیاتِ نثر طبع اص ۱۷۲و۱۷۱)

(د) سراج الدین احمد کے جواب میں غالب وہ باتیں لکھ سکتے تھے جو ان کے قول کے بموجب انھیں عبدالصمد سے معلوم ہوئی تھیں اور جو قاطع میں مندرج ہیں، لیکن وہ ان کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے اور قدیم ایرانیوں کے حالات کی تلاش کو بے سود قرار دیتے ہیں: "اکنوں کیست تا بداں زبان کہن سخن درست تواند گفت واز آں دیرینہ آئیں بہ راستی خبر تواند داد؟ پژوہندهٔ ایں راز را کام دل برنیاید"۔

(ہ) کلکتہ میں غالب پر قتیل کے اصلی یا فرضی اقوال کی بنا پر اعتراض ہوئے تھے۔ بادِ مخالف غالب نے ان اصحاب کی دل جوئی کے لیے لکھی تھی جو ان سے یہ سمجھ کر ناراض تھے کہ انھوں نے قتیل کو سخت و سست کہا ہے۔ اس مثنوی میں قتیل کی مبالغہ آمیز مدح تو کی ہے، لیکن ان کے ہندوستانی ہونے کی وجہ سے انھیں مستند ماننے سے انکار کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان ایرانی شعرا کے نام بھی لیے ہیں جن کے تتبع پر انھیں ناز ہے۔ مقتضائے مقام تھا کہ عبدالصمد سے فیض یابی کا بھی ذکر کیا جاتا لیکن، کنایتہً بھی اس کی طرف اشارہ نہیں۔ خاتمۂ کلیاتِ نظم فارسی میں بھی عبدالصمد کا ذکر بے محل نہ ہوتا، لیکن، وہ بھی اس سے خالی ہے، اور یہی حال غالب کی ان تمام تحریروں کا ہے جو قاطع سے قبل کی ہیں۔

(و) یہی نہیں کہ غالب کی مذکورۂ بالا تحریروں میں عبدالصمد کا ذکر نہیں، موقع آیا ہے تو انھوں نے صراحتہً لکھا ہے کہ میں کسی کا شاگرد نہیں۔ سراج الدین احمد کے نام کے اس خط میں جس کا حوالہ اوپر آ چکا ہے، غالب نے قاضی محمد صادق خاں اختر کے تذکرے کے لیے اپنا ترجمہ سپردِ قلم کیا، اس میں یہ عبارت بھی ہے:

"در سخن از پرورش یافتگان مبدء فیاضم و سواد معنی را بہ فروغ گوہر خویش روشن کردہ ام، از ہیچ آفریدہ حق آموزگاریم بگردنم نیست و بار رہنمائیم بردوش نیست"۔

بعض اصحاب نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ غالب نے شاعری میں کسی کی شاگردی سے انکار کیا ہے، اس سے جہاں تک فارسی سیکھنے کا تعلق ہے، عبدالصمد کے تلمذ کا انکار لازم نہیں آتا، مگر غالب نے صریحاً لکھا ہے کہ میں نے "آئین معنی آفرینی" عبدالصمد سے سیکھی (تمہید دیکھئے)، اور حالی بھی اس کے قائل ہیں کہ غالب کی ابتدائی شاعری عبدالصمد سے متاثر ہے۔ غالب نے قاطع کی تصنیف سے پہلے ظاہراً کسی سے زبانی بھی عبدالصمد کے ہندوستان آنے اور اس سے مستفید ہونے کا ذکر نہیں، ورنہ یہ بات ان اصحاب کو جنھوں نے ان کا حال اس سے پہلے لکھا ہے ضرور معلوم ہوتی ہے۔ ذکا، سرور، شیفتہ، کریم الدین، صابر، باطن، محسن، سیّد احمد خاں کی کتابوں میں عبدالصمد اور اس سے تلمذ کا کنایتہً بھی مذکور نہیں۔ بعد کے مصنفین اگر اس کا ذکر کرتے ہیں تو اس لئے کہ قاطع ان کی نظر سے گزر چکی ہے۔

یہ امور صرف ایک نتیجے کی طرف لے جاتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ عبدالصمد غالب کے بحر تخیل کی ایک موج سے زیادہ نہیں۔

خاتمہ: عبدالصمد جو غالب کا زائیدۂ طبع ہے بہت سی باتوں میں اپنے آفریدگار سے مشابہ ہے: غالب افراسیابی ہیں تو عبدالصمد ساسانی،[۳۱] غالب دہلی کے رئیس زادے ہیں تو وہ یزد کا امیرزادہ۔ تصوف سے دونوں کو لگاؤ ہے اور توحید وجودی کے دونوں قائل ہیں۔ معلمی کسی کا پیشہ نہیں، لیکن جوہر قابل ملے تو اس کی تربیت کے لئے دونوں آمادہ ہیں۔ منطق و فلسفہ اور علوم عربیہ میں عبدالصمد کا تبحر اسی غالب سے

۳۱؎ غالب نے عبدالصمد کا سلسلۂ نسب ساسان پنجم (دساتیر کے خیالی مترجم و مفسر) سے ملایا ہے، اس کی موزونی میں کلام نہیں۔

ممیز کرتا ہے۔ یہ وہ علوم ہیں جن سے اپنی ناواقفیت کا احساس غالب کو بہ شدت تھا، یہ کمی عبدالصمد میں پوری ہوئی۔ ایک بات میں غالب کو بھی عبدالصمد پر فوقیت ہے، عبدالصمد "رازداں" تو ہے مگر "رازگوئی" کا شوق نہیں رکھتا، غالب میں دونوں باتیں جمع ہیں۔ اسی لیے غالب نے ساسان ششم کا لقب اپنے لیے محفوظ رکھا۔ دستنبو کی آخری رباعی کا آخری مصرع ہے: ساسان ششم بکاردانی مائیم۔

عبدالصمد کے وجود خارجی کا تسلیم کرانا آسان نہ تھا، سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ ایران قدیم سے متعلق غالب کی معلومات بہت قلیل تھیں، اور جو کچھ تھیں وہ بھی بہت کچھ غلط۔ وہ کسی طرح ایک ایسی ہستی کے خالق نہیں ہو سکتے تھے جس کی معلومات ان سے وسیع تر اور صحیح تر ہوں۔ ان اصحاب کے لیے۔ جو قدیم ایرانی زبانوں اور زردشتی مذہب سے کسی حد تک بھی باخبر ہیں، ایک ایسے زردشتی عالم کے وجود کا قائل ہونا جو پشتن کی جگہ پشتن کو صحیح سمجھتا اور جینود کو مستحدث مانتا ہو ممکن نہیں۔ اس سے قطع نظر کرلی جائے تو غالب نے بعض باتیں جو عبدالصمد کے بارے میں لکھی ہیں، ان سے فن کارانہ سلیقہ ظاہر ہوتا ہے اور جن کی داد انھیں ملنی چاہیے۔ مثلاً:

"رہے صمد کے معنی، جب مولانا عبدالصمد قدس سرہٗ نے۔۔ اور ندکے وہ معنی شرح کیے کہ جس کا ترجمہ ہندی میں ٹھوس۔۔ ہے اور بتایا۔۔ کہ عربی میں ان معنوں میں لفظ صمد ہے کہ ایک اسم اسمائے الٰہی میں سے بھی ہے۔۔ قصہ مختصر بعد ایک مدت کے جب میں دلّی آرہا اور مولوی فضل حق مغفور سے بعد ملاقات ربط بڑھا، ایک روز بحسب اتفاق ہرمزد کا ذکر درمیان آگیا اور اس کے ذکر کے آنے کی

---

۳۲ غالب کو اس خیال سے تقویت ملتی ہوگی کہ اگر میں ایران قدیم سے زیادہ واقف نہیں، تو قاطع۔ برہان کے پڑھنے والے کسی طرح مجھ سے بہتر نہیں۔ غالب کے زمانے سے قطع نظر، اس زمانے میں بھی غالب سے دلچسپی رکھنے والوں میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جو ایران قدیم سے واقف ہوں اور اس وجہ سے عبدالصمد کے وجود خارجی کو تسلیم کرنے میں انھیں چنداں قباحت نظر نہیں آتی۔

تقریب معنی صمد اور اروند کے اتحاد کی شرح۔ چوں کہ حضرت کو مذہب اسلام میں تعصب بہت تھا ایسا کہ اسی فرط تعصب میں جان دی، اروند کے لفظ کو برا بھلا کہہ کر فرمانے لگے صمد اسم صفت ہے، معنی اس کے نہ چیزے ازوے بروں رود و نہ چیزے بہ دروں آید نہ زیادہ شود و نہ کم گردد۔ یہ چاروں فقرے اس مرحوم کی زبانی ہیں۔ البتہ مجھ کو تواب میں کوئی تردد نہ رہا۔ بہ اعتبار فارسیت ہرمزد مالک زباں، بہ اعتبار عربیت دونوں فاضل۔" (تیغ ص۱۳ و ۱۴)

حالی نے لکھا ہے کہ مرنے سے چند روز پہلے غالب نے ایک اردو قصہ لکھنا شروع کیا تھا (ی ص۱۸۹) بڑا افسوس ہے کہ وہ تمام نہ ہو سکا۔

[۲۸/ ۱۱/ ۵۱]

استدراک

مقالۂ ہٰذا کا مسودہ علی گڑھ بھیجے جانے کے کئی مہینے بعد جناب مالک رام کا ایک مضمون نوائے ادب (بابت جنوری ۵۲ء) میں شائع ہوا۔ اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ میری یہ رائے کہ عبدالصمد وجود خارجی نہیں رکھتا تھا، صحیح نہیں۔ ممکن ہے کہ میں ایک مستقل مضمون اس کے جواب میں لکھوں، اس موقع پر اس سے مفصل بحث ممکن نہیں، چند مجمل اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے:

(الف) مضمون نگار نے میرے تمام دلائل کی طرف توجہ نہیں کی، صرف اُن دلائل سے بحث کی ہے جو ان کے نزدیک زیادہ اہم اور قابل غور ہیں" ص۹۷

(ب) میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ میری ہر دلیل دوسرے دلائل کی اعانت کے بغیر میرے دعوے کو ثابت کر سکتی ہے، مضمون نگار کے محتوائے کلام سے اس کے خلاف مترشح ہوتا ہے۔

(ج) ن (= نوائے ادب) کی بعض بحثیں بہت سرسری ہیں، میں نے یہ دکھانے کی کوشش کی تھی کہ غالب نے ایران قدیم سے متعلق جو باتیں عبدالصمد کے حوالے سے لکھی ہیں، وہ ایسی لغو اور بے بنیاد

ہیں کہ کسی ایسے شخص کی طرف جو خود زردشتی رہ چکا ہو اور زردشتیوں کے مذہبی خیالات و اسرار اور پارسی و سنسکرت متحد الاصل ہونے سے واقف ہو، منسوب نہیں کی جا سکتیں، ان میں اس کے جواب میں یہ عبارت ملتی ہے:

"اگر انھوں نے (غالب نے) قاطع برہان میں ملا عبدالصمد کے حوالے سے بعض ایسی باتیں لکھی ہیں جو غلط ہیں، تو ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ استاد نے شاگرد کو جو کچھ بتایا وہ غلط تھا اور شاگرد کو اس کا علم نہیں تھا کہ یہ بات غلط ہے ورنہ وہ کیوں .. اپنی اور اپنے اُستاد کی رسوائی کا سامان مہیا کرتا، لیکن اس سے .. یہ کیسے ثابت کر سکتے ہیں کہ سرے سے استاد کا وجود ہی نہیں تھا ..؟" ص۲۲

میں مقالہ ہذا کی فصل ۵ میں لکھ چکا ہوں کہ یہ بحث کہ عبدالصمد وجود خارجی رکھتا تھا یا نہیں اس کے صفات سے جدا نہیں کی جا سکتی۔ اس سلسلے میں یہ بتا دینا بھی بے محل نہ ہوگا کہ خود مضمون نگار نے ذکر غالب میں عبدالصمد کے بارے میں کیا لکھا ہے:

"اسلام قبول کرنے سے پہلے وہ زردشتی مذہب کے موبد تھے اور زردشتیوں کا تمام مذہبی سرمایہ قدیم پارسی میں ہے، اس لیے ان کا فارسی زبان کا فاضل ہونا چنداں تعجب کا مقام نہیں، ان کے علاوہ عربی کے بھی عالم تھے اور انھوں نے سالہا سال علمائے عرب و بغداد سے علوم عربیہ حاصل کیے تھے .. میرزا کی فارسی دانی کا سنگ بنیاد مولوی محمد معظم کے ہاتھوں رکھا گیا تھا، لیکن اس عمارت کی تکمیل ملا عبدالصمد کے چابک دست اور ماہر ہاتھوں سے ایسے شاندار طریقے پر ہوئی کہ وہ آسمان سے باتیں کرنے لگی" ص۲۵

(د) مضمون نگار ص۲۲ میں رقم طراز ہیں، "یہ بھی کہا گیا ہے کہ انھوں نے قاطع .. میں ملا .. کا نام اس لیے لکھا تھا کہ اس طرح مخالفوں کا منہ بند کر سکیں۔ یہ اعتراض کرتے وقت یہ .. فرض کر لیا گیا ہے کہ میرزا پہلے سے جانتے تھے کہ لوگ قاطع برہان کی مخالفت کریں گے، حال آں کہ اس مفروضے کے لیے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ غالب نے سوچ سمجھ کر ایک لمبی اسکیم تیار کی تھی یعنی پہلے برہان .. پر اعتراض لکھے، پھر انھیں شائع کرنے کا فیصلہ کیا، پھر چوں کہ وہ جانتے تھے کہ دنیا اس کی مخالفت کرے گی، اس لیے انھوں نے اپنے دماغ سے ایک شخص .. پیدا کیا اور تمام اعتراض اس کے نام لکھ دیے، تاکہ لوگ .. مرعوب ہو کر ان کے بجائے ملا .. کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ کیا

غالب کی شخصیت اور زندگی سے متعلق جو کچھ ہمیں معلوم ہے اس میں کوئی ایسی بات ہے جس میں ان کے سازشی کردار کی طرف اشارہ ہو جس سے پایا جائے کہ وہ پہلے سے اتنی لمبی سازش سوچنے اور اسے معرض عمل میں لانے کی صلاحیت رکھتے تھے؟ . . کسی . . تحریر کو کسی دوسرے کے نام سے چھاپ دینا بالکل الگ بات ہے یہ ان کے پیشے سے متعلق ہے۔ وہ کسی خاص شخص کو اس درجے کا نہیں خیال کرتے تھے کہ . . خود اس سے مخاطب ہوں . . " ص۱۷

اہم بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ اعتراضات کی اشاعت سے قبل غالب یہ سمجھ سکتے تھے یا نہیں کہ لوگ قاطع برہان کی مخالفت کریں گے۔ قاطع کے انطباع سے پہلے غالب نے قاطع کے متعلق ایک خط میں جو کچھ لکھا تھا اس کا ایک ٹکڑا ملاحظہ ہو:

" جو صاحب اس کو دیکھیں گے وہ ہرگز نہ سمجھیں گے صرف برہان . . کے نام پر جان دیں گے۔ کئی باتیں جس شخص میں جمع ہوں گی وہ اس کو مانے گا . . نہ یہ . . کسی میں جمع ہوں گی اور نہ کوئی میری محنت کی داد دے گا" (اردوئے معلیٰ ص۳۹۶)۔

غالب اس سے اچھی طرح واقف تھے کہ ہندی فارسی داں برہان کی تحقیقات کے معترف ہیں اور قاطع میں انھوں نے صرف برہان پر اعتراضات پر قناعت نہ کی تھی، اپنے سوا کل ہندی فارسی دانوں کو نامستند قرار دیا تھا اور آرزو، وارستہ، بہار، قتیل اور صہبائی کو نشانہ تعریض بنایا تھا۔ اس صورت میں یہ سمجھنا کہ کتاب کی مخالفت نہ ہوگی، انتہائی درجے کی سادہ لوحی ہوتی۔ سازش کا انگریزی مرادف "کونسپریسی" ہے اور اس کے لیے کم از کم دو آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ عبدالصمد کی تخلیق میں کوئی دوسرا شریک نہیں، اس لیے اسے سازش نہیں کہہ سکتے۔ لطائف غیبی کی سیاح کے نام سے اشاعت البتہ سازش ہے، سیاح کی رضامندی کے بغیر اس کتاب کا ان کی طرف انتساب ممکن نہ تھا۔ مضمون نگار نے غالب کے اس فعل کو کہ خود کتاب لکھی اور اپنے ایک شاگرد کی طرف منسوب کی، اخلاقی نقطۂ نظر سے ناقابلِ اعتراض قرار دیا ہے، لیکن، یہ محض علمی کتاب نہیں، اس میں انھوں نے اپنے فریق کو فحش گالیاں دی ہیں اور اپنی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیے ہیں۔ اور اس صورت میں اس کا کسی دوسرے کی طرف انتساب اخلاقی حیثیت سے یقیناً مذموم ہے۔ مضمون نگار کو چاہیے تھا کہ میں نے غالب کی راست گفتاری میں جن امور کی طرف توجہ دلائی ہے، پہلے ان کی تردید

کرتے۔ عبدالصمد کی تخلیق کا جو اخلاقی پہلو ہے، اس کی طرف بعد کو متوجہ ہوتے۔ طرہ یہ کہ وہ خود اس کے قائل ہیں کہ بعض مواقع پر غالب نے قسم کھانے کے باوجود غلط گوئی سے کام لیا ہے، مگر وہ اسے غلط گوئی نہیں، "شاعرانہ مبالغہ" کہتے ہیں:

"اس سے قطعی ثابت۔۔ ہے کہ واقعی نواب۔۔ بھی کوشش کر رہے تھے اور میرزا نے یوسف مرزا کو جب یہ لکھا کہ "والیِ رام پور کو اس پنشن کے اجرا میں کچھ دخل نہیں، یہ کام خداساز ہے بہ علی ابن ابی طالب۔۔" تو یہ بھی شاعرانہ مبالغہ تھا" ذکرِ غالب ص۸۵۔

(ط) مضمون نگار کی رائے ہے کہ حالی کی عبارت ذیل سے "قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عبدالصمد واقعی ایک تاریخی شخصیت ہے":

"نواب۔۔ شیفتہ۔۔ کہتے تھے کہ ملا کے ایک خط سے جو اس نے مرزا کو کسی دوسرے ملک سے بھیجا تھا یہ فقرہ لکھا تھا "اے عزیز چہ کسی کہ با ایں ہمہ آزادیہا گاہ گاہ بخاطر می روی" (کذا)

مضمون نگار کے نزدیک اس عبارت سے یہ نتائج نکلتے ہیں: ا۔ حالی نے یہ روایت خود شیفتہ سے سنی تھی، ب۔ شیفتہ نے عبدالصمد کا خط خود دیکھا تھا۔ ج۔ خط کے وجود سے ملا کی "تاریخی شخصیت ہونے" کا ثبوت ملتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ اگر وہ یہ بھی لکھ دیتے کہ حالی و شیفتہ نے عبدالصمد سے ملاقات بھی کی تھی، تو میں اُن کا کچھ بگاڑ نہ سکتا۔

(ی) مضمون نگار کا قول ہے: "بے شک مولانا حالی فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی میرزا کی زبان سے یہ سنا گیا ہے کہ بچوں کے لوگ مجھے بے اُستادا کہتے تھے۔۔ میں نے ایک فرضی اُستاد گڑھ لیا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ یہ بھی کہتے ہیں: عبدالصمد فی الواقع ایک پارسی نژاد آدمی تھا اور مرزا نے اس سے کم و بیش فارسی سیکھی تھی۔۔ جب تک حالی نے اور ذرائع سے اپنے بیان کی درستی کے لیے کافی ثبوت فراہم نہیں کر لیا ہوگا وہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ غالب نے جو کچھ کہا وہ اپنی جگہ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس نام کے ایک شخص سے انھوں نے فارسی ضرور پڑھی تھی" ص۳۷۔

حالی نے حیاتِ جاوید میں اعتراف کیا ہے کہ اس کتاب سے قبل اس فن کی جو کتابیں میرے قلم سے نکلی ہیں، ان میں تصویر کا صرف ایک رُخ دکھایا گیا ہے (تمہید)، اس صورت میں ظاہر ہے کہ

حقیقت سے انحراف ناگزیر ہے۔ اس سے قطع نظر، عتیق ان کا مطمح نظر ہی نہیں، وہ لوگوں کو غالب کی عظمت کا معترف بنانا چاہتے ہیں اور بس۔ حالی نے اگر اور ذرائع سے اس کی تصدیق کی ہوتی کہ عبدالصمد ایک حقیقی شخص تھا تو اس کے اظہار میں کون سی بات مانع تھی؟ جیسا کہ میں مقالۂ ہٰذا میں لکھ چکا ہوں وہ شیفتہ کے قول کو ضرورت سے زیادہ اہم سمجھتے تھے، اور ظاہرا کسی اور ذریعے سے انھیں اس کا علم نہ ہوا تھا کہ عبدالصمد وجود خارجی رکھتا تھا۔

مجھے اس سے اتفاق نہیں کہ حالی نے یہ بات کہ "میں نے ایک فرضی اُستاد گڑھ لیا ہے" خود غالب کی زبان سے سُنی تھی۔ ایسا ہوتا تو وہ یہ نہ لکھتے کہ "کبھی کبھی مرزا کی زبان سے یہ سُنا گیا ہے"

اس سلسلے میں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ آخر حالی نے جو تصویر کا صرف ایک رُخ ہی دکھانے پر قانع تھے، اس بات کا ذکر ہی کیوں کیا۔ اس کی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ انھیں متعدد اصحاب سے جنھیں غالب کا محرم راز کہا جا سکتا ہے یہ معلوم ہوا تھا کہ خود غالب نجی صحبتوں میں عبدالصمد کو ایک فرضی شخص کہا کرتے تھے اور یہ اصحاب بھی یہی سمجھتے تھے۔ حالی کے لیے جو غالب کو دنیا کے سامنے ایک انتہائی درجے کے راست گفتار شخص کی حیثیت سے پیش کرنا چاہتے تھے، اسے نظر انداز کرنا ممکن نہ تھا؛ انھوں نے غالب کے دو اقوال میں مطابقت پیدا کرنا ضروری خیال کیا، یہ دوسری بات ہے کہ اس کوشش میں انھیں کامیابی نہ ہو سکی۔

(س) غالب نے لکھا تھا: "از آفریدۂ حق آموزگاریم بہ گردن و بار منت رہ نمائیم بر دوش نیست" میں نے دکھایا تھا کہ اس قول سے غالب کے اس دعوے کی کہ انھوں نے "آئین معنی آفرینی" عبدالصمد سے سیکھا تھا، تردید ہوتی ہے، مضمون نگار کو اس سے اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں: "غالب نے لکھ دیا کہ اس بارے میں کسی کا بار احسان میرے کندھوں پر نہیں اور ... یہ امر واقع ہے لیکن جب انھوں نے قاطع برہان تالیف کی تو اب موضوع کلام بدل گیا تھا۔ اب شعر و سخن اور عروض کی تعلیم یا شعروں کی اصلاح لینے کا سوال نہیں تھا بلکہ یہاں گفتگو زبان اور الفاظ کی تحقیق اور معانی و بیان سے متعلق تھی، یہی وجہ تھی کہ جب قاطع برہاں میں انھوں نے بعض ایسی باتیں لکھیں جو ان کے خیال میں نئی تھیں تو انھوں نے لکھ دیا: مجھے اپنے اُستاد ملا عبدالصمد سے معلوم ہوئی تھیں۔"

"آئین معنی آفرینی" سیکھنے سے شعر و سخن اور عروض کی تعلیم یا شعروں کی اصلاح نہیں بل کہ زبان و الفاظ اور معانی و بیان کی تحقیق مراد ہے۔ نامۂ غالب میں غالب نے ہندوستانی فارسی گویوں

کی تنقیص کے بعد جو یہ لکھا ہے کہ "مشق کا کمال میں نے اُستاد سے حاصل کیا ہے" (عود: ۴۴ اشاعت اوّل) اس سے بھی مضمون نگار کے نزدیک زبان و الفاظ اور معانی و بیان کی تحقیق ہی مراد ہوگی۔ مجھے اس سے شدید اختلاف ہے۔

(ح) مضمون نگار کی رائے میں میں نے یہ کہہ کر کہ حکیم غلام رضا خاں خود غالب کی زبان سے عبدالصمد کا فرضی نام ہونا سُنا ہوگا" "آپ ہی اپنی دلیل کمزور کر دی ہے" ص۴۲۔

بات یہ ہے کہ وہ میرے مطمحِ نظر اور طریق کار سے واقف نہیں؛ حکیم صاحب نے جب خود صراحتہً یہ نہیں لکھا کہ میں نے خود غالب کی زبان سے سُنا ہے، تو میں ان کے حوالے سے یہ کس طرح لکھ دیتا۔ قیاس اور چیز ہے روایت اور چیز ہے، اور دونوں میں فرق کرنا لازم ہے۔ مضمون نگار کو اس کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ حکیم صاحب کے بیان کو حالی کے بیان پر ترجیح دی جائے۔ میں مقالۂ ہٰذا میں اس سے بحث کر چکا ہوں۔ سلہ

(ط) مضمون نگار فرماتے ہیں: "جو میرزا کی اُفتادِ طبع سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ انہیں خلافِ واقع باتیں بنانے میں اور لطیفے چھانٹنے میں لطف آتا ہے۔۔ انھوں نے بے تکلف دوستوں کے حلقے میں یہ چھینٹا اُڑایا کہ اجی کون شاگرد اور کہاں کا اُستاد، وہ لوگ مجھے بے اُستادا ہونے کا طعنہ دیتے تھے میں نے ان کے لیے ایک اُستاد پیدا کر لیا، تو جاننے والے اسے بھی ان کے دوسرے لطیفوں سے زیادہ وقعت نہیں دیتے ہوں گے۔۔ اس سے ان کی راست گفتاری پر کوئی حرف نہیں آتا" ص۴۳۔

حکیم غلام رضا خاں نے غالب کی زندگی میں (میرے قیاس کے مطابق، جس سے مضمون نگار کو اختلاف نہیں) غالب کی زبانی یہ بات سُنی کہ عبدالصمد ایک فرضی شخص ہے، اور عمر بھر اسے باور کرتے رہے

سلہ مضمون نگار نے اپنے مضمون کی ابتدا اس عبارت سے کی ہے:

"یوں معلوم ہوتا ہے کہ غالب کی زندگی میں بھی بعض لوگوں نے ملّا عبدالصمد کی ہستی سے متعلق شک و شبہہ کا اظہار کیا تھا لیکن بعد میں اگر سب نہیں تو ان میں سے اکثر غالباً مطمئن ہو گئے تھے"۔

مجھے ایسے کسی ایک شخص کا بھی علم نہیں جس نے پہلے شبہہ اور بعد ازاں اپنے اطمینان کا اظہار کیا ہو۔

لیکن مضمون نگار کے نزدیک غالب کے ہم صحبتوں کو کبھی اس کے متعلق غلط فہمی نہیں ہوئی اور وہ اسے محض ایک لطیفہ سمجھتے رہے!

یہ کہنا کہ عبدالصمد ایک فرضی شخص ہے ظرافت نہیں، لیکن اگر عبدالصمد کے معاملے کو غالب کو شوخی طبع کا نمونہ قرار دینے پر اصرار ہی ہے، تو میں یہ کہوں گا کہ ظرافت عبدالصمد کی تخلیق میں ہے، اور غالب کے تیر ظرافت کی آماجگاہ وہ اصحاب ہیں جو اس کے وجود خارجی کے قائل ہیں۔

تصحیح واضافہ:

(۱) فصل ۱:۔ صفحہ سطر ۱۲ "اروند بندہ بھی لکھا کرتا تھا" یہ درفش کاویانی ۱۸ میں ہے۔

فصل ۲: صفحہ سطر ۱۲ 'پہلوی میں بھی اشعار ہیں'، سبک شناسی جلد ۱ ص ۱۰۶

خاتمہ: صفحہ سطر ۱۹ غالب معلم پیشہ لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے' ان کے ذہن میں یہ بات کبھی نہ آئی ہوگی کہ عبدالصمد کو اس گروہ میں شامل کرلیں، لیکن انھوں نے صراحتہً یہ نہیں لکھا کہ وہ معلم پیشہ نہ تھا۔ سطر ۱۹ کی عبارت ترمیم طلب ہے۔

(۲) حواشی

حاشیۂ ۱۹: نامحتاط مصنف بالارادہ یا بے ارادہ ایسی باتیں بڑھا دیا کرتے ہیں جن کا کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں ہوتا، اس کی ایک مثال جناب مالک رام کی یہ عبارت ہے جو ذکر غالب (اشاعت ۲)، ص ۲۵ میں ہے:

"عبدالصمد ... اسلام قبول کرنے سے پہلے .. زردشتی مذہب کے موبد (کذا) تھے"

حاشیۂ ۲۲: محشی قاموس نے صرف فاریابی لکھا ہے، مگر یہ لفظ تنہا آتا ہے تو ابونصر فاریابی ہی سے مراد ہوتی ہے۔

حاشیۂ ۲۳: "مع فصل ... جائے" کی جگہ عبارت ذیل ہونی چاہیے: ذال فارسی کی مفصل بحث کے لیے راقم کا مقالہ 'غالب اور ذال فارسی' (آجکل فروری ۱۹۵۲ء) دیکھا جائے اس میں سعدی کے اس شعر کا ذکر ہے جس میں 'عدل' فضل کا قافیہ آیا ہے اور اوحدی کی جام جم کے اس شعر کا بھی جس میں 'فیض' غیظ کا قافیہ بندھا ہے۔

حاشیۂ ۲۷: رومی کا شعر مثنوی (اشاعت نکلسن جلد ۱ ص ۸) میں ہے۔

[۱۰/۶/۵۲]

Ghalib

As a Scholar

by

Qazi Abdul Wadood

(d. 1984)

Khuda Bakhsh Oriental Public Library
Patna